

تذکرہ
میرزا محمد علی

تصانیف
میرزا محمد علی

تصانیف

تصانیف
میرزا محمد علی

تاریخ دعوت و عزیمت

حصہ دوم

سوانح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم و مصلح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ
کے سوانح حیات ان کے صفات و کمالات ان کی علمی و تصنیفی خصوصیات
ان کا تجدیدی و اصلاحی کام اور مقام اور ان کی تصنیفات کا مفصل تعارف
اور ان کے ممتاز تلامذہ اور منتسبین کے حالات

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام

۳- ناظم آباد مینشن: ناظم آباد کراچی

مجلس نشریات اسلام
ناظم آباد کراچی

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انتظامی و مجلس طرہ دار المصنفین عظیم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعتہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- صدر رابطتہ الادب الاسلامی العالمیہ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق ڈیپٹی پرنسپل پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ۔

نام کتاب	تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ دوم)
تصنیف	مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
طباعت	شکیل پرنٹنگ پریس۔ کراچی
ضخامت	
ٹیلیفون : ۶۲۱۸۱۶	

اسٹاکسٹ: مکتبہ ندوۃ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی

ناشر

فضلہ ربیہ ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔ ۷۔ ۲۰ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد کراچی ۷۶۰۰

فہرست مضامین

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم

۴۳	پہلی مخالفت	۱۱	دیباچہ
۴۷	تاتاریوں کا رخ دمشق کی طرف	۱۴	شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ
۴۸	سلطان مصر کی شکست اور دمشق کی حالت	۱۴	شریعت کے ترجمان اور ایک ہمہ گیر مصلح کی ضرورت
۴۹	ابن تیمیہ کی قازان سے ملاقات	۲۱	ابن تیمیہؒ کا زمانہ
۵۱	دمشق میں تاتاریوں کی بے عنوانیاں	۲۲	مصر کے ملوک سلاطین
۵۴	شراب کے خلاف جہاد	۲۵	نظام سلطنت
۵۴	بدعتیہ کو ہتھانیوں کی تادیب و تبلیغ	۲۶	ملک کی اجتماعی و اخلاقی حالت
۵۵	تاتاریوں کی دوبارہ آمد اور ابن تیمیہ کا اعلان جہاد	۲۹	علمی حالت
۵۶	مصر کا سفر	۳۲	ابن تیمیہؒ کا آبائی وطن
	تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ و ابن تیمیہ کا	۳۳	ابن تیمیہ کا خاندان
۵۸	کارنامہ	۳۴	ولادت اور نقل مکان
۶۱	انکار بدعات اور ازالہ منکرات	۳۵	دمشق میں
۶۳	محدثین و مفسدین کے خلاف جہاد	۳۶	غیر معمولی حافظہ
۶۶	رقاعیوں سے مناظرہ	۳۷	تعلیم و تکمیل
۶۷	ابن تیمیہ کی مخالفت اور مصر طلبی	۴۱	ابن تیمیہ کا پہلا درس
۶۸	عقیدہ وحدۃ الوجود کی تردید	۴۲	حج
۷۸	ابن تیمیہ مصر میں	۴۲	شایخ رسول کی تعزیر

۱۲۳	زندگی کے آخری دن اور وفات	۷۸	ایسری و رہائی
۱۲۴	جنازہ کی کیفیت اور تدفین		بنائے احکامات اور مسلک کی توضیح خود شیخ الاسلام
۱۲۶	ناز جنازہ غائبانہ	۷۹	کی زبان سے
۱۲۷	نمایاں صفات اور کمالات	۸۸	جیل کے اندر اصلاح و تعلیم اور ان کے اثرات
۱۲۷	خداداد حافظ اور ذہانت	۸۹	ابن تیمیہ کی اخلاقی بلندی
۱۲۹	تبحر علمی اور جامعیت	۹۱	درس و افادہ
۱۳۳	شجاعت اور فکری استقلال	۹۱	ابن تیمیہ کا خط والدہ کے نام
۱۳۸	اخلاص و انہماک	۹۶	دوبارہ ایسری
۱۴۱	ان کی تصنیفی خصوصیات	۹۸	سیاسی تغیر اور ابن تیمیہ پر سختی
۱۴۲	پہلی خصوصیت	۱۰۰	رکن الدین جاشگیر کا زوال
۱۴۲	دوسری خصوصیت	۱۰۲	ابن تیمیہ کی رہائی اور شاہ عزت افزائی
۱۴۳	تیسری خصوصیت	۱۰۴	مصر میں سنت یوسفی
۱۴۴	چوتھی خصوصیت	۱۰۷	دمشق واپسی
۱۴۷	مخالفت کے اسباب اور ان کے ناقدین	۱۰۷	مسائل فقہیہ کی طرف توجہ خصوصی
۱۴۷	و مدافعیین	۱۱۰	تین طلاقوں کا مسئلہ
۱۴۷	۱۔ تنقیص میں غلو	۱۱۲	حلفت بالطلاق کا مسئلہ اور نظر بندی
۱۴۸	۲۔ وقت کی ذہنی سطح سے اونچا ہونا	۱۱۴	آخری ایسری
۱۴۹	۳۔ غیر معمولی مقبولیت	۱۱۸	اہل علم و دین کا تاسف اور احتجاج
۱۵۰	۴۔ طبیعت کی تیزی اور ذکاوت	۱۱۹	قلعہ میں شیخ کے مشاغل
۱۵۲	۵۔ تقریبات		نئی پابندیاں اور سامان مطالعہ و تحریر سے
۱۵۳	۶۔ اشعری طریقہ تاویل کی مخالفت	۱۲۰	محرومی
۱۵۴	۷۔ ابن عربی کی مخالفت	۱۲۱	کوئلہ سے تحریر و تصنیف
۱۵۷	۸۔ ان کی طرف سے غلط فہمیاں اور مغالطے	۱۲۱	تسلیم و رضا اور حمد و شکر

۱۹۶	مشاہد کا فتنہ	۱۶۵	شیخ الاسلام ایک عارف بالشر اور محقق
۱۹۷	مشاہد و مزارات کا حج	۱۶۷	ذوق عبودیت و انابت
۱۹۷	حج بیت البشر پر ترجیح	۱۶۹	ذوق عبادت و انہماک
۱۹۸	مساجد کی ویرانی و کس پرسی اور شاہد کی رونق و اہتمام	۱۷۱	زہد و تجرید و تحقیر دنیا
۲۰۰	امام ابن تیمیہ کا اصلاحی کام اور مشرکانہ عقائد کی تردید و مخالفت	۱۷۲	سخاوت و ایثار
۲۰۰	غیر اللہ سے دعا و استغاثہ کی ممانعت	۱۷۴	فریبتی و بے نفسی
۲۰۲	غیر اللہ سے دعا کی حرمت کی حکمت	۱۷۶	سکینت و سرور
۲۰۳	اہل قبور سے دعا کرنے والوں کی قسمیں اور صورتیں	۱۷۷	کمال اتباع سنت
۲۰۶	زندہ ہستی سے بھی کسی ایسی چیز کا مطالبہ جو اسباب دنیاوی سے اور اہو جائز نہیں	۱۷۸	صالحین میں مقبولیت اور علماء کے وقت کی شہادت
۲۰۷	واسطہ کی حقیقت	۱۷۹	فراست و کرامت
۲۱۰	مشاہد بدعتِ قبیحہ ہیں	شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا تجدیدی و اصلاحی کام	
۲۱۲	مشاہد کے موجد باطنی و روانہ ہیں	۱۸۹	۱۔ عقیدہ توحید کی تجدید اور مشرکانہ عقائد و رسوم کا ابطال
۲۱۳	اکثر مشاہد و مزارات جعلی ہیں	۱۸۹	امام ابن تیمیہ کے زمانہ میں مشرکانہ عقائد و رسوم
۲۱۴	مشاہد و مزارات پر حصول مقصد کے افسانے	۱۹۱	کھلی قبر پرستی
۲۱۵	مشرکین کے لئے شیاطین کا تمثیل	۱۹۲	خدا سے بے خوفی اور صاحب مزار سے خوف و خشیت
۲۱۷	امام ابن تیمیہ کا اصلاحی کارنامہ اور اس کے اثرات	۱۹۳	اللہ اور شعائر اللہ سے استہزاء و استخفاف
		۱۹۴	مشرکین کی بے باکی و شوخ چستی
		۱۹۴	بزرگوں کی الوہیت کا اعتقاد

۲۔ فلسفہ و منطق و علم کلام کی تنقید

اور

کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی ترمیم

قرآن کا اسلوب استدلال زیادہ دلنشین

۲۲۱

اور یقین آفرین ہے

ذات و صفات کے بارے میں قرآن اور فلسفہ

۲۲۲

کا بنیادی و اصولی فرق

۲۲۲

لفظی صفات کا اثر پوری زندگی پر

۲۲۳

صحابہ کرام کا امتیاز

۲۲۴

منطق یونانی کا سحر اور رعب عالم اسلام پر

۲۲۶

منطق علوم عقلیہ کی میزان نہیں

بہت سی منطقی حدود و تعریفات مخدوش اور

۲۲۷

گمراہ ہیں

۲۲۸

کوہ کندن و گاہ بر آوردن

۲۲۹

منطق کا اثر ذہن اور قوت بیانیہ پر

۲۵۰

بعض مستثنیات

۲۵۱

منطق کے متعلق اجمالی رائے

۲۵۲

منطق کا صحیح مقام اور فائدہ

دینی و الہی حقائق کے بارے میں منطق کی

۲۵۳

بے بسی

منطق پر تفصیلی و فنی تنقید اور ابن تیمیہ کے اجتہادات

۲۵۵

واضافات

۲۵۶

علوم عقلیہ میں تقلید درست نہیں ہے

عالم اسلام کے پچھلے دور میں علوم عقلیہ کا عبور و

۲۵۷

انحطاط اور ابن تیمیہ کے کام کی اہمیت

۲۱۹

۲۱۹

۲۲۱

۲۲۳

۲۲۴

۲۲۶

۲۲۷

۲۲۹

۲۳۰

۲۳۱

۲۳۲

۲۳۳

۲۳۴

۲۳۵

۲۳۷

۲۳۹

۲۳۹

۲۴۰

۲۴۰

فلسفہ یونان کا عالم اسلام پر اثر و اقتدار

فلسفہ کا دورِ تقلید

فلسفہ و منطق کا علمی محاسبہ اور ابن تیمیہ کا کارنامہ

طبیعیات و ریاضیات کا اعتراض

اختلاف کا اصل میدان فلسفہ الہیات

یونانی الہیات اور پیغمبروں کے علوم و تعلیمات

کا تقابل

فلاسفہ یونان کا جہل و انکار

ہنر پرست و ستارہ پرست یونان

متقدمین و متاخرین فلاسفہ یونان کا فرق

ارسطو حقائقِ دینیہ سے بعید تر ہے

یونانی فلسفہ میں خدا کی حیثیت

فلاسفہ اسلام یونان کے مقلد محض ہیں

ابن سینا حقیقت و منصب نبوت سے

نا آشنا ہے

علم کلام کا نقص متکلمین کا تذبذب

متکلمین و فلاسفہ کی مشترک غلطی و کمزوری

تطویل و تکلفات

متکلمین کے دلائل پر انحصار نہیں

ایک طبقہ کو فائدہ

۳۔ غیر اسلامی ملل و فرق کی تردید

۲۷۹	شریعتِ محمدی کا اعجاز	۲۵۹	اور
۲۸۱	نبوتِ محمدی کا اقرار ہر مقررہ نبوت کے لئے ضروری ہے	ان کے عقائد و رسوم و اثرات کا مقابلہ	
۲۸۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ	۲۶۰	۱۔ ردِ عیسائیت
۲۸۲	۲۔ ردِ شیعیت	۲۶۰	عالمِ اسلام میں عیسائیت کی نئی تحریک
۲۸۲	(منہاج السنہ)	۲۶۱	۲۔ الجواب الصحیح کی تصنیف
۲۸۶	کتاب کا محرک اور اندرونی باعث	یسحیت حضرت مسیح کی تعلیم اور رومی بت پرستی کا مجموعہ ہے	
۲۸۶	شیعوں کے نزدیک خیر الامم سے یہود و نصاریٰ بہتر ہیں	۲۶۲	یہودہ یسحیت و قسطنطین کی تصنیف ہے
۲۸۷	شیعوں نے خیار امت کو شرارت بنا دیا	۲۶۳	اناجیل کی صحیح حیثیت
۲۸۹	ایک مثال	۲۶۴	اناجیل میں تحریف
۲۸۹	امام شعبی کا قول	۲۶۹	نصاریٰ الفاظ انبیاء کو سمجھے نہیں
۲۹۰	سابقین اولین سے عداوت کفار سے محبت	۲۷۰	الفاظ کے صحیح معنی
۲۹۰	تعصب و بے انصافی	الفاظ "ابن" اور "روح القدس" مشترک اور عام ہیں	
۲۹۱	شیعوں کی بوجھیاں	۲۷۱	مناہی عقل باتیں
۲۹۲	صحابہ کرامؓ سے دل میں کھوٹ دل کی ناپاکی ہے	۲۷۳	توحید اور حضرت مسیحؑ کی عبدیت کے قائل
۲۹۳	شیخین پر طعن کرنے والا دو حال سے خالی نہیں	۲۷۵	یسعی علماء
۲۹۳	رسالت پر الزام	تورات و صحفِ سماویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں	
۲۹۵	فضائلِ صحابہؓ قطعی اور متواتر ہیں	۲۷۶	معجزات و دلائل نبوت
۲۹۵	صحابہ کرامؓ معصوم نہیں تھے	۲۷۷	اسلامی انقلاب اور امتِ محمدی مستقل معجزہ
۲۹۶	صحابہ کرامؓ کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی	ہے	
۲۹۸	مسلمانوں میں جو کچھ خیر ہے صحابہ کرامؓ کی برکت ہے	۲۷۸	

۳۱۹	فکر اسلامی کا اجیاء عقائد کا ماخذ کتاب و سنت	۲۹۹	حضرت ابو بکرؓ کی خلافت و دلیل نبوت و صداقت ہے۔
۳۱۹	عقائد و دینی حقائق کا صحیح ماخذ	۳۰۱	جاہلیت کی نسب پرستی
۳۲۰	فلسفہ کی سعی لاجاصل	۳۰۲	شیعوں کا انتساب اور مدح اولادِ حسین کے لئے
۳۲۰	مشکلیں کا فلسفہ	۳۰۲	ایک آزمائش ہے
۳۲۱	قرون متاخرہ میں اسلامی فکر کا انحطاط	۳۰۲	تعصب کی کرشمہ سازیاں
۳۲۳	عقل کی تعظیم و تقدیس میں مبالغہ	۳۰۸	حضرت علیؓ کے بارے میں تناقض
۳۲۴	عقل کا منصب و مقام	۳۰۹	مبحث امامت
۳۲۶	رسول پر بلا شرط ایمان ضروری ہے	۳۱۰	شیعوں کی قرآن و حدیث سے دھسپی نہیں
۳۲۷	عقل کے ہوائی قلعے	۳۱۰	مساجد و جمعہ و جماعت سے بیگانگی
۳۲۸	اہل دانش کی بے دانشی	۳۱۰	متاخرین شیعہ معتزلہ کے پیرو ہیں
۳۲۹	صریح عقل اور صحیح نقل میں کبھی تعارض نہیں ہوتا	۳۱۱	گذشتہ تاریخ
۳۳۰	قرآن میں بہترین عقلی دلائل ہیں	۳۱۱	اہل سنت راہ اعتدال پر
۳۳۱	رسول کی تعلیم میں القیاس نہیں	۳۱۳	۴۔ علوم شریعت کی تجدید
۳۳۲	امام ابن تیمیہ کی دعوت اور ان کا کارنامہ	۳۱۳	امام ابن تیمیہ کا عہد
۳۳۳	فقہیات کا ماخذ کتاب و سنت	۳۱۴	ان کی تصنیفی و علمی خصوصیات
۳۳۳	دور تقلید سے پہلے	۳۱۵	تفسیر
۳۳۴	تقلید کی ابتداء اور اس کے اسباب	۳۱۶	حدیث
۳۳۵	تقلید کی حیثیت	۳۱۶	اصول فقہ
۳۳۷	پھپھی ضدیوں کا غلو و انحطاط	۳۱۷	علم کلام
۳۳۹	امام ابن تیمیہ کی رائے تقلید و اجتہاد کے بارے میں	۳۱۸	فقہ
			امام ابن تیمیہ کا اثر بعد کی صدیوں پر

۳۶۴	(قضایا فی نبوی)	۳۴۳	امام ابن تیمیہ کا عمل اور ان کا فقہی مرتبہ
۳۶۶	ابن عبدالبہادی	۳۴۳	امام ابن تیمیہ کی دعوت اور اس کا اثر
۳۶۶	(علمی جلالات)	۳۴۴	تلامذہ و متبیین
۳۶۷	(اہل سیر کا اعتراف)	۳۴۴	حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ
۳۶۸	مختصر حالات	۳۴۵	نام و نسب
۳۶۸	(اساتذہ)	۳۴۵	علمی مرتبہ
۳۶۸	(علوم دینیہ میں مہارت)	۳۴۶	زہد و عبادت
۳۶۹	(علالت)	۳۴۶	ابتلاء و آزمائش
۳۶۹	(وفات)	۳۴۷	ان کے تلامذہ و معاصرین کا اعتراف
۳۶۹	تصنیفات	۳۴۷	تدریس و تصنیف
۳۷۱	ابن کثیر	۳۴۷	ان کی تصنیفات کی خصوصیت
۳۷۱	(نام و نسب)	۳۴۸	اہم تصنیفات
۳۷۱	(تعلیم)	۳۴۸	وفات
۳۷۲	(تصانیف)	۳۴۹	زاد المعاد
۳۷۲	(تفسیر)	۳۵۰	(کتاب کی جامعیت)
۳۷۳	(البدایہ والنہایہ)	۳۵۱	(کتاب کے بعض مضامین)
۳۷۳	(وفات)	۳۵۶	(شرح صدر کا خلاصہ)
۳۷۴	حافظ ابن رجب	۳۵۶	(احکام کے اسرار)
۳۷۴	مختصر حالات	۳۵۶	(روزہ کا بیان)
۳۷۴		۳۵۸	(حج کا بیان)
۳۷۴		۳۶۰	(غزوات نبوی)
۳۷۴		۳۶۳	(غزوات پر تبصرہ)

۳۷۶

(علامہ ابواسحاق شاطبی)

۳۷۴

(حدیث کی سماعت)

۳۷۷

اشاریہ (انڈیکس)

۳۷۵

(فن حدیث میں تبحر)

از۔ محمد عیاض الدین ندوی

۳۷۵

تصنیفات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیباچہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ

احمد شکر ناظرین کے سامنے "تاریخ دعوت و عزیمت" کا دوسرا حصہ پیش کرنے کی سعادت و مسرت

حاصل ہو رہی ہے الحمد للہ الذی بعزیزتہ و جلالہ تتم الصالحات:

کتاب کی پہلی جلد میں پہلی صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک کی رواد اصلاح و دعوت
تھی، شخصیتوں کے لحاظ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز سے لے کر مولانا جلال الدین رومی تک صحابہ دعوت و
عزیمت کا تعارف اور ان کے مصلحانہ و اولوالعزمانہ کارناموں کی تفصیل آگئی تھی۔

اس دوسری جلد میں حسب وعدہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی سوانح حیات اور ان کے تلامذہ اور ان کے
دستان فکر کے فضلاء کا تذکرہ ہے، ابتدائی خاکہ کے مطابق یہ جلد اس دور اور اس مدرسہ فکر کے لئے
مخصوص کر دی گئی تھی، اور اسی انداز سے لکھنا شروع کیا تھا، یہاں تک کہ صرف شیخ الاسلام کے تذکرہ
نے مسودہ کے تقریباً دو صفحات گھیر لئے، ابھی ان کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں اور ان کے اثرات
کا تذکرہ باقی تھا کہ پہلی جلد پر تبصرہ کرنے والوں میں بعض نے مخلصانہ مشورہ دیا کہ اس زمانہ کی کم فرصتی اور
اختصار پسندی کے پیش نظر کتاب میں اختصار سے کام لیا جائے اور کتاب کے پیمانہ کو کچھ محدود کر دیا جائے
اس کا تقاضا تھا کہ شیخ الاسلام کے تذکرہ میں بھی تلخیص و انتخاب سے کام لیا جائے تاکہ اس جلد میں

دوسرے اصحاب دعوت و عزیمت کی جگہ نکل سکے، مصنف نے (جو اس دور کے رجحانات سے ناواقف نہیں) اس کا ارادہ بھی کیا، لیکن جب تذکرہ پر نظر ڈالی تو ایسا محسوس ہوا کہ بہت کارآمد اور قیمتی مواد فراہم ہو گیا ہے، جو اپنی جگہ پر مفید اور ضروری ہے جس طرح بعض گوشوں سے اختصار کا مشورہ دیا گیا ہے، اسی طرح بعض اہل خلوص و اہل طلب نے تفصیل کا مطالبہ کیا ہے اور بہت اصرار سے کہا ہے کہ اس باب میں قطعاً اختصار سے کام نہ لیا جائے، بالآخر طبیعت نے یہی فیصلہ کیا کہ اس حصہ کو یوں ہی رہنے دیا جائے اور جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کو قلمزد نہ کیا جائے کہ یہ علمی کام روز روز نہیں ہوتے اور طبیعت کے نشاط و انبساط، فرصت کے لمحات اور قلم کی روانی کا کچھ بھروسہ نہیں، کتاب کے مرتب ہو جانے کے بعد اپنے اپنے ذوق کے مطابق لوگ خود انتخاب و تلخیص کا کام کر سکتے ہیں۔

اس دوسری جلد کی اشاعت کے موقع پر اس کی حسرت اور دلی قلق ہے کہ فاضل گرامی مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور مولانا شاہ حلیم عطا موجود نہیں جو اس سلسلہ کے سب سے بڑے قدر دان اور مؤید تھے، پہلی جلد شائع ہوئی تو سب سے زیادہ مسرت کا اظہار مولانا گیلانی نے فرمایا، کتاب کا لفظ لفظ ذوق و شوق سے پڑھا اور بڑے جوش و اثر کا خط لکھا، مرحوم اگرچہ (ہمارے علم میں) شیخ اکبر کے علوم کے ہندوستان میں بہت بڑے عارف و حامل تھے، لیکن بایں ہمہ شیخ الاسلام کی امامت و عظمت کے قائل، ان کے بڑے مرتبہ شناس اور ان کی تصنیفات کے بڑے شائق تھے، یقین ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس حصہ کی اشاعت سے ان کو بڑی مسرت ہوتی۔

مولانا شاہ حلیم عطا نے زندگی گوشتہ گننامی میں گزاری اور اہل علم نے بھی ان کو بہت کم جانا، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس تحقیق پر اعظم (ہندوستان و پاکستان) میں شیخ الاسلام اور ان کے تلامذہ کے علوم پر ان سے زیادہ کسی کو عبور نہ تھا، وہ ان کی تصنیفات و تحقیقات کا ایک زندہ دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) تھے، اگرچہ پہلی جلد بھی ان کی رہنمائی و اعانت سے محروم نہیں رہی، لیکن اس دوسری جلد میں تو ان کی بیعت

معلومات ان کا قوی حافظہ اور ان کا قیمتی کتب خانہ مصنف کا مشیرو رفیق رہا ہے اور اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں ان کا اتنا بڑا حصہ ہے کہ شکر و اعتراف کی بند باند لفظ اس کے لئے کفایت نہیں کرتے اس دور آخر میں یہ دونوں بزرگ علماء سلف کے علمی شغف و انہماک و وسعت نظر، ذوق مطالعہ اور علمی فنائیت کی یادگار تھے۔ غفر اللہ لہما و رفع درجاتہما۔

قدیم ماخذ کے علاوہ اس حصہ کی تالیف میں مصری فاضل شیخ محمد البوزہرہ کی کتاب ابن تیمیہ سے بڑی مدد ملی اس کا اعتراف اور شکر واجب ہے۔

اشرتعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ جلد اول کی طرح یہ جلد ثانی بھی ہندوستان کے علمی و دینی حلقوں میں مقبول ہوگی اور ذوق و شوق سے پڑھی جائے گی۔

ابواحسن علی

دائرہ شاہ علم الشرح رائے بریلی

۷ ارمحرم ۱۳۷۶ھ

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ

شریعت کے ترجمان اور ایک ہمہ گیر مصلح کی ضرورت

الہیات و عقائد میں تفسیر و یونانیت اور متکلمین کی عقلی ظاہریت کے خلاف ایک ردِ عمل یہ تھا، جس کے علمبرار مولانا جلال الدین رومی تھے، یہ ایک خام و سطحی عقلیت کے مقابلہ میں ایک بلند تر عقلیت اور پختہ تر فکر و نظر کا مظاہرہ تھا، اور ایک نئے علم کلام کا افتتاح جس کی بنیاد قلب و نظر کی بلندی و پاکیزگی اور متکلم کے ذاتی تجربہ پر تھی، مولانا روم اپنے وقت کے ایک تبحر عالم اور کہنہ مشوق متکلم تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے عارفِ قلب اور عاشقِ طبیعت عطا فرمائی تھی، فلاسفہ کی سخن سازیوں اور متکلمین کی موٹگانیوں سے ان کی طبیعت سرد اور سبزا رہ چکی تھی، ایک صاحبِ لقیں اور صاحبِ عشق کی صحبت اور ریاضت و مجاہدہ نے ان کو اس مقام تک پہنچا دیا، جہاں سے ان کو علم کلام کی ان معرکہ آرائیوں میں حقیقت کم، اور ذہانت و خطابت زیادہ نظر آئی، اس مقام پر پہنچ کر انھوں نے دینی حقائق کو اپنی زبان میں بیان کیا، اور ان کے ثبوت کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جو حقیقت سے زیادہ قریب اور وجدان و تجربہ پر مبنی تھا۔

لیکن فلسفہ کی اس سرکشی اور علم کلام کی اس بے اعتدالی کے خلاف ایک ردِ عمل اور بھی ضروری تھا، جو سابق الذکر ردِ عمل کے مقابلہ میں کچھ کم حق بجانب نہ تھا، فلسفہ (الہیات) اور علم کلام کا موضوع بحث اللہ کی ذات و صفات کے مسائل تھے، شریعتِ اسلامیہ نے عقائد کے بارے میں انسان کو تار پٹی میں

نہیں چھوڑا، بلکہ چونکہ یہ شبہ پوری زندگی، اعمال و اخلاق اور صحیح تمدن و معاشرہ کی بنیاد ہے اس لئے اس نے تمام مذاہب سابقہ سے کہیں زیادہ اشرتاً لائے کی ذات و صفات کے متعلق ایسی واضح، عام فہم اور فیصلہ کن تعلیم دی، جس کے بعد اس سلسلہ میں کسی محنت درد سری اور کسی قیاس آرائی کی ضرورت نہیں تھی، اس علم و یقین کا سرچشمہ اور ماخذ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ہے، انہوں نے جو کچھ کہہ دیا اور جتنا کہہ دیا، وہ حجتِ آخریہ کہ وہی اس وراء الوراہ، ہستی اور اس کے ناقابلِ قیاس و بے مثال صفات کے عارف ہیں، فلسفہ کو اس موضوع پر گفتگو کرنے اور فریق بننے کا کوئی حق نہ تھا کہ اس کو اس علم کے مبادی اولیہ بھی حاصل نہ تھے اور نہ وہ معلومات جن کو ترتیب سے کروہ مجہول تک پہنچا کرتا ہے، نہ یہاں کسی تجربہ اور تحلیل و تجزیہ کی گنجائش تھی اور نہ اہل فلسفہ میں اس کی صلاحیت، لیکن فلسفہ نے اپنے حدود سے تجاوز کیا، اور اس موضوع میں نہ صرف دخل دیا، بلکہ اس کے مسائل و جزئیات میں اس وثوق و حکم اور اس تفصیل و تدقیق سے بحث کی اور اس تحلیل و تجزیہ سے کام لینا شروع کیا جو صرف ایک کیمیاوی عمل میں انجام دیا جاسکتا ہے۔

فلسفہ کے مقابلہ اور مذہب کی حمایت کے لئے علم کلام وجود میں آیا اور ایسا ہونا ضروری تھا، لیکن اس میں رفتہ رفتہ خود فلسفہ کی روح گھس گئی، اور وہ ایک مذہبی فلسفہ بن کر رہ گیا، وہی اس کا موضوع، وہی طریق بحث و استدلال، اور وہی بنیادی غلطی کہ ذات و صفات الہی اور ماوراء عقل مسائل کو عقل سے ثابت کیا جاسکتا ہے، وہی انبیاء علیہم السلام کی تعبیرات و تشریحات پر عدم قناعت، وہی محدثانہ ناقص اور غلط فہمی پیدا کرنے والے یونانی اصطلاحات کا استعمال، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسائل سلجھنے اور بات مختصر ہونے کے بجائے زیادہ پیچیدگی اور طوالت پیدا ہوتی چلی گئی، اور ذات و صفات کے نہایت سادہ ہوتے اور دل آویز بیان کے متوازی جس میں دلوں میں ایمان و اذعان پیدا کرنے اور ہر زمانہ کے دماغوں کو تسکین دینے کی پوری صلاحیت تھی، اور وہ کتاب و سنت کے نصوص پر مبنی تھا، ایک طویل پر پیچ فلسفہ الہیاتی اور ایک ضخیم، مشروح عقائد تیار ہو گئی، جس پر باوجود فلسفہ یونان کے حریف و مقابل ہونے کے یونانی فکر

کا اچھا خاصا اثر پڑ چکا تھا، اس صورتِ حال کے خلاف کتابِ سنت کی روح ہمیشہ احتجاج کرتی رہی، امت کا ایک چھا خاصا گروہ ان فلسفیانہ تفصیلات اور متکلمانہ تاویلات کا مخالف رہا، لیکن کتابِ سنت کی صحیح و موثر ترجمانی کے لئے ایک ایسے قومی الایمان و وسیع العلم اور دقیق النظر عالم کی ضرورت تھی جو علیٰ وجہ البصیرۃ اس پر ایمان راسخ رکھتا ہو کہ کتابِ سنت کے نصوص اور ذات و صفات کے بارے میں اس کے بیانات و تعبیرات بالکل کافی و شافی ہیں، جو اپنی ذہانت و مطالعہ سے فلسفہ کے رگڑ ریشہ سے واقف ہو چکا ہو، حکماء یونان کے اقوال و خیالات اور ان کے مذاہبِ فکریہ کی علمی تنقید کر سکتا ہو اور ان کی بنیاد کمزوریوں سے واقف ہو، جو اپنے غور و فکر سے علمِ کلام کی تک پہنچ چکا ہو، مذاہبِ فرقہ اسلام کے دقیق اختلافات سے واقف ہو، علمِ کلام کی پوری تاریخ اور اس کے ارتقاء پر اس کی نظر ہو، اور اس پورے مطالعہ و تجربہ سے اس کے اندر کتابِ سنت کے نصوص اور مسلکِ سلف پر حد درجہ کا وثوق و اعتماد اور اس کی حمایت و ترجمانی کا جوش اور عزم پیدا ہو چکا ہو اور وہ عقلی حیثیت سے بھی اس کی ترویج اور اس کی برتری ثابت کرنے کے لئے بے چین ہو، پھر اس نازک و عظیم الشان کام کے لئے اس کے پاس وہ تمام وسائل و صلاحیتیں ہوں جو اتنے بڑے کام کے لئے درکار ہیں، وہ اپنی ذکاوت، قوتِ استدلال، قوتِ بیانیہ، وسعتِ نظر، کثرتِ مطالعہ میں بھی ممتاز اور اپنے زمانہ کی سطح سے بلند ہو، اور ہر طرح سے اس خدمت کا اہل ہو۔

دوسری طرف اسلام اندرونی اور بیرونی حلوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا، عیسائیوں میں اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے اور اسلام پر اعتراضات کرنے کی نئی تحریک پیدا ہوئی تھی، صلیبیوں کے پے درپے حملوں اور شام و فلسطین و قبرص میں مغربی النسل عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی نے انہیں اس کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے علمی مقابلہ کریں، نبوتِ محمدی پر اعتراضات اور اپنے مذہب کی ترویج پر کتابیں تصنیف کریں، اس کا جواب دینے کے لئے بھی ایک ایسے عالم و مکلم کی ضرورت تھی جو سمجھتے اور دوسرے مذاہب کا وسیع اور گہرا مطالعہ کر چکا ہو، صحتِ سماوی اور ان کی تبدیلیوں اور تحریفیات پر

پوری نظر رکھتا ہو، مذاہب کے تقابل و موازنہ کا کام بڑی خوبی سے انجام دے سکتا ہو اور اسلام کی صداقت و برتری کو طاقتور و مؤثر علمی انداز میں ثابت کر سکتا ہو، اور حکمت و قوت کے ساتھ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دے سکتا ہو۔

ان عیسائی مناظرین و مصنفین کے حملہ سے زیادہ خطرناک حملہ ایک نام نہاد "اسلامی فرقہ" باطنیہ کا تھا جن کا مذہب و دین کی تعلیمات مجوسی عقائد و افلاطونی تصورات اور خطرناک سیاسی اغراض کا عجیب و غریب مجموعہ تھا، یہ اور اس کی مختلف شاخیں (اسماعیلی، حشاشی، دروزی، نصیری) مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم طاقتوں اور بیرونی حملہ آوروں کی ہمیشہ مدد کرتے رہے اور اکثر اوقات ان ہی کی تحریک و سازش سے اسلامی ملکوں پر بیرونی حملے ہوئے، شام و فلسطین پر صلیبی حملوں کے موقع پر انھوں نے صلیبیوں کا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب صلیبیوں کا شام پر تسلط ہوا تو انھوں نے ان باطنی فرقوں کے لوگوں کو اپنا معتد و مقرب بنایا، اور ان کو ان کی مدد کا صلہ دیا، زندگی اور ایوبی دور سلطنت میں یہ ہمیشہ سازشوں اور بغاوتوں میں مشغول رہے، آٹھویں صدی میں جب تاتاریوں نے شام پر حملہ کیا تو انھوں نے کھل کر تاتاریوں کا ساتھ دیا، اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا، اس کے علاوہ وہ مسلمانوں میں ہمیشہ ذہنی انتشار و دین سے بے اعتمادی اور بغاوت پھیلانے اور اتحاد و بے دینی کی اشاعت میں نہمک رہتے تھے، اور مسلمانوں کے ذہنی قلوب میں غنیم کے جاسوسوں کا کام کرتے تھے، اس سب کا تقاضا تھا کہ اس فرقہ پر علمی و عملی حیثیت سے کاری ضرب لگائی جائے، اس کے عقائد و اغراض کو بے نقاب کیا جائے، مسلمانوں کو ان کی طرف سے خبردار کر دیا جائے، اور ان کی دشمن اسلام کارروائیوں پر ان کو قرار واقعی سزا دی جائے، یہ کام بھی وہی انجام دے سکتا تھا، جو اس فرقہ کی حقیقت و اسرار اور اس کے ماضی و حال اور اس کی تمام شاخوں اور اس کے تمام فرقوں کے عقائد و خیالات سے واقف ہو، ان کی علمی تنقید و تردید پر پوری قدرت رکھتا ہو، اس کے سینہ میں حیثیت اسلامی کا جوش اور ان دشمنان اسلام کے خلاف جذبہ جہاد کا فرما ہو۔

اس سب کے علاوہ غیر مسلموں کے اختلاط، عجمی اثرات اور علماء کے تساہل و غفلت سے عوام میں مشرکانہ عقائد و اعمال پھیلے ہوئے تھے، توحید و دینِ خالص پر پڑے پڑتے چلے جا رہے تھے، اولیاءِ الشریعہ صاحبین کے بارہ میں یہود و نصاریٰ کا سا غلو پیدا ہوتا جا رہا تھا، وساطت اور تقرب بالاولیاء کا عقیدہ راسخ اور مانتہ ہمارا لایقربنا الی اللہ زکفی^۱ کا جاہلی خیال مسلمانوں میں بھر رہا تھا، غیر الشریکی دہائی دینے اور استغاثہ بجز اللہ تک میں بہت سے علماء تک کو کوئی قباحت نظر نہیں آتی تھی، انبیاء و صاحبین کی قبور کے پاس وہ سب کچھ ہونے لگا تھا، جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا، اور جس سے پوری شدت سے آپ نے منع کیا تھا، مسلمان غیر مسلموں اور ذمیوں کے شعائر و خصوصیات اختیار کرنے اور ان کے مذہبی تہواروں اور میلوں میں شرکت اور ان کے رسوم و عادات اختیار کرنے میں تکلف محسوس نہیں کرتے تھے، اس مشرکانہ جاہلیت کے خلاف جہاد کرنے اور توحیدِ خالص کی طرف پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ دعوت دینے کے لئے ایک ایسے مجاہد عالم کی ضرورت تھی جس کا ذہن توحید و شرک کے فرق کو خوب سمجھتا ہو، جو جاہلیت کو اس کے تمام لباسوں اور مظاہر میں پہچان سکتا ہو، جس نے توحید کی حقیقت کو متاخرین کی کتابوں، جاہل مسلمانوں کے تعامل اور زمانہ کے رسم و رواج کے بجائے براہِ راست کتاب و سنت اور صحابہ کرام کے عمل سے سمجھا ہو، جو عقیدہ صحیح کے اعلان و اظہار میں حکومتوں کی مخالفت اہل زمانہ کی عداوت، علماء کے اختلاف اور کسی طرح کی لومہ لائیم کی پرواہ نہ کرتا ہو، جو کتاب و سنت اور دین کے مستند اور اولین ماخذ اور قرونِ اولیٰ کے حالات پر غائر نظر اور کامل عبور رکھتا ہو، جو یہود و نصاریٰ کے انحراف ان کے مسخ و تحریف کی تاریخ، اور جاہلی قوموں کے ذہن و نفسیات پر پورے طور پر واقف ہو، اور جو مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم اور صدر اول کے عقیدہ و عمل پر واپس لانے اور ان کو صحابہ کرام اور ان کے جانشینوں کی روش اور مسلک پر دیکھنے کے لئے بے چین ہو۔

۱۔ زجریہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔ (الزمرہ: ۲)

اہل تصوف کے گروہ میں (مختلف تاریخی و علمی اسباب کی بنا پر) یونانی و ہندوستانی فلسفہ اشراقیت کے اثرات ذیل ہو گئے تھے اور اسلامی عقائد و افکار کے ساتھ اس طرح خیر و شکر ہو گئے تھے کہ ان کا سرخ نگانا مشکل تھا، افلاطونیت جدیدہ کی اشراقیت یا ہندوستان کا جوگ، حلول و اتحاد کا عقیدہ، وحدۃ الوجود کا مسلک، ظاہر و باطن کی سرحد بندی، رموز و اسرار اور علوم سینہ کا فتنہ، کالمین و اصلین سے تکالیف شرعیہ کا سقوط اور احکام شریعت سے استثناء، یہ سب وہ عقائد و خیالات تھے، جو اہل تصوف کے ایک بڑے حلقہ میں مقبول و مسلم تھے، اگرچہ ہر زمانہ کے محققین و راہنما ان عقائد فاسدہ کی تردید و انکار کرتے رہے، مگر تصوف کے ایک بڑے حلقہ کو اس پر اب بھی اصرار تھا، تصوف کی بعض شاخیں اور سلسلے شعبہ بازی اور نظر بندی کی نیچی سطح تک اتر آئے تھے، ساتویں و آٹھویں صدی میں رفاہی سلسلہ اس بارہ میں خاص طور پر پیش پیش تھا، عوام اور بہت سے خواص نے مغالطوں کا شکار تھے، اس خطرہ کے سدباب اور شریعت کی حفاظت کے لئے بھی ایک صاحب لفظ اور جری مصلح کی ضرورت تھی، جو اس گروہ کی شوکت و دبیرہ اور اس کے معتقدین و متوسلین کی تعداد و طاقت سے بے پروا و بے خوف ہو کر ان پر آزادانہ و دلیرانہ تنقید کرے اور ان کی غلطیوں اور مغالطوں کا پردہ چاک کرے۔

علمی و دینی حلقوں میں صدیوں سے ایک ایسا جمود طاری تھا کہ اپنے گروہ کے فقہی دائرہ سے سب سے بڑا قدم نکالنا جرم سمجھا جاتا تھا، قرآن و حدیث کو ان فقہی مسلکوں اور اپنے گروہ کے عمل کی عینک سے دیکھنے کا عام رواج تھا، فقہی اختلافات میں قرآن و حدیث کو حکم بنانے کے بجائے قرآن و حدیث کو ہر حال میں ان کے مطابق کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، ترجیح و اختیارات فقہیہ کا دروازہ بھی عملاً بند تھا، زمانہ اور حالات کے تغیر کے ساتھ بہت سے نئے مسائل و پیش تھے جن میں فتویٰ دینے کے لئے اسلام کے پورے فقہی ذخیرہ پر وسیع نظر، کتاب و سنت پر عبور، قرون اولیٰ کے تعامل پر اطلاع اور

اصول فقہ سے گہری واقفیت کی ضرورت تھی، لیکن عرصہ سے علم و نظر اور مطالعہ محدود ہوتا چلا جا رہا تھا، قوائے فکر یہ مضمحل ہو رہے تھے، اور کوئی عالم نئے مسائل کے استنباط کی جرأت نہیں کر رہا تھا، اسلامی قانون اور فقہ اپنا نمونہ اور ارتقاء کی صلاحیت کھو چکے تھے، اور قدیم فقہی ذخیرہ میں اضافہ ناممکن سمجھا جائے گا تھا، اس صورت حال کی اصلاح کے لئے بھی ایک ایسے محدث و فقیہ اور اصولی کی ضرورت تھی جو پورے اسلامی کتب خانہ اور اس کے علمی ذخیرہ کا جائزہ لے چکا ہو، قرآن و حدیث کا اس کو ایسا استحضار ہو کہ لوگ انگشت بندناں رہ جاتے ہوں، حدیث کی اقسام اور اس کے مراتب اور اس کے مجموعوں پر اس کی ایسی نظر ہو کہ کہنے والے کہیں کہ جس حدیث کو یہ شخص نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں، فقہاء کے اختلافات اور ان کے مآخذ و دلائل اس کو ہر وقت مستحضر رہیں، اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب اور ان کی جزئیات سے وہ ان مذاہب کے اہل درس و اہل فتویٰ سے زیادہ باخبر ہو، قوت استنباط اور ذاتی تحقیق کے ساتھ سلف کے دائرہ میں محدود اور ائمہ مجتہدین کا مرتبہ شناس اور ان کا خوشہ چیں ہو، لغت میں محقق اور زبان کے معاملہ میں نقاد اور مقبر ہو، نوجو میں اس کو یہ درجہ حاصل ہو کہ ائمہ فن و مصنفین نوجو کی بے تکلف غلطیاں نکالتا ہو، اس کا حافظہ محدثین اولین کی یاد تازہ کرتا ہو، اس کی ذکاوت قدرت خداوندی کی ایک نشانی، اس کا علم فیاض ازل کی فیاضی کی ایک دلیل، اس کی ذات امت اسلامیہ کی مردم خیزی، درخت اسلام کی شادابی اور علوم اسلامیہ کی زندگی اور تازگی کا ثبوت ہو، اور اس حدیث کی تصدیق کہ۔

مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ میری امت کی مثال بارش کی سی ہے کہ نہیں کہا جاسکتا

خیرام الخیرۃ کہ اس کا ابتدائی حصہ زیادہ بہتر و بابرکت ہے کہ آخری حصہ

اس کے ساتھ وہ زندگی کے علمی میدان کا بھی شہسوار ہو، صاحب قلم بھی ہو اور صاحب سیف بھی، سلاطین وقت کے سامنے کلمہ حق کہنے سے اس کو باک نہ ہو، اور تازگی جیسے نوجو وار دشمن کے مقابلہ میں

لے تزدی عن انس بن مالک۔

شکر اسلام کی قیادت کرنے سے اس کو عذر نہ ہوا درس کے حلقوں، کتب خانہ کے گوشوں، مسجد کی خلوتوں، مناظرہ کی مجلسوں سے لے کر چیل خانہ کی کال کو ٹھہری اور میدان کارزار تک اس کی یکساں پرواز اور فاتحانہ ترک تازہ ہوا اور ہر جگہ اس کی ذات محترم اور اس کی امامت مسلم ہو۔

آٹھویں صدی کے لئے ایک ایسے ہی مردِ کامل کی ضرورت تھی، جو زندگی کے تمام میدانوں کا مجاہد ہو اور جس کی جدوجہد اور اصلاحات کسی ایک شعبہ میں محدود نہ ہوں، یہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی ذات تھی جس نے عالم اسلام میں ایک ایسی علمی و عملی حرکت اور زندگی پیدا کر دی جس کے اثرات صدیاں گزر جانے کے بعد بھی قائم ہیں۔

ابن تیمیہ کا زمانہ

ابن تیمیہ کا زمانہ بڑا پُر آشوب اور پُر آزار واقعات ہے، سیاسی، اجتماعی، اخلاقی، علمی اور دینی حیثیت سے یہ دور خاص اہمیت رکھتا ہے، ابن تیمیہ کی اصلاحی جدوجہد اور ان کے علمی و اصلاحی مزاج کو سمجھنے کے لئے اس ماحول کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، جس میں ان کا نشوونما ہوا، اور جس میں انھوں نے اپنا تجدیدی و اصلاحی کام انجام دیا۔

ابن تیمیہ بغداد کی تباہی کے پانچ برس بعد اور حلب اور دمشق میں تاتاریوں کے داخلہ کے کل تین برس بعد پیدا ہوئے، اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ انھوں نے جب ہوش سنبھالا ہو گا تو ان اسلامی شہروں کی تباہی اور مسلمانوں کے قتل عام کی داستانیں اور تاتاریوں کے دہشت انگیز اور وحشیانہ مظالم کے واقعات بچہ بچہ کی زبان پر ہوں گے، اور اس کے چشم دید گواہ ہر جگہ موجود ہوں گے، وہ جب سات سال کے تھے تو خود ان کے وطن حران پر جو تاتاریوں کے مقبوضہ علاقہ (عراق) کے شمال اور دجلہ و فرات کے دو آبیں واقع ہے، تاتاریوں کا حملہ ہوا، اور بہت سے خاندانوں اور گھرانوں کی طرح ان خاندان بھی

تاتاریوں کے مظالم اور وحشیانہ سلوک سے بچنے کے لئے دمشق کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں ہر جگہ تاتاریوں کی دہشت پھیلی ہوئی تھی اس دہشت و پریشانی بے امنی اور بے نظمی کی یاد ان کے غیر معمولی حافظہ سے کبھی محو نہیں ہوئی ہوگی، بڑے ہو کر انھوں نے اس تباہی و بربادی کے آثار و نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوں گے اور خود ان لوگوں کی زبان سے اس کی دردناک تفصیل سنی ہوگی، جنھوں نے پیارے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے، اس لئے قدرتی طور پر ان کی حساس اور غریبہ طبیعت مسلمانوں کی اس بے بسی اور رسوائی سے متاثر ہوئی ہوگی اور ان غارتگروں کے خلاف ان کے دل میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوا ہوگا۔

اسی کے ساتھ عین جاہوت میں مسلمانوں کی شاندار فتح کا واقعہ ان کی ولادت سے صرف تین سال پہلے پیش آیا تھا، نیز الملک لظاہر میرس کی فتوحات ان کے بچپن کی باتیں تھیں اور مجلسین کے تذکرہ سے گرم تھیں اس سبب ان کے قلب کو سکون اور تقویت حاصل ہوئی ہوگی اور ان واقعات سے ان کا حوصلہ بلند ہو گیا ہوگا۔

مصر کے مملوک سلاطین

مصر و شام پر ابن تیمیہ کی ولادت سے ۱۳ برس پہلے سے مالیک (خاندان غلامان) کی حکومت تھی، یہ سلطان صلاح الدین کے خاندان کے آخری بادشاہ الملک الصالح نجم الدین ایوب (م ۶۲۴ھ) کے بزرگ غلام تھے، جن کو سلطان نے ان کی وفاداری اور بہادری کا تجربہ کرنے کے بعد مصر میں آباد کیا تھا، اور بصریہ کے لقب سے مشہور ہیں، ان میں ایک فرد عز الدین ایبک الترمکانی نے ۶۲۴ھ میں الملک الصالح کے جانشین نوران شاہ کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا، اور الملک المعز کا لقب اختیار کیا۔

لہٰذا ان کی قیام گاہ دریائے نیل کے کنارہ واقع تھی اس لئے بحر شہود ہو گئے، مصر میں اب بھی دریائے نیل کو بے تکلف بھر کہتے ہیں۔

۶۵۵ھ میں وہ قتل ہوا، اور اس کا بیٹا نور الدین علی جانشین ہوا۔ ۶۵۷ھ میں عز الدین ایبک کے غلام سیف الدین قطز نے جو حکومت کا ناظم اعلیٰ تھا، تخت پر قبضہ کیا، یہ وہی سلطان ہے جس نے تاتاریوں کو پہلی مرتبہ شکست فاش دی، اگلے ہی سال (۶۵۸ھ میں) الملک الصالح نجم الدین ایوب کے دوسرے غلام رکن الدین بیریس نے سیف الدین قطز کو قتل کر کے عنان مملکت اپنے ہاتھ میں لی اور الملک نظاہر لقب اختیار کیا، اور ۸ سال تک نہایت شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی، اور تاتاریوں اور صلیبیوں پر پے در پے فتوحات حاصل کیں۔

امام ابن تیمیہ کی ولادت ہوئی تو مصر و شام پر ظاہر بیریس ہی کی حکومت تھی، ان کا بچپن اسی کی حکومت میں گذرا، اس کا انتقال ہوا تو ان کی عمر سترہ سال کی تھی، اور وہ جوان تھے، الملک نظاہر بیریس سلطان صالح الدین کے بعد پلاطون مسلمان بادشاہ تھا، جس نے جہاد کی طرف پوری توجہ کی اور دشمنان اسلام کو پے در پے شکستیں دیں، ابن کثیر سلطان کے متعلق لکھتے ہیں:-

بیریس بیدار مغز، بلند جوصلہ، بہادر بادشاہ تھا، دشمنوں سے کسی وقت غافل نہیں ہوتا تھا، برابر ان کے مقابلہ میں صف آرا اور کمر بستہ رہتا تھا، اس نے اسلام کی پراگندگی دور کی اور مسلمانوں کے منتشر شہزادہ کو جمع کیا، واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس اخیر زمانہ میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد اور تقویت کے لئے مقرر کیا تھا، فرنگی، تاتاری اور مشرکین کی نظر میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، اس نے شراب کی بندش کی، فاسقوں اور جرائم پیشہ لوگوں کو ملک بدر کیا، وہ جس خرابی اور فساد کو دیکھتا، اس کو دور کئے بغیر چین نہ لیتا۔^۱

ظاہر بیریس کی سلطنت بہت وسیع اور منظم تھی، مشرق میں دریائے فرات تک اور جنوب میں سوڈان کے آخری حصہ تک اس کے حدود پہنچ گئے تھے، مصر اس سلطنت کا مرکز اور قاہرہ اس کا

صدر مقام تھا، جو سلطان اور خلیفہ عباسی کے قیام کی وجہ سے اس وقت کی دنیا کے اسلام کا پامی علمی اور تمدنی مرکز بن گیا تھا، بیسیرس نے بکثرت مدارس قائم کئے اور دور سے علماء و اہل کمال قاہرہ میں جمع ہو گئے۔ بیسیرس اپنی ذاتی صلاحیت اسلامی جذبات اور جوش جہاد کے ساتھ بہر حال ایک مطلق العنان فرمانروا تھا، اس لئے اس میں مطلق العنان بادشاہوں کی کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں اس کی تاریخ جہاد مجاہدانہ کارناموں اور اسلامی خدمات سے روشن ہے، وہاں شخصی سلطنت کی خصوصیت استبداد و ضد و اصرار کے واقعات سے بھی داغدار ہے، اس سلسلہ کا ایک نمونہ ساک واقعہ وہ ہے جو امام نووی کے ساتھ پیش آیا۔

بیسیرس کی ۱۸ سالہ منظم و مستحکم حکومت کے بعد بہت جلد جلد مصر و شام کے تخت حکومت پر سلاطین آئے اور گئے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۶۷۶ھ سے لے کر (جس سال بیسیرس نے انتقال کیا ہے) ۷۰۹ھ تک کل ۳۳ سال کی مدت میں ۹ بادشاہ مصر کے تخت پر بیٹھے، اس ۳۳ سال کی مدت میں مصر و شام و حجاز کی اسلامی حکومت کو صرف ایک طاقتور منظم اور مجاہد سلطان نصیب ہوا، جس کا نام الملک المنصور سیف الدین قلاوون ہے جس نے ۶۷۸ھ میں تاتاریوں پر حملہ کیا، اور سخت شکست دی اور طرابلس کو جو ۱۸۵ سال سے صلیبیوں کے قبضہ میں تھا، فتح کیا، اس نے ۶۷۸ھ سے ۶۸۹ھ تک ۱۲ سال بڑی شان سے حکومت کی منصور قلاوون کے بعد مصر کا تخت بادشاہوں اور بادشاہ گروں کا پھر کھیل بن گیا، بالآخر ۷۰۹ھ میں منصور قلاوون کے بیٹے الملک الناصر محمد بن قلاوون نے تیسری مرتبہ عنان مملکت ہاتھ میں لی

۱۰ خلیفہ ستعصم کی شہادت کے بعد مسلمان تین سال تک بغیر کسی خلیفہ کے رہے مودعین نئے سال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
 "دخلت سنة والمسلمون بلاخليفة" بالآخر سلطان ظاہر بیسیرس نے ۶۵۹ھ میں خاندان عباسی کے ایک فرد منصور بالشر ابو القاسم احمد بن امیر المومنین الظاہر کے ہاتھ پر بیعت کی اور مصر خلافت کا مرکز قرار پایا، لیکن یہ خلافت برائے نام اور تبرکاً تھی، اصل حکمران اور فرماں روا خود سلطان تھا۔ لہذا ملاحظہ ہو طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ترجمہ امام نووی۔

اور ۳۲ سال تک سلطنت کو استقرار حاصل رہا، الملک ناصر الملک ابن تیمیہ کا اصل معاصر ہے جس سے ان کی اصلاحی و تجدیدی تالیخ کا تعلق ہے، وہ بڑی حد تک ظاہر سیر میں کاجائشیں اور بہت سی صفات میں اس کا نمونہ اور اپنے والد زنادار منصور قلاوون کی یادگار تھا، اس کے زمانہ میں پھر اسلامی سلطنت میں وحدت اور طاقت پیدا ہوئی، اس نے اپنے نامور پیشرو کی طرح تاتاریوں پر شاندار فتح حاصل کی اور اسلامی حکومت کی دھاک بٹھادی۔

اس پورے عرصہ میں عراق، ایران و خراسان بدستور تاتاریوں کے قبضہ میں رہے اور بغداد اس وقت تک مسلمانوں کو واپس نہیں ملا، جب تک کہ اس کے حکمران (تاتاری) خود مسلمان نہیں ہو گئے، مصر کے عباسی خلیفہ نے خود فوج کشی کی اور سلطان ظاہر سیر میں نے بارہا ارادہ کیا، مگر کامیابی نہیں ہوئی سلاطین ممالک کے قبضہ و انتظام میں صرف مصر، سوڈان، شام اور حجاز تھے۔

نظام سلطنت

ملوک سلاطین کی سلطنت کا سرکاری مذہب اگرچہ اسلام تھا، اور سلطان اور اعیان سلطنت اسلام سے محبت کرتے تھے، اور دین کی حمیت رکھتے تھے، قصاۃ و ائمہ شیخ الاسلام اور دینی عہد داروں کا باقاعدہ تقریر ہوتا تھا، احتساب کا محکمہ قائم تھا، قاضی کے فیصلے واجب التعمیل تھے، مدارس میں آزاد دینی تعلیم ہوتی تھی، لیکن سارے نظام سلطنت میں اصل کار فرما ذات سلطان اور اس کے معتمد وزراء اور ارکان سلطنت کی تھی اور انہی کا فیصلہ اور دلی مشاء سلطنت کا اصل قانون تھا، اسلامی قوانین کے نفاذ کا رقبہ ان کی وسیع سلطنت میں بہر حال محدود تھا، نظام حکومت تقریباً فوجی و عسکری طرز کا تھا، جس کا نہ تو کوئی تمدن و مرتب دستور تھا، نہ کوئی مقرر معین نظام، نہ کوئی مجلس شوریٰ تھی۔

ظاہر سیر میں اور اس کے جائشیں سلاطین اس کی کوشش ضرور کرتے تھے کہ ان کی سلطنت کے

قوانین و احکام اور ان کی کارروائیوں کو علماء و وقت کی تصدیق و تائید حاصل ہو اور وہ حتی الامکان ان کی رضامندی اور مشورہ سے کام کریں، ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر علماء نے کسی نئے اقدام یا قانون کی سختی سے مخالفت کی ہے تو اس کو ملتوی کر دیا گیا ہے، خود ظاہر سیر میں نے مصر و شام میں زمینداروں کی زمینیں اور جاگیریں بحق حکومت ضبط کرنی چاہیں، امام نوویؒ نے اس کی سختی سے مخالفت کی، سیر نے اگرچہ اس پر ناراضگی کا اظہار کیا، اور امام نوویؒ کو اس کی وجہ سے دمشق چھوڑ کر چلا جانا پڑا، لیکن اس کا اثر اتنا ضرور ہوا کہ زمینوں کی وہ صورت حال باقی رہی، اور سیر نے اس میں کوئی ترمیم نہیں کی۔

یہ نظام سلطنت موروثی بنیادوں پر قائم تھا، لیکن عملاً اس کے خلاف ہو رہا تھا، مگر یہ بھی کسی اسلامی بنیاد پر نہیں تھا، اور نہ اس لئے کہ اسلام کی روح اور اس کی مستند روایات کا تقاضا ہے کہ امیر ذاتی صلاحیت سے متصف ہو، اور اس کو امت کا اعتماد حاصل ہو، بلکہ اس لئے کہ خاندانِ غلامان (ممالیک) کی بنیاد ہی ذاتی جد و جہد، شخصی ہوصلمندی اور کارکردگی پر پڑی تھی، اور اس سلطنت کا یہ مزاج بن گیا تھا کہ جو زیادہ طاقتور اور دلیر ہو وہ زیادہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے، سلطنت الیورپ کے غلاموں نے اپنی ذاتی کوشش اور ہمت سے اپنے آقاؤں کی سلطنت پر قبضہ کیا تھا، یہ سلسلہ اخیر تک جاری رہا، ان میں سے ہر ایک اپنے بیٹے کو جانشین بنانے کی کوشش کرتا رہا، مگر اس کے غلاموں میں جو زیادہ جری اور ہوصلمند ہوتا، وہ اس کو ہٹا کر خود تخت سلطنت پر بیٹھ جاتا، تخت و تاج کے ان امکانات نے ہوصلمندوں میں قسمت آزمائی کا شوق پیدا کر دیا تھا، اور اس کے حصول کے لئے اکثر ترسہ کشی اور زور آزمائی ہوتی رہتی، اسی عرصہ میں اگر تاتاریوں یا فرنگیوں کا حملہ ہوتا تو وہ اکثر متحد ہو جاتے۔

ملک کی اجتماعی و اخلاقی حالت

یہ ترکی انسل حکمران طبقہ اپنی برتری کا احساس رکھتا تھا، اور ہر چیز میں عام شہری آبادی سے

متنازع رہتا تھا، اس کی زبان ترکی تھی، صرف عبادات کے موقع پر یا علماء سے خطاب کے مواقع پر یا عوام سے گفتگو کرنے میں (جس کی نوبت براہ راست کم آتی تھی) وہ عربی زبان استعمال کرتا تھا، ان میں سے بعض عربی سے اتنی واقفیت رکھتے تھے کہ وہ فرض ادا کر لیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ علماء کے قدردان، شاخ و صلحاء کے معتقد، اسی کے قیام اور مساجد کی تعمیر کے شائق تھے، عہدوں کی تقسیم میں کسی خاص نسل یا طبقہ کی تخصیص نہ تھی، پھر بھی بڑے بڑے انتظامی اور فوجی عہدے قدرتی طور پر ترکی النسل سرداروں کو ملتے تھے، احکام اور بڑے بڑے جاگیردار ترک تاتاری ہوتے تھے، جو کاشتکاروں اور مزدوروں کی محنت سے فائدہ اٹھاتے، ۱۶۹۷ء میں حسام الدین لاجپن نے اپنے عہد حکومت میں اس کی کوشش کی کہ زمینوں کی تقسیم اس طرح ہو کہ مزادین کو فائدہ ہو اور ان کی حالت درست ہو، اور زراعت و پیداوار کو بھی ترقی ہو، لیکن حکام کو اس کا یہ رویہ پسند نہ آیا، اور انھوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی، شہری آبادی کا ایک اہم عنصر تاتاری تھے، سیف الدین قنبر، ظاہر میرس اور ناصر الدین قلاوون کی جو جنگیں تاتاریوں سے ہوئی تھیں، ان میں بیشمار تاتاری قید ہوئے اور گرفتار ہو کر مصر و شام میں آئے، اور وہاں انھوں نے سکونت اختیار کر لی، مقریزی کے بیان کے مطابق ظاہر میرس کے زمانہ میں مصر و شام ان سے بھر گئے، اور ان کے عادات اور رسم و رواج ملک میں پھیل گئے، اور انھوں نے اگرچہ اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن وہ اپنی بہت سی رسوم و عادات پر قائم تھے، اور انھوں نے اپنی قومی خصوصیات کو برقرار رکھا تھا، ان مسلمانوں کے اسلام کی نظر کلیہً منتقل ہو جانے اور اپنے سابق عقائد و خیالات، تہذیبی خصوصیات اور ذہنی اثرات سے بالکل مجرور و یکسو ہو جانے کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ہیں، یہ تو صحابہ کرام کی خصوصیت اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ تھا کہ ان کی زندگی میں اسلام و جاہلیت کی کشمکش بالکل ختم ہو گئی تھی، اور گویا دوبارہ وہ اسلام میں پیدا ہوئے تھے، ایک ایسے زمانہ اور سوسائٹی میں جب اسلامی تعلیم و تربیت کا مکمل نظام قائم نہ ہو، اور اسلامی معاشرہ میں نوواردوں کو جذب کر لینے اور اسے سر نو ڈھال لینے کی صلاحیت نہ رہی ہو۔

تاتاریوں اور ترکی النسل عجیبوں کے اسلامی عقائد و عبادات کے سانچہ میں ڈھل جانے اور اپنے قدیم عادات و اخلاق سے یکسر آزاد و دستبردار ہو جانے کی توقع صحیح نہیں ہے، چنانچہ ان تاتاری النسل نو مسلموں کی زندگی اسلامی و جاہلی اثرات کا بھون مہک بھتی، مصر کا نامور مورخ مقرر نے لکھا ہے۔

”ان تاتاریوں کی تربیت دارالاسلام میں ہوئی تھی، انھوں نے قرآن کی اچھی طرح تعلیم حاصل کی اور اسلام کے احکام و قوانین سیکھے، لیکن ان کی زندگی حق و باطل کا مجموعہ تھی، اس میں اچھی چیزیں بھی تھیں اور بُری بھی، انھوں نے اپنے ذہنی معاملات نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اوقات اور یتامی کے مسائل، زوجین کے اختلافات، قرض خواہوں کے تنازعات وغیرہ، قاضی القضاة کے سپرد رکھے تھے، اور خود اپنے ذاتی معاملات میں جنگیزی عادات و روایات کے پابند اور ایسا (تاتاری قانون) پر کاربند تھے، انھوں نے اپنے لئے ایک حاکم حاجب کے نام سے مقرر کر رکھا تھا، جو ان کے روزمرہ کے واقعات میں فیصلہ کرے، طاقتور کو نظم و ضبط میں رکھے اور ایسا کے مطابق کمزور کو اس کا حق دلائے، اسی طرح بڑے بڑے تاتاری سوداگروں کے معاملات کا فیصلہ بھی ایسا کے مطابق ہوتا تھا، اور جاگیروں اور جائیدادوں کے معاملات میں اگر اختلاف واقع ہوتا تو اس کا تصفیہ اس قومی قانون کے مطابق ہوتا۔“

ان ترکی النسل عجیبوں اور ان تاتاری نو مسلموں کے عادات و اخلاق، رسم و رواج اور تہذیب و معاشرت حتیٰ کہ عقائد و خیالات کا اثر قدیم عرب اور مسلمان آبادی پر پڑنا لازمی تھا، جس طرح صلیبی جنگوں میں یورپ و ایشیا کا اختلاط ہوا تھا، اسی طرح تاتاری یورش اور تاتاریوں کے فاتح اور مفتوح بننے کی حالت میں شرق و مغرب کا اختلاط ہو رہا تھا، یہ اختلاط و اجتماع میدان جنگ کی آویزش سے شروع ہوا تھا، لیکن تہذیبی و فکری و اخلاقی آمیزش پر ختم ہوا، ہر ایک نے دوسرے کو

متاثر کیا اور ہر ایک نے دوسرے کا اثر قبول کیا۔

اس اختلاط و اجتماع نے بہت سے نئے مسائل پیدا کر دیئے اور ایک نئی تہذیب اور نئی معاشرت وجود میں آئی جس کے متعلق یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ اسلامی تہذیب یا عربی معاشرت ہے اس صورت حال سے ایک ایسے مصلح اور علم کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے جو مسلمانوں کی زندگی میں غیر اسلامی اثرات اور جاہلی عادات کو دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا، اور جو اس کو سترتا سر کتاب و سنت کے تابع صدر اول اور خیر القرون کے نقش قدم پر اور۔

أَدْخُلُوا فِي الْبَيْتِ كَمَا فَتَحَ اللَّهُ لَكُمْ فِي يَوْمِ بَدْرٍ

اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

کی تفسیر دیکھنا چاہتا ہے۔

علمی حالات

اس صدی کے وسط میں علامہ تقی الدین ابو عمرو بن الصلاح (۵۴۴-۶۴۳ھ) شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام (۵۴۸-۶۶۰ھ) اور امام محی الدین النووی (۶۳۱-۶۷۶ھ) جیسے امام فن موجود تھے، اس صدی کے آخر میں شیخ الاسلام تقی الدین ابن دینق العید (۶۲۵-۷۰۲ھ) جیسے محدث اور علامہ علاء الدین الباجی (۶۳۱-۷۱۲ھ) جیسے اصولی و متکلم نظر آتے ہیں ابن تیمیہ کے معاصرین میں علامہ جمال الدین ابوالکجاج المزنی (۶۵۲-۷۲۲ھ) حافظ علم الدین البرزالی (۶۶۵-۷۳۹ھ) اور علامہ شمس الدین الذہبی (۶۷۳-۷۴۸ھ) جیسے محدث و مورخ موجود تھے، جو اپنے زمانہ میں فن حدیث و روایت کے ارکان اربعہ میں شمار ہوتے تھے اور جن کی کتابوں پر متاخرین کا دار و مدار ہے۔

ان کے علاوہ قاضی القضاة کمال الدین ابن الزملکانی (۶۶۷-۷۲۷ھ) قاضی القضاة

جلال الدین القزوينی (م ۷۳۹ھ) قاضی القضاة تقی الدین السبکی (۶۸۳-۷۵۶ھ) اور علامہ ابو جعفر الخوافی

(۶۵۴-۵۷۴) جیسے کامل الفن اساتذہ اور قوی الاستعداد عالم موجود تھے، جن کا درس مزج

خلائق اور جن کا تبحر شہرہ آفاق تھا۔

علم کی اشاعت ترقی پختی، مصر و شام میں ایویسوں اور مالیک کے قائم کئے ہوئے بڑے بڑے

درسے اور دارا کدیت تھے، جن میں اطراف عالم کے طلبہ علوم دینیہ اور علوم عقلیہ کی تعلیم پاتے تھے،

مدارس کے ساتھ اور مستقل طور پر بھی بڑے بڑے کتاب خانے تھے، جن میں ہر علم و فن کی نادر کتابیں اور علمی

ذخیرہ محفوظ تھا، جس سے ہر طالب علم فائدہ اٹھا سکتا تھا، صرف مدرسہ کالیہ میں (جس کو الکامل

محمد الاویلی نے ۶۲۱ھ میں قائم کیا تھا) جو کتب خانہ تھا، اس میں ایک لاکھ کتابیں تھیں اسی صدی میں

بعض جلیل القدر کتابیں تصنیف ہوئیں، جو متاخرین کا مرجع ہیں، مثلاً علامہ تقی الدین ابن الصلاح کا

مقدمہ، شیخ عز الدین بن عبد السلام کی القواعد الکبریٰ، امام نوادی کی مجموع (شرح المہذب) اور

شرح مسلم، ابن دقیق العید کی کتاب الامام اور احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، ابوالحجاج

المزنی کی تہذیب الکمال اور علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال اور تاریخ الاسلام۔

لیکن چند شخصیتوں اور علمی کارناموں کو مستثنیٰ کر کے اس صدی کے علم اور تصنیف و تالیف

میں وسعت زیادہ تھی، عمیق کم تھا، غور و فکر و تعمق کے بجائے نقل و اقتباس کا ذوق غالب تھا،

مذہب فقہیہ کے آہنی سانچے بن گئے تھے، جن میں پورچ نہیں تھا، یوں کہنے کو تو حق کو مذہب بارعبہ

میں دائر مانا جاتا تھا، لیکن عملاً ہر مذہب کے پیرو حق کو اپنے مذہب و مسلک کے اندر محدود مانتے تھے،

بہت رعایت سے کام لیتے تو کہتے کہ۔

ہائے امام کے اجتہادات تمام تر درست ہیں انہیں

رأی امامنا صواب یحتمل الخطاء

غلطی کا احتمال ہے اور دوسرے امام کے اجتہادات

ورأی غیرنا خطاء یحتمل الصواب۔

نا درست ہیں ان میں صحت کا احتمال ہے۔

ہر مذہب کے پیرو اپنے فقہی مسلک کو تمام مذاہب فقہیہ سے افضل و اعلیٰ مقبول و مویدین اللہ سمجھتے تھے ان کی تمام ذہانت، قوت تصنیف، قوت بیانیہ اس کی ترویج اور اس کی فضیلت ثابت کرنے میں صرف ہوتی تھی، تبعین اپنے مذہب کو جس نظر سے دیکھتے تھے اور جو ذہنیت اہل مذاہب میں کارفرما تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب سلطان الملک نظام پور نے پچھلے دستور کے برخلاف شافعی قاضی القضاة کے علاوہ باقی تینوں مذاہب کے بھی علیحدہ علیحدہ قاضی القضاة مقرر کئے تو فقہاء شافعیہ نے اس کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا، اس لئے کہ وہ مصر کو شافعی قاضی القضاة کے ماتحت ہی دیکھنا چاہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ قدیم روایات اور امام شافعی کا مدفن ہونے کی وجہ سے مصر پر مذہب شافعی ہی کا حق ہے، جب پیرس کی حکومت کا خاتمہ ہوا، اور اس کے خاندان سے حکومت منتقل ہوئی تو بعض شافعیہ نے اس کو اسی فعل کی سزا اور قدرتی انتقام سمجھا۔ اس فقہی تحریک (گروہ بندی) کے ساتھ کلامی تعصب بھی انتہا کو پہنچا ہوا تھا، مذاہب اربعہ کے پیرو ایک دوسرے کے معترف اور شاگرد و استاد بھی تھے، آپس میں ملتے جلتے بھی تھے، محبت و احترام بھی کرتے تھے، لیکن اشاعرہ و خنابلہ کا اتحاد تقریباً ناممکن تھا، مذاہب میں بحث صرف ارجحیت اولیت کی تھی، یہاں بحث کفر و اسلام کی تھی، ایک کو دوسرے کی گمراہی پر اصرار تھا، عقائد کی بحثوں نے اور کلمانہ مؤشگافیوں نے تمام مباحث کو دبا لیا تھا، اور یہ ذوق ہر ذوق پر غالب تھا، سلطنتوں کو اس سے دھچپی تھی، اور عوام و خواص سب اس نشہ میں مرشار تھے۔

دوسری طرف تصوف بھی عروج پر تھا، اس میں بہت سے غیر اسلامی افکار اور عناصر شامل ہو گئے تھے اور بہت سے پیشہ ورجاہل، غیر محقق اور مبتدع اس گروہ میں شامل ہو کر عوام و خواص کی گمراہی اور شرک بدعات کی گرم بازاری کا سبب بن رہے تھے۔

لہ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔

فلسفہ کا ایک حلقہ مذہب اور انبیاء کی تعلیمات سے آزاد ہو کر اپنی تعلیمات کی اشاعت میں بعض اوقات علانیہ اور بعض اوقات خفیہ طور پر مصروف تھا، دوسرا حلقہ فلسفہ کو اصل اور معیار قرار دے کر مذہب کا اس سے پیوند لگانا چاہتا تھا، اور عقل و نقل کی تطبیق کی کوشش کرتا تھا، دونوں حلقے ارسطو و افلاطون کے جامد مقلد اور ان کے افکار و خیالات کی تقدیس ان کے علوم کی صحت اور ان کی برتری اور مافوق البشری حیثیت کے پورے پورے قائل تھے اور کسی چیز میں ان کے نتائج فکر اور تحقیقات سے ہٹنے اور ان کی غلطی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

یہ تھا وہ سیاسی، اجتماعی، اخلاقی، ذہنی و علمی ماحول جس میں ابن تیمیہ نے ہوش سنبھالا، اور جس میں انھوں نے اصلاح و تجدید کا علم بلند کیا۔

ابن تیمیہ کا آبائی وطن

وحدہ و فرات کا دو آب و حصوں میں تقسیم ہے (۱) جنوبی جو عراق عربی کہلاتا ہے اور جس میں بغداد و بصرہ وغیرہ واقع ہیں (۲) شمالی جس کو قدیم عربی لٹریچر میں دیار بکر، دیار ربیعہ اور دیار مضر کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور عرب جغرافیہ نویس عام طور پر ایجزیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اس کے شمال میں آرمینیا، جنوب میں عربی عراق، مشرق میں کردستان اور مغرب میں ایشیائے کوچک اور باریہ الشام (صحرائے شام) واقع ہے اسی علاقہ میں موصل، الرقہ (البیضاء) نصیبین اور الریاء (ایڈریا) واقع ہیں الریاء کے جنوب میں تقریباً گھنٹے کی مسافت پر مشہور تاریخی شہر حران ہے ابن حوقل کے بیان کے مطابق یہ قدیم زمانہ سے صابئین کا مذہبی و علمی مرکز رہا ہے فلسفہ اور قدیم یونانی علوم میں اس کو خاص امتیاز اور شہرت حاصل رہی ہے یہی حران ابن تیمیہ کا آبائی وطن ہے، جہاں ان کا خاندان صدیوں سے آباد تھا۔

لہ آج کل اس کو اور فاکتے ہیں، اور وہ سلطنت ترکی میں شامل ہے۔

ابن تیمیہ کا خاندان

ابن تیمیہ کا خاندان جو پہلے سے اسرۃ ابن تیمیہ (خاندان ابن تیمیہ) کے نام سے مشہور تھا، حران کا مشہور علمی اور دینی خاندان تھا..... یہ خاندان (جب سے اس کی تاریخ معلوم ہے) حنبلی العقیدہ اور حنبلی المذہب تھا، اپنے دیار میں اس کو مذہب حنبلی میں شیوہ الی کا منصب حاصل تھا، اور اس کے صاحب علم افراد ہمیشہ درس و افتاء اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دادا ابو البرکات مجد الدین ابن تیمیہ کا شمار مذہب حنبلی کے ائمہ و اکابر میں ہے، بعض اہل علم نے ان کو محقق مطلق کے لقب سے یاد کیا ہے، امام فرج رجال حافظ ذہبی کتاب النبلاء میں لکھتے ہیں کہ مجد الدین ابن تیمیہ ۵۹۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے، پہلے اپنے چچا مشہور خطیب و واعظ فخر الدین ابن تیمیہ سے علم حاصل کیا، پھر حران اور بغداد کے علماء و محدثین سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی اور فقہ میں کمال حاصل کیا، ذہبی کے الفاظ ہیں۔

وانتہت الیہ الامامۃ فی الفقہ فقہ میں ان کو درجہ امامت حاصل تھا۔

۶۵۱ھ کے سفر حج میں جب وہ بغداد پہنچے تو علماء ان کی ذکاوت اور کمالات دیکھ کر حیران رہ گئے، ذہبی کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے خود مجھ سے نقل کیا کہ شیخ ابن مالک کہتے تھے کہ اللہ نے علم فقہ کو مجد الدین ابن تیمیہ کے لئے ایسا ہی نرم کر دیا ہے، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو موم کر دیا گیا تھا، وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہمارے دادا (مجد الدین) کی طبیعت میں کچھ تیزی اور جوش تھا، ایک مرتبہ ایک عالم نے

لہ ابن تیمیہ سے چار پشت اور ان کے جد امجد محمد بن اعنصر کے وقت سے نسبت شروع ہوئی تھی اس وجہ سے میں اور خلیفہ کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ محمد بن اعنصر کی والدہ کا نام (جو واعظ تھیں) تیمیہ تھا، اس لئے یہ خاندان تیمیہ کی طرف منسوب ہو گیا۔

۱۰ ترجمہ صاحب مفتی الاخبار بقلم علامہ محمد بن علی الشوکانی صاحب نیل الاوطار۔

ان سے ایک علمی سوال کیا، انھوں نے فرمایا کہ اس کا جواب ساٹھ طریقہ پر ہے، پھر ایک ایک کر کے پورے جوابات گنا دیئے اور آخر میں کہا کہ تمہارے لئے اتنا کافی ہے کہ تم ان جوابات کو دہرا دو، وہ یہ ذہانت دیکھ کر متحیرہ گیا، اور خاموش ہو گیا، شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ متون کے نقل اور مذاہب کے حفظ میں وہ ایک عجوبہ روزگار تھے، ان کو اس میں کچھ تکلف اور اہتمام نہیں کرنا پڑتا تھا، ۶۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی ان کی سب سے مشہور تصنیف اور علمی یادگار مفتی الاخبار ہے، علماء نے ہر زمانہ میں اس کتاب سے استفادہ اور اس سے اعتناء کیا ہے، مصنف نے اس کتاب میں فقہی ابواب پر وہ احادیث جمع کر دی ہیں جو اہل مذاہب کی دلیل اور ان کا ماخذ ہیں، آخر میں مین کے مجتہد عالم اور سرآمد روزگار محدث علامہ محمد بن علی الشوکانی (م ۱۲۵۵ھ) نے نیل الاوطار کے نام سے آٹھ جلدوں میں اس کی شرح لکھی جو اپنی حسن تلخیص و حسن ترتیب فیصلہ کن بحثوں اور مصنف کی وسعت نظر اور وسعت قلب کی وجہ سے علمی و درسی حلقوں میں خاص وقعت رکھتی ہے۔

شیخ الاسلام کے والد شہاب الدین عبد الحکیم ابن تمیمہ عالم و محدث، حنبلی فقیہ اور صاحب درس و افتاء تھے، حران سے دمشق منتقل ہونے کے بعد انھوں نے دمشق کی جامع اموی میں جو اکابر علماء و مدرسین کامرکز تھے اور جہاں ہر عالم اور مدرس کا کام نہیں تھا کہ درس دے، باقاعدہ درس کا سلسلہ شروع کیا، ان کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بالکل زبانی اور بوجہ ہوتا تھا، اور وہ اثنائے درس میں کسی کتاب سے مدد نہیں لیتے تھے، تمام تراپنے حافظہ اور یادداشت پر اعتماد تھا، جامع اموی کے درس و وعظ کے ساتھ وہ دمشق کی دارالحدیث السکریہ کے شیخ الحدیث بھی تھے، وہیں ان کی سکونت بھی تھی، ۶۸۲ھ میں ان کا انتقال ہوا، اور مقابر الصوفیہ میں مدفون ہوئے۔

ولادت اور نقل سکونت

اس نامور اور مخلص علمی و دینی خاندان میں دو شنبہ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں نقی الدین ابن تمیمہ

یہ سب خصوصیات ان کے پوتے کی طرف منتقل ہوئیں۔ (البدایہ والنہایہ) (ابن کثیر) ج ۱۳ ص ۳۰

کی ولادت ہوئی، اپنے احمد تقی الدین نام رکھا، بڑے ہو کر انھوں نے ابو العباس کینت اختیار کی، لیکن خاندانی لقب ابن تیمیہ پر غالب آیا، اور وہ اسی نام سے مشہور ہیں۔

یہ زمانہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، تاتار گروہی کا زمانہ تھا، سارا عالم اسلام ان کی ہیبت سے لرزہ بر اندام تھا، لیکن عراق و جزیرہ کی سر زمین خاص طور پر ان کی جولانگاہ تھی، ابن تیمیہ سات برس کے تھے کہ ان کا وطن حران تاتاری حملہ کی زد میں آ گیا، تاتاریوں کے حملہ کے بعد علم و فضل، عزت و آبرو اور جان و مال کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی، آخر مجبور ہو کر ان کا خاندان بھی مشرق و علماء کے صدر خاندانوں کی طرح کسی اسلامی ملک میں پناہ ڈھونڈنے کے لئے نکل کھڑا ہوا، عراق کی طرف جانے کا کوئی سوال نہ تھا، قریب تر ملک جو اس وقت تک تاتاری غارتگروں سے بچا ہوا تھا، شام تھا، جہاں مصر کے طاقتور ملوک سلاطین حکومت کر رہے تھے، آخر اس خاندان نے مغرب ہی کا رخ کیا اور دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس پریشانی اور بے سروسامانی کی حالت میں بھی اس علمی خاندان نے اپنے قیمتی کتب خانہ کو جوئی پشتوں کا اندوختہ اور ایک بڑا علمی سرمایہ تھا، جدا کرنا گوارا نہیں کیا، چنانچہ سب مال و متاع چھوڑ کر کتابیں ایک گاڑی پر باندھیں، اور روانہ ہو گئے، تاتاریوں کا کھٹکا لگا ہوا تھا، ہر جگہ دہشت پھیلی ہوئی تھی، عورتوں اور بچوں کا ساتھ تھا، بڑی مشکل تھی کہ جانوروں کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے کتابوں کی گاڑی خود کھینچنی پڑتی تھی، قافلہ اقسا و خیراں چلا جا رہا تھا، ایک جگہ قریب تھا کہ تاتاری سر پر پہنچ جائیں، قباحت یہ ہوئی کہ کتابوں کی گاڑی چلتے چلتے رک گئی، خاندان کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور گریہ وزاری کی، اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور گاڑی کے پیسے کام کرنے لگے اور قافلہ آگے بڑھا۔

دمشق میں

دمشق پہنچتے ہی اس علمی گھرانہ کی آمد کی خبر ہو گئی، اہل علم ابو البركات مجد الدین ابن تیمیہ کے نام

لے الکواکب الدریہ۔

اور کام سے واقف تھے، بعد اچلیم ابن تیمیہ کا علم و فضل بھی معروف تھا، چند دن کے اندر ہی جامع اموی اور دارالحدیث اسکریہ میں ان کا درس شروع ہو گیا، اور وہ طلبہ اور جنسلی علماء کا مرجع بن گئے، اور اس خاندان کو اس نئے شہر میں کوئی عزت و اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔

کس احمد ابن تیمیہ نے جلد قرآن مجید کے حفظ سے فراغت کر لی، اور حدیث و فقہ و عربیت کی تحصیل میں مشغول ہو گئے، اس عرصہ میں اپنی نو عمری کے باوجود اپنے والد کی مجالس درس و وعظ اور علماء کے حلقوں میں شرکت کرتے تھے اور علمی مذاکرات میں شریک رہتے تھے جس سے ان کا اخاذ ذہن وسعت و ترقی حاصل کرتا تھا۔

غیر معمولی حافظہ

ابن تیمیہ کا خاندان قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں مشہور تھا، ان کے دادا اور والد دونوں بڑے قوی الحفظ تھے، لیکن تقی الدین ابن تیمیہ اس نعمت میں اپنے پورے خاندان سے سبقت لے گئے، اور بچپن ہی میں ان کے عجیب و غریب حافظہ اور سرعتِ حفظ نے علماء و اساتذہ کو متحیر کر دیا، اور دمشق میں اس کی شہرت پھیل گئی، صاحب العقود الدرر یہ لکھتے ہیں کہ :-

”ایک مرتبہ حلب کے ایک بڑے عالم دمشق آئے، انھوں نے سنا کہ ایک بچہ ہے جس کا نام احمد بن تیمیہ ہے، اور وہ بہت جلد یاد کرتا ہے، ان کو اس کے دیکھنے اور امتحان لینے کا شوق ہوا، جس راستہ سے ابن تیمیہ گذر کرتے تھے، وہاں وہ ایک درزی کی دکان پر بیٹھ گئے، درزی نے کہا کہ وہ بچہ آتا ہوگا، یہی اس کے کتب کا راستہ ہے، آپ تشریف رکھئے، تھوڑی دیر میں کچھ بچے کتب جاتے ہوئے گزرے، درزی نے کہا دیکھئے وہ بچہ جس کے پاس بڑی سی تختی ہے، وہی ابن تیمیہ ہے، شیخ نے اس بچہ کو آواز دی، وہ آیا تو اس کی تختی لے لی، اور کہا کہ بیٹا اس تختی پر جو کچھ لکھا ہوا ہے

اس کو پونچھ ڈالو، جب وہ صاف ہو گیا تو انھوں نے اس پر کوئی ۱۱ یا ۱۳ حدیثیں لکھوا دیں اور کہا ان کو پڑھ لو، بچہ نے اس کو ایک مرتبہ غور سے پڑھا، شیخ نے تختی اٹھالی اور کہا کہ سناؤ، بچہ نے پوری حدیثیں سنا دیں، شیخ نے کہا کہ اچھا اب ان کو بھی پونچھ ڈالو، پھر چند سندیں لکھ دیں اور کہا کہ پڑھو، بچہ نے ایک بار غور سے دیکھا، اور پھر سنا دیا، شیخ نے یہ تماشا دیکھ کر فرمایا کہ اگر یہ بچہ جیتا رہا تو کوئی چیز بنے گا، اس لئے کہ اس زمانہ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے!

محدثین متقدمین کے حافظہ کے جو واقعات معتبر تاریخوں میں منقول ہیں، اور ادویان حدیث اور ائمہ ادب کے خداداد حافظہ کی جو مثالیں تجربہ اور شاہدہ میں آئی ہیں، ان کے پیش نظر یہ واقعہ بالکل بعید از قیاس اور ناممکن نہیں، خود ابن تیمیہ کی بعد کی زندگی اور ان کے حفظ و نقل کے واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان کو غیر معمولی حافظہ عطا ہوا تھا۔

تعلیم تکمیل

ابن تیمیہ نے بڑی محنت اور توجہ اور انہماک کے ساتھ علوم کی تحصیل شروع کی، ان کے مورخ اور معاصر بیان کرتے ہیں کہ ان کو کسنی کے باوجود کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور وہ وقت ضائع نہیں کرتے تھے، بایں ہمہ وہ زندگی اور اپنے زمانہ کی سوسائٹی، شہر کے حالات اور لوگوں کے اخلاق و عادات سے بے خبر اور بے تعلق نہیں تھے، ان کی تصنیفات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زندگی کا مطالعہ وسیع اور عمیق تھا، اور انھوں نے عوام سے الگ تھلگ کسی علمی گوشہ میں زندگی نہیں گزاری تھی۔

ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کی تحصیل کی، انھوں نے عربیت کی طرف خاص توجہ کی اور لغت و نحو میں عالی بصیرت حاصل کی، امام نجیبیہ کی کتاب "الکتاب" (جو نحو کی سب سے مقبول اور مستند

لے ابن تیمیہ (محمد البزہرہ) بحوالہ عقود الدرر - ص ۲۱

کتاب ہے یہاں تک کہ جب محض الکتاب کہا جائے تو اس سے کتاب سیویہ ہی مراد ہوتی ہے) کا انھوں نے خاص طور پر بڑے غور و فکر سے مطالعہ کیا، اور اس کے کمزور مقامات اور غلطیوں کی گرفت کی، عربیت اور لغت و نحو پر محققانہ اور ناقدانہ نظر رکھنے اور اپنے اس ادبی و نحوی ملکہ اور رسوخ سے انھوں نے اپنی علمی زندگی اور اپنی تصنیفات و مباحث میں بڑا کام لیا، نثر و نظم کا ایک بڑا حصہ انھوں نے محفوظ کیا، عرب جاہلیت اور عرب ولین کے حالات و واقعات تفصیل سے دیکھے، اور اسلامی عہد اور اسلامی حکومتوں کی تاریخ کا وسیع مطالعہ کیا، یہ وسیع اور متنوع مطالعہ ان کو اپنے بعد کی گونا گوں علمی زندگی میں بہت کام آیا، ان کے معاصرین و مناظرین میں کوئی وسعت نظر اور وسعت مطالعہ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، ان کے علمی تفوق کا یہ بھی ایک بڑا سبب تھا۔

نظری علوم کے علاوہ انھوں نے کتابت و خوشنویسی اور حساب و ریاضی کی طرف بھی توجہ کی اور ان کو ان کے اساتذہ سے حاصل کیا۔

علوم دینیہ میں فقہ و اصول فقہ، فرائض اور حدیث و تفسیر کی طرف پوری توجہ کی، فقہ حنبلی ان کے گھر کی چیز تھی اور خود ان کے والد اس سلسلہ میں شفیق استاد و تجربہ کار عالم اور بہترین مشیر و رہنما تھے اس زمانہ میں حدیث کی کتابت و حفظ اور سماع کا عام رواج تھا، ابن تیمیہ نے سب سے پہلے امام حمیدی کی کتاب الجمع بین الصحیحین حفظ کی، پھر اساتذہ وقت اور علمائے وقت اور علمائے شام سے حدیث کی سماعت اور کتابت کی، ابن عبد البر کا بیان ہے کہ حدیث میں ابن تیمیہ کے شیوخ کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے، ان کے خاص شیوخ حدیث میں ابن عبد البر المقدم المقدسی اور ان کے طبقہ کے لوگ ہیں، منہ امام احمد کی کئی بار سماعت کی، اسی طرح صحاح ستہ کی سماعت کی کئی بار نوبت آئی۔

تفسیر ابن تیمیہ کا محبوب موضوع تھا، اور ان کو اس سے خاص دلچسپی تھی، ان کا خود بیان ہے کہ

انہوں نے تفسیر قرآن میں چھوٹی بڑی.. اسے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا، اس فن سے ان کو فطری مناسبت تھی قرآن مجید کی تلاوت، تدبر اور مطالعہ کی کثرت سے اللہ تعالیٰ نے ان پر علوم قرآن کا خاص افاضہ فرمایا تھا کتابوں کے علاوہ خود صاحب کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس سے فہم قرآن اور شرح صدر کی دولت مانگتے تھے اپنی طالب علمی اور اپنے تدبر فی القرآن کے طریقہ کے متعلق وہ خود بیان کرتے ہیں:-

بعض اوقات ایک آیت کے لئے میں نے سو تفسیروں	ربما طالعت علی الآیة الواحدة نحو مائة
کا مطالعہ کیا ہے، مطالعہ کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے	تفسیر ثم اسأل الله الفهم واقول یا معلم
دعا کرتا کہ مجھے اس آیت کا فہم عنایت ہو میں عرض	ادم و ابراهيم علمنی و کنت اذ صاب الی
کرتا کہ اے آدم و ابراہیم کہ تم میری تعلیم فرما میں سنان	المساجد المہجورة و نحوہا و امرت و حی
اور غیر آباد مسجدوں اور مقامات کی طرف چلا جاتا اپنی	فی التراب و اسأل الله تعالی و اقول یا معلم
پیشانی خاک پر ملتا اور کہتا کہ اے ابراہیم کو تعلیم دینے	ابراهيم فقصنی علیہ

والے مجھے سمجھ عطا فرما!

اس زمانہ میں (بالخصوص مصر و شام میں) اشاعرہ کے علم کلام کا زور تھا، سلطان صلاح الدین خود اشعری عقیدہ تھا، مورخ مصر قزوی کا بیان ہے کہ سلطان نے یحییٰ بن قطیب الدین ابو المعالی اشعری کا متن (جو انہوں نے عقائد کے بارے میں تصنیف کیا تھا) حفظ کیا تھا، اور بعد میں اپنے خاندان کے بچوں کو حفظ کراتا تھا، اس نے اور اس کے جانشینوں (بنی ایوب) نے لوگوں کو اشعری عقیدہ کا پابند کر دیا تھا، ان کے زمانہ اور ان کے جانشینوں (مالک مصر) کے زمانہ تک اشعری عقیدہ کو حکومت کی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی۔

خالبہ صحیح یا غلط طریقہ پر اشاعرہ کے حریف اور مد مقابل سمجھے جاتے تھے، دونوں فرق بخت و گفتگو میں مشغول رہتے، اشاعرہ کا علم کلام اور طریق اثبات عقلی استدلال اور منطقی برہان پر مبنی تھا، خالبہ انصوص

لہ العقود الدریتہ ص ۱۱

لہ تفسیر سورۃ النور (ابن تیمیہ) ص ۱۱

اور آیات و احادیث کے ظاہری مفہوم سے بحث کرتے تھے، علم کلام میں عدم تعمق اور منطق و فلسفہ سے عدم اشتغال کی وجہ سے بعض اوقات بحث و مناظرہ میں ضابطہ کا پورا ہلکا معلوم ہوتا تھا، اور ان کے متعلق یہ خیال قائم ہوتا جانا تھا کہ وہ عقلیات سے بے خبر اور ظاہری و سطحی علم کے لوگ ہیں غالباً اسی احساس نے ابن تیمیہ جیسے عبور و ذکی اخص نوجوان عالم کو علم کلام کے وسیع اور گہرے مطالعہ اور عقلیات اور فلسفہ و منطق سے براہ راست واقفیت کی طرف متوجہ کیا، انہوں نے ان علوم کا گہرا مطالعہ کیا اور ان پر ایسا عبور حاصل کیا کہ وہ خود ان علوم کی کمزوریوں اور ان کے مصنفین و ائمہ حتیٰ کہ حکماء یونان کی غلطیوں سے واقف ہو گئے اور انہوں نے ان علوم کی تنقید میں ایسی مدلل اور عالمانہ کتابیں لکھیں جن کا جواب فلسفہ کا پورا حلقہ نہیں دے سکا۔ غرض ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ میں کتاب و سنت کی ترجمانی، دین کی صداقت و برتری ثابت کرنے اور علمی و عملی گمراہیوں کو دور کرنے کے لئے ایسی وسیع اور مکمل علمی تیاری کی جس کی اس ترقی یافتہ علمی دور اور فکری و دینی انتشار کے زمانہ میں ضرورت تھی، انہوں نے ان تمام اسلحہ کا استعمال سیکھا جن سے ان کے حریف اور مخالفین اسلام (یہود و نصاریٰ، فلاسفہ اور باطنیہ) مسلح تھے، انہوں نے وہ علمی تہجد کیا کہ ان کے معاصرین دیکھ کر رنگ رہ گئے، ان کے مشہور حریف علامہ کمال الدین الزملکانی ان کی علمی جامعیت اور ہمہ دانی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

قد الان الله له العلوم كما الان له اود	ابن تیمیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے علوم اس طرح نرم
المديد كان اذا سئل عن فن من العلم	کر دیتے تھے، جیسے داؤد علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ
ظن الراعي والسماع انه لا يعرف غير	والسلام) کے لئے لو ہا نرم کر دیا تھا جس علم کے بارہ
ذلك الفن وحكم ان احد الا يعرفه	میں ان سے سوال کیا جاتا، اس طرح جواب دیتے کہ
مثله وكان الفقهاء من سائر الطوائف	دیکھنے والا اپنے ہاتھ سمجھتا کہ وہ اس فن کے سوا کچھ
اذا جلسوا معه استفادوا في مذاهبه	نہیں جانتے اور یہ فیصلہ کرتے تھے کہ ان کی طرح کوئی اس

منہ ما لم یکنوا عرفوہ قبل ذلک ،
 ولا یعرف انہ ناظر احدًا فانقطع منہ
 ولا تکلم فی علم من العلوٰء سوا ذلک ان
 من علوم الشرع او غیرہا الا فاق فیہ
 اہلہ والمنوبین الیہ وکانت لہ
 الید الطویلۃ فی حسن التصنیف لہ۔

فن کا عالم نہیں ہر مذہب و فقہ کے علماء جب
 ان کی مجلس میں شریک ہوتے تو ان کو کوئی نہ کوئی
 ایسی چیز معلوم ہوتی جو ان کو پہلے سے معلوم نہیں
 تھی یہ کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے کسی سے مناظرہ کیا
 اور بند ہو گئے ہوں، جب کبھی انہوں نے کسی شرعی یا
 عقلی علم میں کلام کیا تو ماہرین فن سے اور اس کے مخصوص
 عالموں پر گئے تصنیف میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

ابن تیمیہ کا پہلا درس

ابھی ابن تیمیہ کی عمر ۲۲ ہی سال کی تھی کہ (۶۸۲ھ میں) ان کے جلیل القدر والد عبد الرحیم ابن تیمیہ
 کا انتقال ہوا، اور دار الحدیث السکریہ میں ان کی سند درس خالی ہو گئی۔
 لیکن یہ سند درس زیادہ دن خالی نہیں رہنے پائی، ۲۱ محرم ۶۸۳ھ کو ان کے قابلِ فخر فرزند
 احمد تقی الدین ابن تیمیہ نے اس کو زینت دی اور پہلا درس دیا، اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال کی تھی، درس
 میں دمشق کے مشہور فضلاء و علماء شریک تھے، قاضی القضاة بہاء الدین ابن الزکی الشافعی بنفس نفیس
 موجود تھے علماء شافعیہ میں سے ان کے علاوہ شیخ الشافعیہ شیخ تاج الدین الفزاری، علمائے حنابلہ
 میں سے زین الدین بن المنجا الحنبلی اور دوسرے سربراہ اور وہ علماء حاضر تھے، اس درس تمام حاضرین
 بید متاثر اور نوجوان عالم کے تبحر علمی، حاضر دماغی اور جرأت و فصاحت کے معترف تھے، حافظ ابن کثیر
 جو شیخ الاسلام کے تلامذہ میں ہیں ۶۸۳ھ کے واقعات کے ضمن میں اس درس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وكان درساها ثلثا، وقد كتبه الشيخ
 تاج الدين الفزاري بخطه لكثرة فوائده
 وكثرة ما استخسه الحاضرون وقد اطلب
 الحاضرون في شكره، على حداثة سنه و
 صغره فانه كان عمرا اذ كان عشرين
 سنة وستين له.

يخبر العقول درس تھا، شیخ تاج الدین الفزاری
 نے اس کے کثیر فوائد اور لوگوں کی عام پسندیدگی کی
 وجہ سے اس کو اپنے قلم سے ضبط کیا، حاضرین نے
 ابن تیمیہ کی کم عمری اور جوانی کی بنا پر اس درس کی
 بڑی تعریف کی اور ان کو بہت داد دی، اس لئے
 کہ ان کی عمر اس وقت ۲۲ سال کی تھی۔

اگلے ہی دن (صفر) کی دسویں تاریخ کو جمعہ کے دن ابن تیمیہ نے اپنے والد کی جگہ پر جامع اموی میں
 تفسیر کا درس دیا، ان کے لئے خاص طور پر منبر رکھا گیا تھا، انھوں نے سلسلہ وار تفسیر بیان کرنی شروع کی،
 روز بروز مجمع میں اضافہ ہوتا چلا گیا، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ اپنے درس تفسیر میں کثرت سے علوم اور جدیدین
 بیان کرتے تھے کہ سامعین کی تعداد بڑھتی چلی گئی اسی کے ساتھ ان کی دینداری زہد و عبادت کی وجہ سے لوگ
 اور گرویدہ ہوتے تھے اور ان کی شہرت دور دور کے شہروں اور ملکوں میں پھیلتی جاتی تھی، کئی برس تک
 ان کا یہی معمول رہا۔

حج

۶۹۲ھ میں ابن تیمیہ نے شامی قافلہ کے ساتھ جس کے امیر ابواسطلی تھے، حج کیا، معان میں
 جب یہ قافلہ پہنچا تو ایک بڑی تند و تیز ہوا چلی جس میں بہت سے آدمی کام آئے، اونٹ بھی اپنی جگہ پر
 قائم نہ رہ سکے، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔
 شاتم رسول کی تعزیر

۶۹۳ھ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ابن تیمیہ کی دینی حمیت اور ایمانی جذبہ کا

لہ البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۲۰۳ لہ ایضا ص ۳۳۳ لہ ایضا ص ۳۳۳

علی اظہار ہوا، دمشق میں عسات نامی ایک عیسائی کے متعلق ایک جماعت نے گواہی دی کہ اس نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے، اس جرم کے بعد اس نے ایک عرب سردار کے پاس پناہ لی، اس نے تمیمیہ اور دار الحدیث کے شیخ زین الدین الفارقی اکٹھا ہو کر نائب السلطنت عزالدین ایبک کجوی کے پاس گئے، اور اس واقعہ کی طرف توجہ دلائی، امیر نے اس کو منظور کیا اور مجرم کو بلا بھیجا، شیخین حاکم کے پاس سے جا رہے تھے، اور ان کے ساتھ ایک مجمع کثیر تھا کہ عسات کو لوگوں نے آتا ہوا دیکھا، اس کے ساتھ ایک عرب بھی تھا، مجمع یہ دیکھ کر عرب کو گالیاں دینے لگا، عرب نے کہا کہ یہ عیسائی تم سے بہتر ہے، مجمع یہ سن کر مشتعل ہو گیا، اور دونوں پر سنگ باری کرنے لگا، اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، حاکم نے دونوں عالموں (ابن تمیمیہ اور فارقی) کو بلایا، اور اپنے سامنے ان کو زرد کو بکھرا، عیسائی مسلمان ہو گیا، اور اس کی حفاظت کی ضمانت کی گئی، بعد میں دونوں عالموں کو چھوڑ دیا گیا، اور حاکم نے ان سے معافی مانگی، اسی زمانہ میں ابن تمیمیہ نے اپنی مشہور کتاب الصائم المسلول علی شاتم الرسول لکھی۔

۲۴ شعبان ۶۹۵ھ میں شیخ انخابہ علامہ زین الدین بن منجی شیخ المدرستہ احنبلیہ نے وفات پائی، تو ان کی قائم مقامی اور مدرسہ حنبلیہ کی صدارت تدریس بھی ابن تمیمیہ کے سپرد ہوئی۔^{۴۲}

پہلی مخالفت

ابن تمیمیہ درس و تدریس میں مشغول تھے اور عوام و خواص میں ان کی مقبولیت و شہرت روز افزوں تھی کہ ۶۹۵ھ میں ان کے خلاف پہلی شورش برپا ہوئی، اور ان کی ذات اور ان کے عقائد موضوع بحث بنے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۶۹۵ھ میں شہر حماة (شام) کے چند باشندوں نے ایک استفتاء مرتب کر کے بھیجا جس میں دریافت کیا گیا تھا کہ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَى السَّمَاءِ

جیسی آیات اور ان قلوب بنی آدم بین اصبعین من اصابع الرحمن اور یضع الجبار قدمہ فی النار وغیرہ احادیث کے بارہ میں علماء کی کیا تحقیق، اور صفات کے بارہ میں علماء اہل سنت کا کیا مسلک ہے؟ شیخ الاسلام نے اس کا بسوط و مفصل جواب دیا، صفات کے بارہ میں صحابہ تابعین، ائمہ مجتہدین، متکلمین، متقدمین (امام ابوالحسن اشعری، قاضی ابوبکر الباقلائی، اور امام اکبرین تک) کا مسلک ان کے اقوال اور ان کی تصانیف سے بیان کیا، اور ان کی کتابوں کے اقتباسات سے ثابت کیا کہ سب حضرات ان صفات پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں، ان کی وہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق اور اس کی ذات (لیس کمثلہ شیء) کے لائق اور تشبیہ و تمثیل سے منزہ اور پاک ہے، یعنی نہ تو ان صفات کو مخلوق کی صفات پر قیاس کرتے ہیں، نہ تنزیہ و تقدیس کے غلو و افراط میں ان کی نفی اور ان کا انکار کرنے لگتے ہیں، نہ ان کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے وہ حقیقت سے دور اور محض کناہ اور مجاز بن کر رہ جائیں، بلکہ جس طرح خود اس کی ذات اور اس کی صفات سبوح (حیاء، علم، قدرت، سمع، بصر، کلام، ارادہ) پر ایمان لاتے ہیں، اور ان کی وہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں، جو ذات الہی اور شان خداوندی کے لائق ہے، اسی طرح الفاظ منصوص، و جہد، غضب و رضاء فی السماء علی العرش، فوق کو بھی حقیقت بلا کسی تاویل کے تسلیم کرتے ہیں، اور ان کی وہ حقیقت ثابت کرتے ہیں، جو اس منزہ و مقدس ذات اور بے چوں و بیچوں و بے مثال و بے قیاس ہستی کے شان و شان ہے، ان دونوں قسم کی صفات میں ان حضرات کا مسلک اور رویہ علیحدہ علیحدہ اور متضاد نہیں ہے، اور جس طرح حیات، علم، قدرت وغیرہ پر ایمان لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مخلوقات اور حیثیات کی سی کمزور حیات اور ان کا محدود و مستعار علم اور ناقص قدرت مراد ہے، اور نہ ان صفات کی حقیقت پر

لہ یہ جواب العقیدۃ العمویۃ الکبریٰ کے نام سے مشہور ہے، یہ تقریباً ۵ صفحہ کا رسالہ ہے جو مجموعۃ الرسائل الکبریٰ میں

شامل ہے اور ۱۳۲۳ھ میں مصر سے شائع ہوا ہے۔

ایمان لانے والے کو مجتہد کا خطاب دیا جاسکتا ہے اسی طرح یَدَا اللّٰہِ فَوَقَّأَیْدِیْہِمُ دِیْنِیْ وَحَہُ رَبِّکَ

الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَحٰی، اَلَا اَنْتُمْ مَنِّیْ الشَّمَلِہٖ پر بلا تاویل ایمان لانے سے یہ مطلب نکالنا صحیح

نہیں ہے کہ مخلوق و حادث کا سا و ثبوت اور یہ مراد ہے اور اسی طرح کی فوقیت و مکانیت مقصود ہے

جو ایک محدود کی دوسرے محدود پر اور ایک جسم کی دوسرے جسم کے ساتھ ہوتی ہے اور نہ ان صفات کی

حقیقت پر ایمان لانے والے کو تجسیم و تشبیہ کا طعنے دینا درست ہے اس سلسلہ میں انھوں نے سلف

اولین اور متکلمین متقدمین کے جو اقوال اور عبارات نقل کی ہیں ان سے اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے

وہ کہتے ہیں کہ اس کے خلاف نصاً و ظاہراً ایک لفظ بھی صحابہ و تابعین و سلف سے ثابت نہیں

ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اللہ آسمان پر نہیں ہے یا وہ عرش پر نہیں ہے یا وہ ہر جگہ ہے اور یہ کہ

تمام اکثرہ اس کی نسبت سے یکساں ہیں اور یہ کہ نہ وہ عالم میں داخل ہے نہ اس سے خارج ہے نہ متصل

ہے نہ منفصل ہے اور یہ کہ اس کی طرف انگلیوں سے حتی طور پر اشارہ جائز نہیں، اگر مسلک وہی صحیح ہے

جو نفی کرنے والوں کا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہمیشہ اس کے خلاف الفاظ کیوں

بولتے رہے اور حق کے اظہار سے ساری عمر کیوں خاموش رہے؟ یہاں تک کہ یہ ایرانی اور رومی اور

یہود و فلاسفہ کے پروردہ آئیں اور امت کو صحیح عقیدہ کی تعلیم کریں!

پھر انھوں نے ثابت کیا کہ متکلمین متاخرین کچھ تو فلسفہ یونان کے اثر سے اور کچھ تنزیہ کے

جوش و غلو میں ان صفات کی ایسی تاویل کرنے لگے کہ جو حقیقت لغوی، فہم صحابہ اور نصوص حدیث سے

بہت دور جا پڑی اور جس کی سرحد نفی و تعطیل سے ملنے لگی اس سلسلہ میں وہ علماء سلف ائمہ سنت

اور خود متکلمین متقدمین کے مسلک سے دور ہو گئے، یہاں تک کہ وہ سلف کے متعلق ایسے لفظ بولنے لگے

جس سے ان کے علم کی تحقیر ہوتی ہے جو بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سلف کا طریقہ

زیادہ مامون و بے خطر، مگر خلف کا طریقہ زیادہ علمی اور پراز حکمت ہے یہ سب سلف کی حقیقت اور

مقام سے نا آشنائی کا نتیجہ اور ناواقفیت کی دلیل ہے اصل علم سلف کو حاصل تھا، بھلا دارین انبیاء
 نابین رسل، حاملین کتاب و سنت سے معرفت الہی اور اسماء و صفات کے فہم میں وہ لوگ کیا مقابلہ
 کر سکتے ہیں جو دعویٰ فلسفہ کے چوڑے بچے اور ہندو یونان کے خوانِ نعمت کے زرد رہا ہیں، فلاسفہ و متکلمین
 کے آخری اقوال اور دنیا سے کوچ کرنے کے وقت کے مقولے بتلاتے ہیں کہ وہ اپنی موٹنگانیوں پر نام
 عالم حیرت میں سرگرداں اور اپنی ناکامی و بے حاصلی پر ماتم کناں تھے ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ
 ہماری ساری عمر کا اندوختہ قیل و قال کے سوا کچھ نہیں کسی نے کہا کہ دریائے نامید اکنا میں غوطے لگائے
 اہل اسلام کے علوم کو چھوڑ کر بیاباں کی خاک چھانی، اب یہ حال ہے کہ اگر لطفِ خداوندی نے دستگیری
 نہ کی تو میں کہیں کا نہ رہا، گواہ رہنا کہ اپنی ماں کے عقیدہ پر مر رہا ہوں۔

یہ فتویٰ ایک مستقل علمی رسالہ ہے جس میں شیخ الاسلام کی علمی و تصنیفی خصوصیات پوری موجود ہیں
 روانی، قوت استدلال، خطابت، قرآن و حدیث سے حسن استشہاد، جدتِ اسلوبِ عقلِ عام سے
 اپیلِ برستگی و بے تکلفی، تاریخی معلومات، متکلمین و فلاسفہ پر بیک تنقید، یہ سب وہ خصوصیات ہیں جو
 اس زمانہ کی عام تصانیف یا مخصوص فتاویٰ میں (جو عموماً فقہی و اصطلاحی زبان میں لکھے جاتے تھے) ناپید ہیں
 اس فتویٰ میں پہلی مرتبہ انھوں نے ایسے واضح اور طاقتور طریقہ پر اس عقیدہ کی توجیح و تبلیغ کی تھی
 جو ان کے نزدیک سلف کا عقیدہ اور اہل سنت کا اعتقاد تھا، اور ان کے مخالفین کے نزدیک "حجیم"
 کا عقیدہ اور بگڑی ہوئی جنسیت تھی، یہ فتویٰ جس لب و لہجہ اور جس تضحی (چیلنج) کے انداز میں
 لکھا گیا تھا، اور جس حلقوں میں جس طرح اس کا استقبال ہوا، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ اشاعرہ و متکلمین
 کے حلقہ میں جن کو جمہور اور حکومت کی تائید حاصل تھی، اور جو قضاء و افتاء کے سرکاری منصبوں سے
 لے کر درس و تصنیف کے علمی حلقوں تک پہنچاوی تھے، ناراضگی کی ایک لہر اور عام برہمی کی کیفیت
 پیدا ہو جائے، ابن کثیرؒ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

علماء کا ایک گروہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مخالفت میں کھڑا ہو گیا، ان کا اصرار تھا کہ وہ حنفی قاضی شیخ جلال الدین کی مجلس میں حاضر ہوں، اور اس فتویٰ کے متعلق صفائی پیش کریں ابن تیمیہ نے اس کو منظور نہیں کیا، اس پر شہر میں منادی کرادی گئی کہ فتویٰ قابل قبول نہیں، لیکن امیر سیف الدین جاغان نے ابن تیمیہ کی حمایت کی، اور ان لوگوں کو طلب کیا جنہوں نے ہنگامہ کیا تھا، مگر ان میں سے اکثر روپوش ہو گئے، امیر نے منادی کرنے والوں میں سے ایک گروہ کو زد و کوب کیا جس سے باقی خاموش ہو گئے، جب جمعہ کا دن آیا تو شیخ اپنی عادت کے مطابق جامع مسجد میں گئے اور (انک لعلى خلق عظم) کی تفسیر بیان کی، اگلے روز سینچر کو وہ قاضی امام الدین (شافعی) کے پاس گئے اور فضلاء کی ایک جماعت بھی وہاں آگئی، ان سب نے فتویٰ حمویہ کے بارے میں ان سے سوال و جواب کیا، اور کئی مقامات کی توضیح چاہی، انہوں نے سب کو مطمئن اور خاموش کر دیا، شیخ واپس آگئے، اور حالات اعتدال پر آگئے۔

مکن ہے یہ قصہ طول بکڑتا، اور پھر کوئی مخالفت یا شورش پیدا ہوتی، مگر اس کے بعد ہی ایسے حالات پیش آئے کہ ایک عرصہ تک کسی ایسے علمی اختلاف اور بحث و مناظرہ کی فرصت اور ہوش باقی نہیں رہا، یہ تاریخوں کا حملہ تھا جس میں شیخ الاسلام پہلی مرتبہ ایک عظیم الشان مجاہد اور ایک عمومی قائد کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔

تاریخوں کا رخ دمشق کی طرف

۶۹۹ھ کا نیا سال شروع ہی ہوا تھا کہ متواتر اطلاعیوں میں مضمون کی ملیں کہ ایران و عراق کے تاریخی فرار و آقاخان

لہ البدلیۃ والنہایۃ - ج ۱ ص ۱۲۵ - ۱۲۶ قازان جس کا اسلامی نام محمود ہے چنگیز خاں کا پوتا تھا ۶۹۹ھ میں اس امیر توغوزون رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ

و ترفیض اسلام قبول کر لیا تھا لیکن پانچ سال کے مختصر عرصہ میں سیرت و اخلاق کی کئی تبدیلی اور اسلامی تعلیم و تربیت کی زیادہ توقع نہیں

کی جاسکتی، اس لئے باوجود مسلمان ہوجانے کے تاریخوں کی دہشت انگیزی، غارتگری اور سفاکی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا تھا۔

کی نیت شام پر حملہ کرنے کی ہے اور اس کی فوجوں کا رخ دمشق کی جانب ہے، تاتاریوں کے حملہ کے جو تلخ
 تجربات اسلامی ممالک کو تھے اور جو روایات قائم ہو چکی تھیں ان کی بنا پر پورے ملک شام میں اس اطلاع سے
 ایک دہشت پھیل گئی، حلب و حماة سے جو دار السلطنت سے فاصلہ پر ہیں لوگ نکل نکل کر دار السلطنت کا رخ
 کرنے لگے یہاں تک کہ صرف حماة سے دمشق تک گھوڑے کا کرایہ دو سو درہم ہو گیا، لیکن لوگوں کو بہت جلد
 یمن کراطینان ہوا کہ سلطان مصر (الملك الناصر محمد بن قلاوون) افواج شاہی کے ساتھ شام کی حفاظت
 اور تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے آرہا ہے، ۸ ربیع الاول ۶۹۹ھ کو مصری افواج دمشق میں داخل ہوئیں
 اہل شہر نے سخت بارش اور کچھڑ کے باوجود بڑی گرمجوشی سے سلطان اور اس کی افواج کا استقبال کیا، شہر
 آراستہ کیا گیا، جا بجا اس کے لئے اور مسلمانوں کی فتح کے لئے دعائیں کی گئیں، ۱۷ ربیع الاول کو سلطان
 اپنے عساکر کے ساتھ تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا، حنفی قاضی القضاة اور بڑے بڑے علماء اور
 اعیان شہر ہمراہ ہوئے، پورا لشکر ساتھ تھا، مجاہد رضا کاروں اور نئے زنگروٹوں کی بھی ایک بڑی تعداد
 تھی مسجدوں میں قنوت نازلہ اور دعاؤں کا خاص اہتمام کیا گیا۔

سلطان مصر کی شکست اور دمشق کی حالت

دمشق کے باہر ۲ ربیع الاول کو قازان اور سلطان کے درمیان معرکہ پیش آیا، مسلمان جہم کر پڑے
 اور بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن مسلمانوں کو شکست ہوئی، سلطانی افواج نے مصر کا رخ کیا اور اہل دمشق نے
 دمشق میں پناہ لی، اس شکست، مصری افواج کی واپسی اور تاتاریوں کے فاتحانہ دُش میں داخل ہونے
 کے خطرہ سے شہر میں بدحواسی پھیلی ہوئی تھی، بڑے بڑے علماء اور سربراہان اور وہ اشخاص شہر چھوڑ چھوڑ کر
 مصر کا رخ کر رہے تھے، خود قاضی شافعی، قاضی مالکی، بعض دوسرے نامور علماء، حاکم شہر، محتسب اور بڑے
 بڑے تاجر اور عوام شہر چھوڑ چکے تھے، حکومتی عملہ رخصت ہو چکا تھا، حکام میں سے صرف قلعہ اہلی مقیم تھا اور

کوئی ذمہ دار حاکم اور منتظم شہر میں موجود نہ تھا، گرانی حد کو پہنچی ہوئی تھی، باہر کی آمدورفت موقوف تھی اس پر طرفہ یہ ہوا کہ قیدی جیل خانہ توڑ کر باہر نکل آئے، اور انہوں نے شہر میں لوٹ پھری اور باشوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا، باغات (جو اہل دمشق کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے) کے دروازے توڑ ڈالے اور دروازے اور کھڑکیاں اکھاڑ کر لے گئے، اور اونے پونے کوڑیوں کے مول بیچ ڈالا، ادھر دمشق میں یہ طوقان بے تمیزی برپا تھا، ادھر قازان کی آمد کا غلغلہ تھا جس سے رہے سہے جو اس اور پرگندہ تھے۔

ابن تیمیہ کی قازان سے ملاقات

یہ حالات دیکھ کر اعیان شہر اور ابن تیمیہ نے مشورہ کیا اور فیہ قرار پایا کہ ابن تیمیہ چند علماء اور رفقاء کی معیت میں قازان سے ملاقات کریں اور دمشق کے لئے پروانہ امن حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ دو شنبہ ۳ ربیع الثانی ۷۹۹ھ کو مقام نبک میں اہل دمشق کے نمائندہ اور اسلام کے سفیر ابن تیمیہ اور تاتاریوں کے جبار بادشاہ قازان کی ملاقات ہوئی، شیخ کمال الدین بن الانجاہو دمشق سے ابن تیمیہ کے ساتھ گئے تھے، اور اس مجلس میں شریک تھے، اس ملاقات کا حال بیان کرتے ہیں:-

میں شیخ کے ساتھ اس مجلس میں موجود تھا، وہ سلطان (قازان) کو عدل و انصاف کی آیات و احادیث اور الشہور رسول کے ارشادات و احکام سناتے تھے، ان کی آواز بلند ہوتی جاتی تھی اور برابر سلطان کے قریب ہوتے جاتے تھے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ ان کے گھٹنے اس کے گھٹنے سے مل جائیں، سلطان کو اس سے کچھ ناگواری نہیں ہوئی، وہ بڑی توجہ سے کان لگائے، ان کی گفتگو سن رہا تھا، اور ہم تن متوجہ تھا، اس پر ان کا رعب ایسا طاری تھا، اور وہ ان سے ایسا تاثر

لے یہ مقام دمشق اور حمص کے درمیان واقع ہے، وہاں کا پانی خاص طور پر مشہور ہے، آج کل ایک سیرگاہ ہے، اس میں حمص جاتے ہوئے راتم سٹور نے یہ جگہ دیکھی تھی۔

تھا کہ اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ عالم کون ہیں؟ میں نے ابھی تک یہ شخص نہیں دیکھا، اور نہ اس شخص سے زیادہ کوئی دلیر اور قوی القلب آج تک دیکھنے میں آیا مجھ پر ابھی تک کسی کا ایسا اثر نہیں پڑا تھا، لوگوں نے ان کا تعارف کرایا، اور ان کے علمی اور عملی کمالات کا تذکرہ کیا۔

ابن تیمیہ نے قازان سے کہا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم مسلمان ہو اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ساتھ قاضی امام شیخ اور موزنین بھی رہا کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تم نے ہم مسلمانوں پر حملہ کیا، حالانکہ تمہارے باپ اور دادا کافر ہونے کے باوجود ایسے اعمال سے محترز رہے انھوں نے جو کچھ عہد کیا تھا، وہ پورا کیا اور تم نے جو عہد کیا تھا، وہ توڑ دیا، اور جو کچھ کہا تھا، اس کو پورا نہیں کیا، اور بندگانِ خدا پر ظلم کیا!

شیخ کمال الدین کہتے ہیں کہ ایسی سخت گفتگو کرنے کے باوجود شیخ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس آئے، تا تاریخوں کے ہاتھ میں جو مسلمان قید تھے، ان کی بڑی تعداد ان کی شش سفارش سے چھوڑ دی گئی، شیخ کہا کرتے تھے کہ غیر اللہ سے تو وہ ڈرے گا جس کے دل میں کوئی بیماری ہے، امام احمد ابن حنبل سے کسی نے حکام سے اپنے اندیشہ اور خوف کا اظہار کیا، فرمایا کہ "اگر تم تندرست ہوتے تو کسی سے نہ ڈرتے!" ایک دوسرے ہمراہی قاضی القضاة ابو العباس اتنا اور اضافہ کرتے ہیں:-

• اس مجلس میں ابن تیمیہ اور ان کے رفقاء کے سامنے کھانا رکھا گیا، اور سب شریک ہو گئے، لیکن ابن تیمیہ دست کش ہے، دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں نہیں شرکت کرتے؟ فرمایا کہ یہ کھانا کب جائز ہے؟ یہ تو غریب مسلمانوں کی بھیڑ بکریوں کے گوشت سے تیار کیا گیا ہے، اور لوگوں کے دختوں کی لکڑی کے ایندھن سے پکا گیا ہے، قازان نے ان سے دعا کی درخواست کی، شیخ نے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی کہ خدا یا اگر آپ کے نزدیک قازان کا اس جنگ سے مقصد تیرے کلمہ کی بلندی اور

لغة الکواکب الدرینة فی مناقب الامام المجدد شیخ الاسلام ابن تیمیہ، تالیف الشیخ مرعی ابن یوسف الکریمی اکنبلی

ص ۲۵۰ شامل مجموعہ فرج الشریکی الکریمی ص ۱۶۲

بہادری بیل اشرفی تو اس کی مدد فرما، اور اگر سلطنت دنیا اور جس دہوس ہے تو اس کو سمجھنے کی حیرت
کی بات یہ ہے کہ شیخ دعا کر رہے تھے اور قازان آئین کہہ رہا تھا ہمارا حال یہ تھا کہ ہم اپنے کپڑے سمیٹ
رہے تھے کہ اب جلا دکو ان کی گردن مارنے کا حکم ہوگا، ان کے خون کی چھینٹیں ہمارے دامن پر کیوں آئیں؟
ابوالعباس کہتے ہیں کہ:-

”جب مجلس برخواست ہوئی اور ہم دربار کے باہر آئے تو ہم نے کہا کہ آپ نے تو ہماری ہلاکت میں
کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی ہم اب آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے انہوں نے کہا کہ میں خود تمہارے
ساتھ نہیں جاؤں گا، چنانچہ ہم لوگ تو روانہ ہو گئے اور وہ ذرا دیر ٹھہر کر واپس ہوئے، خواتین و امراء کو
جب اس واقعہ کی اطلاع اور ان کی موجودگی کا علم ہوا تو ہر طرف سے انہوں نے ہجوم کیا اور برکت و
حسن اعتقاد میں چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا اور وہ اس شان سے دمشق واپس ہوئے کہ
تین سو سواران کی رکاب میں تھے۔

اس کے مقابلہ میں ہم پر یہ گزری کہ ہم راستہ میں تھے کہ ایک گروہ حملہ آور ہوا، اور اس نے
ہمارے کپڑے اتار لئے!

دمشق میں تاتاریوں کی بے عنوانیاں

اہل دمشق کو اگرچہ تاتاری سلطان کے ہات سے پروانہ امن مل گیا تھا، اور اس کا دمشق میں اعلان
بھی ہو گیا تھا لیکن دمشق کے اطراف و نواح میں تاتاریوں کی غارتگری اور بے آئینی جاری تھی اور شہر بنیاد
سے باہر ایک غدر سا مچا ہوا تھا، شہر میں زرخ بہت چڑھ گئے تھے اور گرانی بید تھی، ادھر تاتاریوں نے
اہل دمشق سے مطالبہ کیا کہ حکومت سابقہ کے جتنے گھوڑے، ہتھیار اور نقد لوگوں کے پاس چھپا ہوا

وہ تاتاریوں کے حوالہ کر دیا جائے تاتاریوں نے سیف الدین قجق کو اپنی طرف سے حاکم شام مقرر کیا اور اس نے اہل شہر پر سختی شروع کی، شہر پر تاتاریوں کا قبضہ مکمل طور پر ہو چکا تھا، صرف قلعہ دارا جو اس نے حوالہ نہیں کیا تھا، اور صاف انکار کر دیا تھا، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس کے محاصرے میں تھکے انھوں نے قلعہ دارا کو پیغام بھیجا کہ جب تک قلعہ کی ایک اینٹ بھی سلامت ہے، قلعہ تاتاریوں کے حوالہ نہ کرنا، قلعہ دارا نے آخر وقت تک اس پر عمل کیا اور تاتاریوں کا اس پر عمل دخل اختیار نہ ہو سکا، تاتاریوں نے شہر میں دست درازیاں شروع کیں اور قدیم روایات کے مطابق ہر طرح کی بے عنوانیاں کیں، بیشتر مسلمان مرد و عورت قید کئے، اور غلام بنائے، صرف محلہ صاحبیہ کے چار سو افراد قتل اور چار ہزار کے قریب گرفتار ہوئے، بڑے بڑے شریف خاندانوں اور علماء کے گھرانوں کے لڑکے اور لڑکیاں غلام اور باندیاں بنالی گئیں، کتب خانے لوٹ لئے، اور وقت کی کتابیں کوڑیوں کے مول کیں۔

یہ حال دیکھ کر ابن تیمیہ نے دوبارہ قازان سے ملاقات ضروری سمجھی، وہ ایک جماعت کے ساتھ ۲۵ ربیع الثانی کو پھر سلطان سے ملنے گئے، لیکن دو روز انتظار کرنے کے باوجود ان کو سلطان سے ملنے نہیں دیا گیا، اس عرصہ میں دمشق میں خبر گرم ہوئی کہ تاناری (جو ابھی تک باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے) شہر میں داخل ہوا چاہتے ہیں، یہ سن کر لوگوں کے رہے سہے ہوش و حواس جاتے رہے اور شہر میں کھلبلی پڑ گئی، لوگوں نے شہر چھوڑ کر جانا چاہا، مگر جائیں تو کہاں جائیں؟ تاتاریوں نے قلعہ فتح کرنے کے انتظامات کئے، خندق کھودی جانے لگی، اور متحقیقین نصب کی گئیں، لوگ اس ڈر سے کہ بیگاری میں پکڑے جائیں گے، گھر چھوڑ رہے، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:-

• راستوں، سڑکوں پر نساٹا تھا، اکا دکا کوئی آتا جاتا نظر آتا تھا، جامع مسجد میں نمازیوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی، جمعہ کی نماز میں جامع اموی میں بڑی مشکل سے ایک صف پوری ہوتی اور کچھ آدمی پیچھے ہوتے، جو شخص ضرورتاً نکلتا بھی وہ تاتاریوں کا بھیس بدل کر اور فوراً واپس آجاتا، پھر بھی

لے جو ترکہ النسل اور فانی تاتاری نو مسلم تھا۔ ۲۵ البدایہ والنہایہ - ج ۱ ص ۱۳۷

یکٹھکانگار تھا کہ شاید واپس آنا نصیب نہ ہو؟

۱۹ حرادی الاولیٰ کو قازان نے عراق کی طرف کوچ کیا، اور اپنے قائم مقام اور ساٹھ ہزار فوج شام کی حفاظت کے لئے چھوڑ دی، چلتے ہوئے اس نے اعلان کیا کہ ہم اپنے نائب اور کثیر فوج چھوڑ کر جا رہے ہیں اور اگلے سال موسم خزاں میں ہم پھر واپس آئیں گے اس وقت ہم شام کے ساتھ مصر بھی فتح کریں گے۔ قازان اگرچہ چلا گیا تھا، مگر دوسرے تاتاری امیر بولائی نے دمشق کے اطراف و جوانب میں لوٹ مار چا رکھی تھی، کثیر آبادیاں اور بستیاں ویران ہو گئی تھیں، کثیر التعداد مسلمان بچوں کو غلام بنا لیا گیا تھا، خود دمشق سے اس نے بڑی رقم وصول کی تھی، ۸ رجب کو ابن تیمیہ نے بولائی کی لشکر گاہ میں جا کر اس سے خود ملاقات کی اور قیدیوں کی رہائی کے معاملہ میں اس سے گفتگو کی اور ایک بڑی تعداد کو رہا کر لیا، ان رہا ہونے والوں میں سلمان بھی تھے اور غیر مسلم شامی (ذمی) بھی تھے۔

۳ رجب کو دمشق میں قلعہ دار کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ مصری افواج شام کی طرف آ رہی ہیں، اگلے ہی روز بولائی اور اس کے تاتاری ساتھی دمشق چھوڑ کر روانہ ہو گئے، تاریخ تک دمشق اور اس کے اطراف تاتاریوں سے بالکل خالی ہو گئے۔

۹ رجب کو اطلاع ملی کہ سلطان (محمد بن قلاوون) اور مصری افواج شام کے استخلاص کے لئے روانہ ہو گئیں، اس وقت دمشق میں کوئی ذمہ دار حاکم اور منظم نہ تھا، شہر پناہ تاتاریوں کے حملے سے شکستہ پڑی ہوئی تھی، قلعہ دار اور جاش نے اعلان کر لیا کہ اہل شہر شہر پناہ اور دروازوں کی حفاظت کریں، کوئی اپنے گھر میں نہ سوئے، سب مسلح شہر پناہ پر موجود رہیں، لوگوں نے تعمیل کی ابن کثیر کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کا ان دنوں معمول تھا کہ رات بھر شہر پناہ کا گشت کرتے تھے اور لوگوں کو جہاد اور رباط فی سبیل اللہ کی آیات سنا کر صبر و قتال کی ترغیب دیتے تھے؟

شراب کے خلاف جہاد

مصری افواج اور مسلمان سلطان کی آمد اور تاتاریوں کے کوچ کو سن کر دیندار مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے ان خرابیوں کو دور کرنے کا عزم کیا، جو اس ناسازگار قوم اور اس کے ناخدا تیس حکام کے زمانہ میں پیدا ہوئی تھیں، حافظ ابن تیمیہؒ اس کام میں پیش پیش تھے، نائب تمام سیف الدین قبحی نے شراب خانوں کی خاص سرپرستی کی تھی اور وہ اس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تھے اس کے مختصر دور حکومت میں متعدد نئے شراب خانے قائم ہوئے تھے اب ان کے باقی رہنے کے لئے کوئی جواز نہ تھا، مشرق میں کوئی حاکم اور ذمہ دار افسر نہ تھا، ابن تیمیہ نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا، اپنے تلامذہ اور اصحاب کے ساتھ سارے شہر کا دورہ کیا، جہاں شراب خانہ نظر آیا، اس کے منگے اور جام و سلو توڑ ڈالے، شراب انڈیل دی، ان میناؤں میں جو ابابن مقیم تھے، اور افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے تھے، ان کی تعزیر کی، شہر میں عام طور پر اس کا روائی پرست کا اظہار کیا گیا۔

بد عقیدہ کوہستانیوں کی تادیب و تبلیغ

۶۹۹ھ میں جب تاتاری لشکر دمشق میں داخل ہوا تھا، اور انھوں نے دست درازی کی تھی تو پہاڑوں کے (عیسائی باطنی اور اسماعیلی) باشندوں نے ان کا پورا ساتھ دیا تھا، مسلمان فوجیں جب تاتاریوں سے شکست کھا کر واپس ہو رہی تھیں اور ان کے علاقہ سے گزریں تو ان کوہستانیوں نے ان پر حملہ کر دیا، ان کے اسلحہ اور گھوڑے چھین لئے، اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کیا، انھوں نے کبھی لشکر کی اطاعت نہیں کی تھی، نہ دین حق کو قبول کیا تھا، اور نہ کسی نظام کے پابند تھے۔

شام کا مطلع صاف ہو جانے اور اندرونی اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد ابن تیمیہ نے ان مغزوں کی تادیب و تبلیغ ضروری سمجھی، جن اتفاق سے اسی زمانہ میں نائب السلطنت جمال الدین آقوش الا فرم نے جرد و کسروان نامی پہاڑوں کی طرف فوج کشی کی، ابن تیمیہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور رضا کاروں اور حوران کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ نائب السلطنت کی رفاقت کی، نائب السلطنت کی آمدن کر قبائل کے سردار ابن تیمیہ کے پاس حاضر ہوئے، شیخ نے ان سے توبہ کرائی، ان کو اچھی طرح تبلیغ کی، اور اس سے بڑا نفع ہوا، انھوں نے مسلمان فوج سے جو کچھ چھینا لوٹا تھا، اس کی واپسی کی ذمہ داری لی، بیت المال کی طرف سے ان پر رقم عائد کی گئیں، جن کو ادا کرنے کا انھوں نے عہد کیا، اور یہ مہم ۱۳ رذی القعدہ کو کامیاب واپس آئی۔

تاتاریوں کی دوبارہ آمد اور ابن تیمیہ کا اعلان جہاد

شروع ہی ہوا تھا کہ تاتاریوں کی دوبارہ آمد کی اطلاع دمشق میں پہنچی، لوگوں کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی، اور مصر اور دوسرے مقامات اور محفوظ قلعوں کی طرف بھاگنے کا سلسلہ شروع ہو گیا، لوگ اپنا سامان، پوشاک اور غلہ اونے پونے بیچ کر بفر کا سامان کرنے لگے، سواری کا کرایہ بہت بڑھ گیا، اور جانوروں کے دام کہیں سے کہیں پہنچ گئے، یہ دیکھ کر ابن تیمیہ نے جامع مسجد میں مواعظ اور درس کا سلسلہ سرگرمی سے شروع کیا، لوگوں کو جہاد پر آمادہ کیا، بھاگنے سے غیرت دلائی، اور اس بزدلانہ حرکت کی مذمت کی، انھوں نے لوگوں کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے ملکوں کی حفاظت و مدافعت کے سلسلہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ لوگ بھاگنے میں جو روپیہ صرف کر رہے ہیں، یہاں رہ کر مسلمانوں کی حفاظت اور جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کریں، وہ کہتے تھے کہ اس مرتبہ تاتاریوں سے کھلے میدان میں مقابلہ

لے البدایہ والنہایہ

کرنا چاہئے، اس مرتبہ ان سے جہاد فرض ہے، ان کی اس سلسلے تقریروں سے لوگوں کی ڈھارس بندھی اور شہر میں سرکاری اعلان ہو گیا کہ کوئی شخص حکومت کی اجازت اور پروانہ کے بغیر شہر نہیں چھوڑ سکتا، اس بھاگنے کا سلسلہ بند ہوا اور سلطان مصر کی روانگی کی بھی اطلاع ملی، جس سے لوگوں کو مزید اطمینان ہوا۔

مصر کا سفر

ربیع الثانی میں پھر تاریخوں کی آمد آمد کی خبر گرم ہوئی، اور اطلاع ملی کہ وہ مقام بیرہ تک پہنچ گئے ہیں، شہر میں جہاد کا اعلان عام ہو گیا، تاریخوں کے آگے بڑھنے کی اطلاعیں پے در پے آرہی تھیں، لوگوں کو تسکین دی گئی اور کہا گیا کہ اپنا کام دیکھی سے کریں، سلطان مصر سے روانہ ہو چکے، واقعہ یہ اطلاع ملی کہ سلطان نے فسخ عزیمت کر دی، یمن کرچے ہوئے قدم اکھڑ گئے اور لوگ اپنے اپنے اہل و عیال کو مصر اور دوسرے محفوظ مقامات کی طرف منتقل کرنے لگے، یہ حالت دیکھ کر ابن تیمیہ نائٹا شام سے ملاقات کے لئے (جو دمشق کے باہر تاریخوں کو روکنے کے لئے پڑاؤ ڈالے پڑا تھا) تشریف لے گئے انہوں نے اس کو بہت اطمینان دلایا، اور فرمایا کہ ہم مظلوم ہیں، ہم کو ضرور فتح ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ

بُعِيَ عَلَيْهِ لِنُصْرَتِهِ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ

لَعَفُوٌّ غَفُورٌ (الحج - ۶۰)

اور جس نے اسی قدر بدلہ لیا جس قدر اسے تکلیف دی گئی تھی، پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا، بیشک اللہ ضرور گذر کرنے والا ہے۔

نائب شام اور امراء نے ان سے درخواست کی کہ وہ خود مصر جائیں اور سلطان کو ملک شام کی حفاظت اور تاریخوں سے مقابلہ کرنے پر آمادہ کریں، چنانچہ وہ ڈاک کی سواری سے مصر روانہ ہوئے، ان کے پہنچتے پہنچتے سلطان قاہرہ میں داخل ہو چکا تھا، ابن تیمیہ نے سلطان کو بڑی غیرت دلائی اور فرمایا کہ اگر شام تمہاری سلطنت میں داخل نہ ہوتا، اور بحیثیت سلطان مصر و شام کے تم پر اس کی

براہِ راست ذمہ داری نہ ہوتی جب بھی اگر اہل شام تم سے مدد مانگتے تو تمہیں ان کی مدد کرنی ضروری تھی، چہ جائیکہ شام تمہاری سلطنت کا ایک صوبہ اور تمہاری حکومت کا ایک اہم جز ہے، اگر تم کو شام کی حفاظت کی کوئی فکر نہیں تو صاف کہہ دو ہم اپنا انتظام خود کر لیں، اور کسی کو وہاں کا حاکم منتخب کریں، جو خطرہ کے وقت اس کی خدمت و حفاظت کرے، اور معتدل حالات میں اس سے فائدہ اٹھائے۔"

ابن تیمیہ نے سلطان کو یقین دلایا کہ اس مرتبہ فتح مسلمانوں ہی کی ہوگی، وہ آٹھ دن تک قلعہ مصر میں مقیم رہے اور جہاد اور تاتاریوں کے مقابلہ کی ترغیب دیتے رہے۔

ابن تیمیہ کی اس ایمان افروز اور یقین آفریں گفتگو اور مخلصانہ مساعی کا نتیجہ ہوا کہ سلطان دوبارہ شام کے لئے آمادہ ہو گیا، اور مصری افواج جہاد کے لئے روانہ ہو گئیں، ابھی اہل دمشق یہ سن کر پوری طرح خوش نہیں ہونے پائے تھے کہ تاتاریوں کے قریب آجانے اور سلطان کی واپسی کی اطلاع پہنچ گئی، غضب یہ ہوا کہ حاکم شہر ابن النحاس نے منادی کرادی کہ جس میں سفر کی طاقت ہو وہ دمشق سے ضرور چلا جائے، یہ سن کر شہر میں ہلچل مچ گئی، بازار بند ہو گئے، لوگ جنگلوں اور میدانوں کی طرف بھاگنے لگے، ہر شخص کی زبان پر تھا کہ اہل دمشق کی قسمت میں تو دشمن کا لقمہ بنا لکھا ہے، بڑے بڑے علماء اور دمشق کے ایمان و شرفاء نے شہر سے کوچ کیا، ان کے متعلقین پہلے جا چکے تھے، سربراہ آوردہ اور معزز لوگوں میں دمشق میں گنتی کے چند آدمی رہ گئے تھے، شہر میں اعلان ہوا کہ جس کی نیت جہاد کی ہو، وہ لشکر سے جا ملے، اس لئے کہ تاتاری قریب آگئے ہیں، جو علماء باقی تھے، جن میں ابن تیمیہ کے چھوٹے بھائی شرف الدین ابن تیمیہ بھی تھے، انھوں نے نائب السلطنت کو ہمت دلائی، اور مہنا "امیر عرب کو بھی جہاد پر آمادہ کر لیا، اسی عرصہ میں ابن تیمیہ مصر سے واپس آگئے، انھوں نے سلطان کی آمادگی اور ارکان سلطنت کے عزم جہاد کی خوشخبری سنائی، ادھر یہ اطلاع ملی کہ سلطان تاتار نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور دریائے فرات عبور کر کے عراق پہنچ گیا،

تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ ورا بن تمیمہ کا کارنامہ

رجب ۲۷ھ میں بادشوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ تاتاری اس مرتبہ شام کا عزم مصمم رکھتے ہیں لوگوں میں اس خبر سے ایک اضطراب پیدا ہوا، نمازوں میں قنوتِ نازلہ کا اہتمام کیا گیا، اور بخاری شریف کا ختم ہوا، لوگ حسب عادت مصر اور محفوظ مقامات کا رخ کرنے لگے جس قدر سلطان مصر اور مصری افواج کی آمد میں تاخیر ہوتی جاتی تھی لوگوں کا اضطراب بڑھتا جاتا تھا، بالآخر ۸ شعبان کو مصری فوج کا ایک بڑا حصہ ناموزن کی امراء کی قیادت میں پہنچا پھر دوسرا دستہ پہنچا اور لوگوں میں سکون پیدا ہوا لیکن دوسرے مقامات سے پناہ گزنیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا اور شمالی شہروں سے بکثرت لوگ پناہ اپنا شہر چھوڑ کر دمشق میں آنے لگے مختلف قسم کی افواہیں بھی پھیلنے لگیں امراء نے شام نے جمع ہو کر دشمن کے مقابلہ کا عہد کیا اور قسم کھائی اور شہر میں اعلان کرایا گیا کہ کوئی شہر چھوڑ کر نہ جائے ابن تمیمہ نے دمشق سے باہر جا کر لشکر کو اس کی اطلاع دی اور ان سے بھی اس بات کی قسم لی، وہ امراء اور عوام سے قسم کھا کر کہتے تھے کہ تم اس مرتبہ ضرور فتح پاؤ گے ان کو اس کا اس قدر یقین تھا کہ اگر کوئی کہتا کہ انشاء اللہ تو فرماتے کہ انشاء اللہ تم حقیقاً لانقلاباً“ وہ فرماتے تھے کہ ہم مظلوم ہیں اور مظلوم کی ضرورت ہوتی ہے۔

ثُمَّ يُغِي عَلَيْهِ لِيَنْصُرَنَّهُ اللَّهُ (الحج - ۶۰) جس پر زیادتی کی جائے گی اس کی اللہ ضرور مدد کرے گا

اس لئے اس وعدہ خداوندی کی رو سے ہماری فتح یقینی ہے اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے۔
اس وقت ایک سوال یہ پھیرا گیا کہ تاتاری بہر حال مسلمان ہیں اس لئے ان سے جنگ کرنے کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ وہ نہ کافر ہیں نہ باغی ہیں باغی اس لئے نہیں ہیں کہ کبھی وہ مسلمان امیر کی اطاعت میں

داخل ہی نہیں ہوئے، اس لئے بغاوت کا بھی سوال نہیں پھر ان سے جنگ کس بنیاد پر کی جائے؟ علماء کو اس بارہ میں تردد ہوا، ابن تیمیہ نے کہا کہ وہ خوارج کے حکم میں ہیں، خوارج نے سیدنا علیؑ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے خلاف بغاوت کی تھی، وہ اپنے کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، یہ تاریخی اسی طرح دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے کو حکومت کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان سے زیادہ حق و انصاف کو قائم کر سکتے ہیں، وہ مسلمانوں پر گناہوں اور مظالم کا الزام لگاتے ہیں اور خود اس سے کہیں بڑھ کر افعالِ شنیعہ اور حرکاتِ ناشائستہ کے مرتکب ہیں، ان کی اس توضیح سے علماء کو اطمینان ہو گیا، اور یہ نکتہ سمجھ میں آ گیا، ان کو اس بارہ میں اتنا وثوق اور اطمینان تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر تم مجھے بھی اس حال میں تیار لوں گی صفت میں دیکھو کہ قرآن مجید سر پر رکھا ہے، تب بھی مجھے قتل کر دینا، اس سے لوگوں کا تردد دور ہوا، اور ان کے حوصلے بلند ہوئے۔

دشق میں بڑی سراپگئی تھی، سلطان کی آمد کی اطلاع نہ تھی، شامی و مصری فوجوں کے جنگ کرنے کا یقین نہ تھا، تاریخیوں کی آمد آمد کی اطلاع دم بدم مل رہی تھی، لوگ دوسرے شہروں سے بھاگ بھاگ کر دمشق میں پناہ لے رہے تھے، سارا شہر پناہ گزینیوں سے بھرا ہوا تھا، ابن تیمیہ لشکر گاہ جانے کے لئے چلے تو راستہ میں مشکل تھا، جن لوگوں کو ان کے عزم کی اطلاع نہ تھی، انھوں نے طعنہ دیا کہ ہمیں تو آپ بھاگنے سے روکتے تھے، اور آپ خود دمشق سے فرار اختیار کر رہے ہیں؟ امام خاموشی سے سنتے ہوئے چلے گئے، شہر میں کوئی حاکم نہ تھا، اوباشوں اور بدعاشوں نے اُدھم مچا رکھی تھی، لوگ میناروں پر چڑھ چڑھ کر اسلامی لشکر کو تلاش کرتے تھے، اور قیاس آرائی کرتے رہتے تھے، ہر شخص اپنی قسمت کے فیصلہ کا منتظر تھا، جنگ ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر جنگ ہوتی ہے تو فتح کس کو ہوتی ہے؟ اگر خدا نخواستہ اسلامی لشکر شکست کھاتا ہے، تو پھر مسلمانوں کا کہیں ٹھکانا نہیں اور عزت و آبرو جان و مال کی خیر نہیں غرض :-

وَاذْرَاغَتِ الْاَبْصَارِ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ
اور جیسا کہ ہمیں تمہارا گئی تھیں اور کیجیے نہ کو آنے لگے تھے

المُتَجِدَّةُ وَتَنْظُونَ بِاللهِ الظُّنُونَ هَذَا الَّذِي
 اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے اس
 الْمُؤْمِنُونَ وَرُزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (الحزاب: ۱۱۰)

کا نقشہ تھا۔

ابن تیمیہ شامی لشکر میں پہنچے تو امرائے لشکر نے ان سے خواہش کی کہ وہ آگے بڑھ کر سلطان سے
 ملیں اور ان سے جلد تشریف آوری کی درخواست کریں، ابن تیمیہ نے سلطان سے ملاقات کی، ابن تیمیہ کی
 گفتگو سے ان کا عزم بچتہ ہو گیا، اور وہ ابن تیمیہ کی معیت میں لشکر گاہ میں آئے، سلطان نے ان سے خواہش
 کی کہ جنگ کے موقع پر وہ سلطان کے ساتھ ہوں، ابن تیمیہ نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کے جھنڈے
 کے نیچے جنگ کرے، ہم شامی لشکر سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے اسی جھنڈے کے نیچے جنگ کریں گے، انہوں نے
 سلطان کو دوبارہ جہاد کی تلقین کی اور کہا کہ خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فتح ہماری ہی ہے،
 اس موقع پر بھی امرائے ان کو یاد دلایا کہ انشاء اللہ تمہیں جاپا ہے، فرمایا: انشاء اللہ تحقیقاً لا تعلیقاً

۲۹ شعبان جمعہ کی شب کو رمضان کا چاند ہو گیا، اہل دمشق نے تراویح کی تیاری کی، رمضان کی ستر
 بھی تھی اور دشمن کا خون استقبال کا اندیشہ کبھی جمعہ کا دن بہت سخت گزرا، سنیچر کو لوگوں نے میناروں سے
 دیکھا کہ لشکر کی جانب گرد اور سیاہی ہے، وہ سمجھ گئے کہ آج ہی مقابلہ ہے، دعاؤں کی کثرت ہوئی، عورتیں
 اور بچے کو ٹھوں پر ننگے سر کھڑے تھے، اور شہر میں ایک غلاف تھا، سنیچر ۲ رمضان کو ظہر کے بعد سلطان کا فرما
 جامع مسجد میں پڑھا گیا کہ سنیچر کے دن دو گھڑی دن گزریں، شامی اور مصری فوجیں سلطان کی ہمرکابی میں
 صف آرا ہوں گی، مسلمان اللہ سے فتح و نصرت کی دعا کریں اور قلعہ اور شہر سیاہ کی حفاظت میں مستعد رہیں،
 ۲ رمضان کو شمشیر کے میدان میں ایک طرف شامی اور مصری فوجیں دوسری طرف تاتاری لشکر
 صف آرا ہوا، ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا کہ مجاہدین کو روزہ کھول لینا چاہئے، تاکہ جنگ کی طاقت پیدا ہو،
 وہ ایک ایک علم اور ایک ایک دستہ کے پاس خود جاتے تھے، ان کے ہاتھ میں کھانے کی کوئی چیز تھی،

وہ ان کو دکھا کر افطار کرتے تھے اور حدیث سناتے تھے کہ:-

انکم ملا قوالعدوعداوالفطراتوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل شرم سے

لکم۔ تمہارا مقابلہ ہونے والا ہے اور روزہ نہ رکھنے کی

حالت میں تم زیادہ قوی ہو گے۔

جنگ شروع ہوئی، سلطان خود بنفس نفیس لشکر میں موجود تھا، خلیفہ عباسی ابوالربیع سلیمان سلطان کے پہلو میں تھے، بالآخر دونوں لشکر آپس میں گٹھ گٹے، اور جنگ کا بازار گرم ہوا، سلطان نے بڑی ثابت قدمی دکھائی، اس نے اپنے گھوڑے کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں کہ بھاگنے نہ پائے، اس نے اللہ سے اس موقع پر عہد کیا، سخت محرم ہوا، بڑے بڑے ترکہ کی امراء کام آئے، بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی، اور تاتاریوں کے قدم اکھڑ گئے، رات کو تاتاریوں نے ٹیلوں، پہاڑوں اور ٹیکریوں پر پناہ لی، مسلمانوں نے رات بھر پیرہ دیا، اور ان کو بھاگنے نہیں دیا، اور اپنے تیروں پر رکھ لیا، بکثرت تاتاری قتل ہوئے، صبح مسلمان ان کو رسیوں میں باندھا بندھ کر لاتے تھے اور گردن اڑا دیتے تھے، بھاگنے والوں میں سے ایک کثیر تعداد گھیاٹوں اور خطرناک جگہوں میں گر کر اور بہت سے دریائے فرات میں ڈوب کر ہلاک ہوئے۔

دوشنبہ ۴ رمضان کو ابن تیمیہ دمشق میں داخل ہوئے، لوگوں نے ان کا بڑا استقبال کیا، ان کو مبارکباد اور دعائیں دیں۔

شنبہ ۵ رمضان ۷۰۲ھ کو سلطان اعیان سلطنت، خلیفہ اور افواج شاہی کے ساتھ منصور و کامران دمشق میں داخل ہوا۔

انکار بدعات اور ازالہ منکرات

تاتاریوں کے قصہ سے فرصت پا کر ابن تیمیہ نے حسب معمول سابق پوری سرگرمی کے ساتھ درس و تدریس

اشاعتِ سنت اور ردِ بدعات کا کام شروع کر دیا، اور شرک و جاہلیت کے خلاف جہاد میں مشغول ہو گئے، جو ان کا محبوب مشغلہ اور زندگی کا ایک بڑا مقصد تھا، اس زمانہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کے اختلاط اور فاسد العقیدہ اور جاہل مقتداؤں کی تعلیم سے مسلمانوں میں بہت سے ایسے اعمال آگئے تھے جو جاہلیت کی یادگار اور شرک بن پرست اقوام کا شعار تھے، دمشق کے نواح میں نہر قلوط کے کنارہ ایک چٹان تھی جس کے متعلق مختلف قسم کی روایات مشہور تھیں، یہ جہلاء اور لوہم پرست مسلمانوں کے لئے ایک فتنہ بن گیا تھا، مسلمان جاتے تھے اور وہاں تختیں مانتے تھے، ابن نمیہ جب شہ کو مزدوروں اور رنگ تراشوں کے ساتھ وہاں خود گئے، اور اس کو کاٹ کر شرک کے اس دروازہ کو بند کر دیا، اور ایک بڑا فتنہ ختم ہوا۔

وہ شریعت اور سنت کے خلاف جو عمل دیکھتے، اس کو حتی الامکان اپنے ہاتھ سے بدل دینے اور روکنے کی کوشش کرتے، اس لئے کہ ایمان کا یہ اعلیٰ درجہ اور دینی حمیت کا اولین تقاضہ ہے۔

تم میں سے جو کوئی خلافِ شرع امر (منکر) دیکھے وہ

من راى منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ

اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے جو ایسا نہ کرے وہ اپنی زبان

فمن لم یستطع فلیسانہ فممن لم

سے اس کی مخالفت اور اصلاح کرے جو ایسا بھی نہ کرے

یستطع فبقلبہ وذلك اضعف

وہ اپنے دل سے اس کی مخالفت کرے اور ضعیف

الایمان۔

ترین ایمان ہے۔

حکام کو امور سلطنت سے فرصت نہ تھی، علماء بعض اوقات بہت سی چیزوں کو اہمیت نہیں دیتے تھے، اور بعض اوقات انکار و مخالفت کرتے جھجکتے تھے، اس لئے ابن نمیہ کو اکثر یہ کام خود انجام دینا پڑتا تھا، ان کے ساتھ ان کے تلامذہ و محبین کی ایک جماعت تھی جو ان کی مددگار اور رفیق تھی، اس لئے انہوں نے اعزازی طور پر حسبہ اللہ ایک طرح کا شرعی اور اخلاقی احتساب قائم کر رکھا تھا اور

متدین و مخالفین سنت حکام کی نگرانی اور علماء کے عتاب سے اگر کچھ بھی جاتے تھے تو اس "شرعی پولیس" کی نظر سے نہیں بچ سکتے تھے۔

جب شہر ہی کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک پیر مرد جو اپنے کو المجاہد ابراہیم بن القطان کہتا تھا لایا گیا جو بہت لمبی چوڑی گدڑی پہنے ہوئے تھا، بال اور ناخن بڑھے ہوئے تھے، لبس منہ پر آدھی تھیں، گالی اور فحش کثرت سے بکتا تھا، اور نشہ آور چیزوں کا استعمال بھی کرتا تھا، ابن تیمیہ نے اس کی گدڑی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا حکم دیا، سب طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے اور اس کا تازا "تبرک" ہو گیا۔ سر کے بال اور لبس زرتوائیں، ناخن کٹوائے، فحش گوئی اور نشہ اس کو توبہ کرائی گئی۔

اسی طرح ایک معمر شخص مجد انجاز البلاسی کے نام سے مشہور تھا، وہ حرام چیزوں کا استعمال کرتا تھا، یہودیوں، عیسائیوں کے پاس اس کی نشست و برخاست تھی، خوابوں کی تعبیر دیتا تھا، اور ان مسائل و علوم میں دخل دیتا تھا، جن کا علم نہیں رکھتا تھا، ابن تیمیہ نے اس کو بھی طلب کرایا، اور اس سے بھی ان تمام افعال سے توبہ کرائی، ابن کثیر کا بیان ہے کہ یہ واقعات بھی ایک طبقہ کی ناراضگی کا سبب بنے۔

ملحدین و مفسدین کے خلاف جہاد

داخلی اصلاح کے علاوہ ابن تیمیہ ان مفسدین سے بھی غافل نہ تھے، جنہوں نے ایسے ہر موقع پر جب مسلمان کسی ترغیب میں آئے، مسلمانوں کو زک پہنچانے اور دشمنان اسلام سے ساز باز کرنے میں کمی نہیں کی، اگرچہ ۶۹۹ھ میں انہوں نے نائب السلطنت الافرم کی معیت میں جو دو کسروان جا کر وہاں کے بدین، شرارت پسند قبائل کی تادیب و تنبیہ کی تھی، اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے توبہ اور آئینہ ان حرکتوں سے باز رہنے اور سلطنت کے نظام اور حکام اسلام کے تابع رہنے کا وعدہ کیا تھا، مگر پچھلے تجربوں سے

معلوم ہوا کہ وہ شرارت سے باز نہیں آئے اور ان کی مزید تمیہ و گوشمالی کی ضرورت ہے اور ہر خطرہ کے موقع پر ان سے گزنا پونچنے کا اندیشہ ہے چنانچہ ذی الحج کے اوائل میں ابن تمیہ اپنے تلامذہ و احباب کی ایک جماعت کی رفاقت اور نقیب الاشراف زین الدین ابن عدنان کی معیت میں دوبارہ جرود کسران کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو تبلیغ کی ان میں کی ایک بڑی تعداد تائب ہوئی اور اس نے احکام اسلام کی پابندی اختیار کی۔ جرود کے علاقہ کے روافض (باطنی اسماعیلی حاکمی و نصیری) قبائل نے کھلم کھلا مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تھا، صلیبیوں اور تاتاریوں کو مسلمان ممالک پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی اور ان کو نہ ہوتیں بہم پہنچائی تھیں مسلمانوں کی بے بسی اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازیاں کی تھیں اور مسلمانوں کو دشمنوں کے ہاتھوں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کیا تھا، ابن تمیہ کے غیور اور باحمیت دل پر اس کا بڑا داغ تھا، وہ ان دلی الفطرت اور شریر النفس منافقوں کو معاف نہیں کر سکتے تھے جنہوں نے ایسی کٹھن گھڑیوں اور نازک وقت میں مسلمانوں کو تنگ اور ذلیل کیا، اور ان کے حریفوں کی مدد کی، ابن تمیہ نے ان کو ان جرائم اور اس غداری پوری پوری سزا دی چاہی اور اس کا انتظام کرنا چاہا کہ آئندہ کسی جنگ یا خطرہ کے موقع پر وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں، انہوں نے السلطان اناصر (سلطان مصر و شام) کو ان کی طرف توجہ دلائی اور ان کی شرارتوں اور خطرات سے آگاہ کیا، ایک خط میں انہوں نے سلطان کو لکھا کہ:-

”جب تاتاریوں نے شام کا رخ کیا تو ان بد باطنوں (نصیریوں اور اسماعیلیوں) نے اسلامی افواج کے ساتھ بڑی بدسلوکیاں کیں یہ وہی ہیں جنہوں نے اہل قبرص (عیسائیوں) کو پیغام بھیجا، اور ساحل شام کے ایک حصہ پر ان کو قبضہ دلایا، اور صلیب کا جھنڈا خود اٹھا کر لے چلے اور مسلمانوں کے گھوڑوں، ہتھیاروں اور قیدیوں کی اتنی تعداد انہوں نے قبرص پہنچائی جس کا علم صرف اللہ کو ہے، میں دن تک نچاسہ کا بازار لگا رہا، جس میں مسلمان اور گھوڑے اور ہتھیار اہل قبرص کے ہاتھ (جو

صلیبی اور مسلمانوں کے حریف تھے) بکتے رہے، تاتاریوں کی آمد پر انھوں نے گھٹی کے چراغ جلائے اور جب تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے اسلامی فوجیں مصر سے روانہ ہوئیں تو ان کے چہرے فق ہو گئے جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے سلطان کی آمد پر مسلمانوں کو فتح میں عطا فرمائی تو ان کے یہاں صفِ اتم بچھ گئی یہ اور اس سے بڑھ کر بھی چیزیں ان کے یہاں پیش آئیں یہی جنگیز خاں کو اسلامی ممالک پر حملہ کرنے کی دعوت دینے والے تھے یہی ہلاکو کے بغداد پر تسلط، حلب کی بربادی اور صابجہ کی غارتگری کا سبب تھے اس کے علاوہ ان کی اسلام دشمنی اور کم کشی کے اور بہت سے واقعات ہیں۔

ان کے پڑوس میں جو مسلمان رہتے ہیں وہ بڑی مصیبت میں مبتلا تھے، ہر رات ان کی ٹولی پہاڑ سے اترتی اور وہ فساد برپا کرتی جس کو اللہ ہی جانتا ہے یہ ڈکے ڈالنے، پرامن شریف گھرانوں کو پریشان کرتے اور جرائم کا ارتکاب کرتے، قبرص کے عیسائی ان کے علاقہ میں آتے تو یہ ان کی میزبانی کرتے اور مسلمانوں کے ہتھیار ان کے حوالہ کرتے، چونیک اور صابح مسلمان ان کو ملتا یا تو اس کو قتل کر ڈالتے یا اس کا سب کچھ چین لوٹ لیتے، شاذ و نادر ہی کوئی ان سے بچ کر نکلتا ہے۔

۵۰۰ھ میں ۲۰ محرم کو وہ ایک مہم کے ساتھ ان مفیدین و ملحدین کے خلاف جہاد کرنے کے لئے روانہ ہوئے ان کے پیچھے نائب السلطنت ایک لشکر کے ساتھ دمشق سے روانہ ہوا، اور جرد کے علاقہ اور روافض و تیمانہ کے پہاڑوں پر چڑھائی کی، سرکش قبائل کی اچھی طرح سرکوبی کی گئی اور اس پورے علاقہ کو جو بہت دشوار گزار اور محفوظ تھا، صاف کر دیا گیا، ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا کہ بنی النضیر کی طرح ان کے باغات کے درخت کاٹنا درست ہے اس لئے کہ یہ اس میں کمین گاہ بناتے ہیں اور یہ ان کے فوجی اڈے اور سازش کی جگہیں ہیں ابن کثیر لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام کی موجودگی اور شرکت سے بڑی خیر حاصل ہوئی اور اس موقع پر ان کے علم و شجاعت کا بڑا ظہور ہوا، اسی کے ساتھ ان کے دشمنوں کے دل حسد اور غم سے لبریز ہو گئے۔

رفاعیوں سے مناظرہ

۹۔ حجابی الاول شہ ۱۰۰ھ کو رفاعی فقراء کی ایک جماعت کثیر نائیب السلطنت کے پاس حاضر ہوئی ابن تیمیہ بھی تشریف لائے رفاعیوں کا مطالبہ تھا کہ ابن تیمیہ کو ان پر اپنے احکام جاری کرنے سے روک دیا جائے اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے ابن تیمیہ نے جواب دیا کہ ایسا ممکن نہیں ہر شخص کو کتاب و سنت کے ماتحت ہو کر رہنا پڑے گا جو اس سے قدم باہر نکالے گا، اس کی تردید اور مخالفت ضروری ہے رفاعیوں نے اس موقع پر اپنی حقانیت اور مقبولیت ثابت کرنے کے لئے اپنے کچھ کرتب دکھانے چاہے ان کا دعویٰ تھا کہ ہم پر آگ اتر نہیں کرتی ہم آگ میں کود کر دکھاتے ہیں اگر ہم صحیح سالم نکل آئیں تو تسلیم کر لیا جائے کہ ہم برسر حق ہیں اور مجتہدین الشراہ ابن تیمیہ نے کہا کہ یہ شیطانی حالات ہیں اور ان کا کچھ اعتبار نہیں یہ محض شعبہ بازی او مکر و فریب ہے جو شخص آگ میں کودے پہلے حمام میں اس کو غسل دیا جائے اور اس کے جسم کو سرکہ اور گھاس سے اچھی طرح دھویا مانجا جائے پھر آگ میں گھسے اور اپنا کمال دکھائے اگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی شخص غسل کے بعد آگ میں گھستا ہے تو وہ اگر اہل بدعت میں سے ہے تو اس وقت بھی اس کا کچھ اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو دجال سمجھا جائے گا، اس موقع پر ایک رفاعی صوفی (شیخ صالح) کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ ہمارے یہ کرتب تاتاریوں کے یہاں چلتے ہیں شریعت کے مقابلہ میں نہیں چلتے لوگوں نے ان کی بی بات پر طالی اور اس کو دلیل بنا لیا، آخر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ لوہے کے طوق اپنی گردنوں سے اتار دیں اور جو کتاب و سنت کی مخالفت کرے اس کی گردن اڑادی جائے ابن تیمیہ نے اس کے بعد اس مسئلہ پر مستقل رسالہ تصنیف کیا جس میں طریقہ رفاعیہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور ان کے حالات مسلک و تخیلات کا کتاب و سنت سے موازنہ کیا۔

۸۔ رجب کو علماء کی ایک مجلس میں جو نائب السلطنت کی موجودگی میں منعقد ہوئی تھی، ابن تیمیہ کے رسالہ عقیدہ واسطیہ پر بحث ہوئی، اور علماء نے ان سے سوال و جواب کئے، جس کے نتیجے میں فیصلہ ہوا کہ ان کا عقیدہ اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ہے، اور ان کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کے مکان پہنچا دیا گیا، عوام کی ایک بڑی تعداد شمعیں ہاتھوں میں لئے ہوئے ان کے رکاب میں چل رہی تھی، جو اظہار عقیدت کا اس زمانہ میں ایک طریقہ تھا۔

ابن تیمیہ کی مخالفت اور مصر طلبی

دشمن میں ابن تیمیہ کی ایک طرح کی دینی سیادت قائم ہو گئی تھی، وہ اگر دیکھتے تھے کہ حکومت کسی بدعت یا فعل منکر کے روکنے میں تباہی سے کام لے رہی ہے، اور علماء خاموش ہیں تو وہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور خود شرعی احکام کا اجراء کرتے، ان کے ساتھ عقیدت مند تلامذہ اور دستار اور صحیح العقیدہ عوام کی ایک بڑی جماعت تھی، اور ان کا حلقہ اثر بڑھتا جا رہا تھا، اہل علم کی ایک جماعت کو ان کا یہ دینی عروج اور شخصی اثر پسند نہیں آیا، اور ان کو اس میں ان کی خود سری نظر آئی، اس نے ان کے حاسدوں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا، جو ان کے زوال کا متمنی، اور ان کی اہانت کے درپے تھا، ابن کثیر لکھتے ہیں۔

وكان للشيخ تقي الدين من الفقهاء	شیخ تقی الدین ابن تیمیہ سے حسد کرنے والی علماء کی
جماعة يحسدونه لتقدمه	ایک جماعت تھی جس کا باعث ان کا حکومت میں
هند الدولة وانفرادة بالامر بالمعروف	روخ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام کو
والنهي عن المنكر، وطاعة الناس له	تنہا انجام دینا، لوگوں کو ان کے حق میں فرمان برداری
ومحبتهم له وكثرة اتباعه وقيامه	محبت ان کے تابعین کی بڑھتی ہوئی تعداد ان کا

عقیدہ وحدۃ الوجود کی تردید

ادھر کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ عقائد کی بحث دوبارہ چھڑ گئی اور بحث و مباحثہ کی مجلسیں منعقد ہوئیں، اس سبب بڑھ کر یہ تھا کہ وہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے مسلک وحدۃ الوجود کی برتاؤ تردید کرتے تھے، مصر و شام میں ان کے معتقدین و منتسبین کا بہت بڑا گروہ تھا، اور علماء و مشائخ کی ایک بڑی جماعت تھی جو ان کو نہایت بلند پایہ عارف و محقق، امام مشرب توحید اور شیخ اکبر مانتی تھی، ابن تیمیہ کا خیال تھا کہ ان کی تحقیقات و الہامات انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور توحید کی اس تعلیم کے بالکل معارض ہیں، جو ہر پیغمبر نے اپنے وقت میں دی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آخری وضاحت اور تکمیل فرمائی اور جو صاف صاف قرآن و حدیث سے سمجھ میں آتی ہے اور لفظی و معنوی تو اتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے، شیخ محی الدین ابن عربی نے ۶۳۸ھ میں (ابن تیمیہ کی ولادت سے ۲۳ سال پیشتر) وفات پائی تھی، ان کی کتابیں خصوصاً فتوحات مکیہ اور فصوص حکم عام طور پر متداول تھیں اور علمی حلقوں میں وقت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، ابن تیمیہ نے فلسفہ اور تصوف و اشراق کا وقت نظر سے مطالعہ کیا تھا، اور اس سلسلہ میں فتوحات و فصوص کو بھی پڑھا تھا، وہ اپنی کتابوں میں جا بجا ان کتابوں کے اقتباسات نقل کرتے ہیں اور ان کی تردید کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ براہ راست تھا، وہ ان

لہ البدایہ والنہایہ۔ ج ۱۴ ص ۳۱۷ ۱۸ ایک مجلس میں جو ۸ رجب کو نائب السلطنت کے یہاں منعقد ہوئی شیخ کی موجودگی میں

العقیدۃ الواسطیہ پڑھا گیا، اور اس پر بحث ہوئی اس کے بعد دو مجلسوں میں شیخ صفی الدین الہندی اور علامہ کمال الدین ابن

الزمکانی سے بحث و مذاکرہ ہوا، اور ثابت ہوا کہ یہ عقیدہ اہل سنت و جماعت کے خلاف نہیں ہے اور شیخ نہایت عزت و

حرمت کے ساتھ گھر واپس ہوئے جو ام شعلیں ہاتھ میں لئے ہوئے ساتھ تھے (ابن کثیر جلد ۱ ص ۳۶-۳۷)

کتابوں کے مطالعہ سے اس نتیجہ تک پہنچے تھے کہ ان کتابوں کی تعلیمات اور نبوت کی تعلیمات میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں، وہ شیخ ابن عربی کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ابن عربی اور ان کے تبعین کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک ہی ہے، وہ کہتے ہیں، مخلوق کا وجود خالق کا وجود ہے، وہ دو متغائر موجودوں کے قائل نہیں، جن میں سے ایک دوسرے کا خالق ہو، بلکہ کہتے ہیں کہ خالق ہی مخلوق ہے اور مخلوق ہی خالق ہے، وجود میں رب و عبد کی کوئی تفریق نہیں، وہاں نہ کوئی خالق ہے، نہ کوئی مخلوق، نہ کوئی داعی نہ کوئی مجیب، وجود کا جب اعیان پر فیضان ہوا، اور اس نے ان کے اندر ظہور کیا تو اعیان کی حیثیت سے اس میں تنوع اور تفریق پیدا ہوئی، جیسے کہ روشنی مختلف الالوان شیشوں میں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے، اس بنا پر وہ کہتے ہیں کہ گوسالہ پرستوں نے درحقیقت خدا ہی کی پرستش کی تھی، موسیٰ علیہ السلام نے ہارون کو جوڑو کا تھا تو اس بات پر کہ انہوں نے اس گوسالہ پرستی کی (جو دراصل خدا پرستی تھی) اس لئے کہ موجود تو ایک ہی ہے (مخالفت کیوں کی؟ ان کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام ان عارفین میں سے تھے، جو ہر چیز میں حق کا شاہدہ کرتے ہیں، اور اس کو ہر چیز کا عین سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک فرعون اپنے اس دعویٰ میں برسر حق تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ، بلکہ وہ عین حق تھا۔“

صاحبِ فصوص کا کہنا ہے کہ فرعون کو چونکہ (کوئی طور پر) منصبِ حکومت حاصل تھا، اور وہ صاحبِ وقت تھا تو اس نے بجا طور پر ”انا ربکم الاعلیٰ“ کہا اس لئے کہ جب سب کسی نہ کسی نسبت سے ارباب ہیں تو میں ان میں سب سے اعلیٰ ہوں، کیونکہ مجھے ظاہر میں تم پر حکومت کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جاہلوں کو جب فرعون کی صداقت کا علم ہوا تو انہوں نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس کا اعتراف کیا، اور کہا ”اِخْتَصِي مَا اَنْتَ قَاضِيْ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ“

لہذا لا تو م علی مانی کتاب فصوص حکم ص ۱۱۱ ایضاً ص ۱۱۱ لہذا ان سب قوال کو انہوں نے صاحبِ فصوص کی طرف منسوب کیا ہے۔

الحَيَوةَ الدُّنْيَا" (جو تمہیں فیصلہ کرنا ہو کر و تم اس دنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتے ہو) اس لئے
فرعون کا یہ کہنا بالکل بجا تھا کہ "اَنَا رَبُّكُمْ اِلٰهِي" اگرچہ فرعون عین حق پر تھا۔

ابن عربی حضرت نوح علیہ السلام پر تنقید کرتے ہیں اور ان کی کافر قوم کی تصویب و تعظیم جنہوں نے
پتھروں کی پرستش کی وہ کہتے ہیں کہ ان (بت پرستوں نے) درحقیقت الشریہ کی عبادت کی تھی اور
یہ طوفان دراصل معرفت الہی کی طغیانی اور اس کے سمندر کا جوش تھا جس میں وہ غرق ہوئے؟

معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کے زمانہ میں "وحدت وجود" کے عقیدہ میں حد درجہ کا غلو پیدا ہو گیا تھا
اور لوگ اس سلسلہ میں شریعت، عقل و اخلاق کے حدود پھلانگ گئے تھے اور ایک بکرانی کیفیت
پیدا ہو گئی تھی ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

"اس سلسلہ میں ایک جماعت (جس کو علم کلام، فلسفہ اور تصوف سے واقفیت تھی) بہت زیادہ

گمراہ ہوئی ان میں سے ابن سبعین، صدر الدین قونوی (تلمیذ ابن عربی) اور یلیانی اور تلمسانی خاص

طویر قابل ذکر ہیں ان میں تلمسانی اس مسئلہ کے علم و معرفت میں سب سے بڑھا ہوا تھا، وہ مذہب

وحدۃ الوجود کا صرف قائل تھا، بلکہ اس پر عامل بھی تھا، چنانچہ شراب پیتا تھا، اور مخرتا

کا ارتکاب کرتا تھا، (کہ جب موجود ایک ہے تو حلال و حرام کی تفریق کیسی؟)

مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ وہ تلمسانی سے قصوص احکم کا درس لیتے تھے اور اس کو

اولیاء اللہ اور عارفین کا کلام سمجھتے تھے، جب انہوں نے قصوص کو پڑھا اور دیکھا کہ اس کے

لہ الفرقان بین الحق والباطل ۱۲۴ ۲۵ ایضاً ۱۲۴، یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے

شیخ اکبر کی کتابوں اور علوم کے اشتغال رکھنے والوں کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ شیخ کی کتابوں بالخصوص قصوص

میں کثرت سے اکانات اور اضافات کئے گئے ہیں، دمشق میں شیخ احمد ابحارون اسل جو شیخ کے مشاق اور ان کے علوم

حالیہ میں سے تھے بڑے جزم و وثوق سے فرماتے تھے کہ قصوص کا تہائی حصہ یا بیشتر محض اسحاقی و بے اصل ہے۔

مضامین تو قرآن شریف کے صریح مخالف ہیں، تو انہوں نے تلمسانی سے کہا کہ یہ کلام تو قرآن مجید کے مخالف ہے تو اس نے جواب دیا کہ قرآن تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے اس لئے کہ وہ رب و عبد کے درمیان فرق کرتا ہے، توحید تو ہمارے کلام میں ہے، اس کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کشف کے ذریعہ وہ ثابت ہوا ہے، جو صریح عقل کے خلاف ہے۔^۱

ایک شخص نے جو تلمسانی اور اس کے ہم خیال کے ساتھ تھا، مجھے خود سنایا کہ ہمارا اگر ایک مردہ کتے کے پاس سے ہوا جس کو خارش تھی، تلمسانی کے رفیق نے کہا کہ یہ بھی ذات خداوندی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا کوئی چیز اس کی ذات سے خارج ہے، ہاں سب اس کی ذات کے اندر ہیں۔^۲

”بعض لوگوں سے کہا گیا کہ جب وجود ایک ہے تو بیوی کیوں جلال اور ماں کیوں حرام ہے؟ اس محقق نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک سب ایک ہیں، لیکن ان مجہولین نے (جو توحید حقیقی سے نا آشنا ہیں) کہا کہ ماں حرام ہے، ہم نے بھی کہا کہ ہاں تم (مجہولین) پر حرام ہے۔“^۳

شیخ الاسلام نے ۱۲۷۷ھ کو شیخ ابوالفتح نصر المنہجی کو ایک مفصل خط لکھا جس میں انہوں نے ظاہر کیا کہ وہ قائلین وحدۃ الوجود کے ضرر کو راہ خداوندی کے سالکین سے دفع کرنا قریب قریب اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں کہ جتنا تاریخوں کا مقابلہ اور ازالہ، شیخ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ دعوت انبیاء کا مقصد بلکہ خلق و انزال کتب و ارسال رسل کا مقصد یہی ہے کہ دعوت و اطاعت صرف اللہ کی ہو، اِنَّ يَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ اس کا مقصد مخلوقات کو اپنے خالق کی طرف دعوت دینا ہے، ان اتحادیوں نے سالکین کے لئے اس توحید کو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے صحیفے نازل کئے، اور اپنے انبیاء کو مبعوث فرمایا، اس اتحاد کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے، جس کا نام انہوں نے ”توحید“ رکھا ہے، اور اس کی حقیقت صانع (جل مجدہ) کو معطل قرار دینا اور خالق (عز اسمہ) کا انکار ہے، میں ابتداء میں شیخ ابن عربی

۱۔ الفرقان بن اکن والباطل ص ۱۲۵ ۲۔ ایضاً ۳۔ الرد الاقوم علی نصوص الحکم ص ۲۲

کے ساتھ حسن ظن رکھتا تھا، اور ان کی میری نگاہ میں بڑی عزت تھی، اس لئے کہ ان کی تصنیفات فتوحاتِ مکہ "مکہ المحکم المرلوطة الدرّة الفاخرة" مطالع النجوم وغیرہ میں بڑے اچھے علمی فوائد اور نگاہ ملتے تھے، لیکن اس وقت تک مجھے ان کے مقصود کی حقیقت کا علم اور خصوصاً احکم وغیرہ کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا تھا، ہم اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ مذاکرہ اور طلب حق میں مشغول تھے، اور اس کی پیروی کرتے تھے اور حقیقت طریق معلوم کرنا چاہتے تھے، جب حقیقت واضح ہو گئی تو ہم کو اس سلسلہ میں اپنا فریضہ اور کرنے کا کام معلوم ہو گیا، اس عرصہ میں شرق سے معتبر مشائخ تشریف لائے، اور انھوں نے طریقہ اسلامیہ اور دین اسلامی کی حقیقت اور ان لوگوں (ابن عربی، صدر رومی، تلمسانی، ابن سبعین) کی حقیقت حال و ریافت کی تو اس کی شرح و تفصیل ضروری معلوم ہوئی، اسی طرح سے اطرافِ شام سے کچھ مخلص و صادق طالبین و راہلین نے فرمایش کی کہ قائلین و صدۃ الوجود کے اقوال کا خلاصہ اور ان کا مدعا اختصار و جامعیت کے ساتھ لکھا جائے، جناب والا اپنے نور قلب، ذکاوتِ طبع، اخلاص اور اس خیر خواہی کے ساتھ جو اسلام و اہل اسلام اور برادرانِ طریقت کے ساتھ رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں کوئی ایسا قدم اٹھائیں، جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا، دنیا و آخرت میں اس کی مغفرت کی امید و اتق ہو۔

اس کے بعد وہ بڑی تفصیل سے ان عقائد و نظریات اور مذاہب کا جائزہ لیتے ہیں جو اتحاد و حلول کے بارہ میں مسیحی فرقوں (یعقوبیہ، نستوریہ، ملکانیہ) اور بعض مسلمان کہلانے والے فرقوں (روافض اور جہمیہ) کے درمیان شائع و ذائع تھے، نیز اتحاد معین، اتحاد مطلق، حلول معین، حلول مطلق کی تشریح و تفصیل کرتے ہیں اور جو لوگ ان کے قائل ہوئے، ان کا ذکر فرماتے ہیں، اس سے ان کی وسعتِ نظر اور مذاہب سابقہ سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے، پھر شیخ ابن عربی کا مسلک اور تحقیق بڑی ترقیق اور احتیاط کے ساتھ (جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے فتوحات و

فصوص کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا تھا، اور ان کے کلام کا سرا اور کلید ان کے ہاتھ آگئی تھی جس سے ان کے علوم و حقائق کا سمجھنا ان کے لئے آسان ہو گیا تھا) بیان کرتے ہیں، اس سلسلہ میں ان کا اور وحد الوجود کے دوسرے داعیوں کا فرق اور ابن عربی کے قول کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے، اسی کے ساتھ وہ اس کے نتائج اور لوازم فاسدہ بیان کرتے ہیں اور غایت بے تعصبی کے ساتھ ان کو شک احتمال کا پورا حق دیتے ہیں اور ان کے دوسرے اتحادیوں کے درمیان فرق کرتے ہیں، ایک جگہ اسی خط میں لکھتے ہیں:-

لکن ابن عربی اقربہم الی الاسلام وامن	ابن عربی ان لوگوں میں اسلام سے قریب تر ہیں اور
کلامانی مواضع کثیرۃ، فانہ یفرق بین	ان کا کلام بہت سے مقامات پر نسبتاً بہتر ہے اس لئے
للظاهر والظاهر فیرا الامر والنہی	وہ مظاہر اور ظاہر میں فرق کرتے ہیں امر و نہی اور شرائع
والشرائع علی ما ہی علیہ ویامر بالسلوک	واحکام کو اپنی جگہ رکھتے ہیں شرائع نے جن اخلاق و
بکثیر مما امر بہ المشائخ من الاخلاق	عبادات کی تاکید کی ہے ان کو اختیار کرنے کا مشورہ
والعبادات ولہذا اکثر من العباد یاخذون	دیتے ہیں اس لئے بہت عابد و صوفی ان کے کلام
من کلامہ سلوکہم فینتفعون بذالک	سے سلوک کو اخذ کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کے حقائق کو
وان کالوا لا یفقهون حقائقہ ومن	اچھی طرح نہیں سمجھتے، ان میں سے جو ان حقائق کو سمجھ لیتے
فہم ہامنہم ووافقہم قد تبین قولہ	ہیں اور ان کی موافقت کرتے ہیں ان پر ان کے کلام
	کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

وهذا المعانی کلہا ہی قول صاحب	یہ تمام مضامین صاحب فصوص کے اقوال ہیں اللہ تعالیٰ
الفصوص والله تعالیٰ اعلم بما مات	نہی کلام ہے کہ ان کا حاتمہ کس چیز پر ہوا اللہ تعالیٰ

لہ مکتوب شیخ الاسلام بنام شیخ نصر المنجی مندرجہ جلاء العینین ص ۵۵

الرجل عليه والله ينفرد لجميع المسلمين
 والملمات والمؤمنين والمومنات
 الاحياء منهم والاموات ربنا اغفر لنا
 ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان
 ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين امنوا
 ربنا انك رؤوف رحيم^۱

تمام مسلمان مردوں اور عورتوں زندہ و مردہ کی
 مغفرت فرمائے، اے ہمارے پروردگار ہماری اور ہمارے
 ان... بھائیوں کی مغفرت فرمائے جو ہم سے پہلے ایمان
 کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کی
 طرف سے کھوٹ نہ رکھ، اے ہمارے پروردگار تو بڑی
 شفقت والا مہربان ہے۔

پھر صدر رومی کے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "هو ابعده عن الشريعة والاسلام" اس کے
 بعد تلمسانی اور ابن سبعین کی پرزور تردید کرتے ہیں، وہ سب زیادہ ناراض تلمسانی سے ہیں جن کے
 متعلق حمیت دینی میں ان کے قلم سے حسب ذیل الفاظ نکلے ہیں۔

واما الفاجر التلمسانی فهو الخبيث
 القوم واعمقهم في الكفر فانه لا يفرق
 بين الوجود والثبوت كما يفرق ابن
 عربی ولا يفرق بين المطلق والمعین
 كما يفرق الرومی ولكن عندنا ما ثم
 غيره ولا سوى بوجه من الوجود وان
 العبد انما يشهد السوى مادام محجوبا
 فاذا انكشف حجاب رأی انه ما ثم غيره

باقی رہا تلمسانی ناست تو اس گروہ میں اس کی خباثت
 سب سے بڑھی ہوئی تھی اور کفر میں وہ سب گہرا ہے
 اس لئے کہ وہ وجود و ثبوت کے درمیان اس طرح
 بھی فرق نہیں کرتا جس طرح ابن عربی کرتے ہیں اور
 نہ مطلق و معین میں تمیز کرتا ہے جس طرح صدر الدین
 قونوی سے منقول ہے اس کا مسلک تو یہ ہے کہ خدا
 کی ذات سے سوا رو و ماسوا کا وجود ہی نہیں بندہ کو
 اگر ماسوی کا شاہد ہوتا ہے تو محض اس وقت تک

۱۔ کتب شیخ الاسلام بنام شیخ نصر النبی مندرجہ جلاء العینین ص ۵۵ ۲۔ علامہ صدر الدین قونوی ۳۔ ایضاً ص ۵۵

یہ تلمسانی اپنے متقدین کے حلقہ میں العیفت تلمسانی کے لقب سے مشہور ہیں۔

بین الامم ولہذا کان یتمل جمیع
 المحرمات لہ
 جب تک کہ وہ مجبور ہے، جب یہ حجاب ترفع ہو جائیگا تو
 وہ دیکھے گا کہ اسوی کا وجود نہیں اس وقت اس کو حقیقت
 حال کا علم ہوگا، اسی بنا پر یہ لسانی تمام محرکوں کو حلال سمجھاتا تھا۔

آخر میں وہ ایک نکتہ کی بات یہ لکھتے ہیں کہ:-

”فرقہ جہیہ کے متکلمین کسی چیز کی عبادت نہیں کرتے اور اس فرقہ کے متعبدین (شاہیقین عبادت) ہر چیز کی عبادت کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کے متکلم کے دل میں کوئی خدا پرستی اور شوقِ عبادت نہیں، وہ اپنے کو سبلی صفات (صفات عدم و موات) سے موصوف کرتا ہے، لیکن متعبد کے دل میں خدا پرستی اور عبادت کا جذبہ ہے اور قدرتی بات ہے کہ قلب موجود کی طرف مائل ہوتا ہے، معدوم کی طرف نہیں اس لئے اس کو (مجبوراً) مخلوقات کی پرستش کرنی پڑتی ہے، یا تو وجود مطلق کی یا بعض مظاہر کی، جیسے آفتاب، اہتاب، انسان، ثبت وغیرہ، اس طرح اتحادیوں کا قول (وحدۃ الوجود) دنیا کے ہر شرک پر حاوی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل و عامل نہیں بلکہ اس قدر شرک کی توحید کے قائل ہیں جو اس کے اور مخلوقات کے درمیان ہے، اس لئے وہ دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر بتاتے ہیں ”وہم بربہم بیعدلون“ اسی بنا پر ایک معتبر شخص کا بیان ہے کہ ابن سبعین ہندوستان جانے کا ارادہ رکھتا تھا لکھتا تھا کہ اسلام کی سرزمین میں اس کی گنجائش نہیں، ہندوستان کے لوگ چونکہ مشرک ہیں، ہر چیز کی عبادت کرتے ہیں، یہاں تک کہ درختوں اور جانوروں تک کی (اس لئے ان کے ساتھ اچھی گزریے گی) اور یہی اتحادیوں کے قول کی حقیقت ہے، میں ذاتی طور پر کچھ لوگوں کو جانتا ہوں جو فلسفہ اور کلام کے ساتھ اشتغال رکھتے ہیں، وہ انہی اتحادیوں کے طریق پر خدا پرست اور عابد بنتے ہیں، وہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت

بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ ایسا نہیں ہے، ویسا نہیں ہے اور اس کی صفت میں مسلمانوں کی طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ مخلوقات کی طرح نہیں ہے، لیکن خالق کی ان صفات کا انکار کرتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام نے بیان کی ہیں اور جب ان میں سے کسی پر ذوق اور وجد غالب آتا ہے تو اتحادیوں کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ تمام موجودات خدا ہی ہیں، جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کہاں تو وہ نفی (کہ خدا نہ ایسا ویسا) اور کہاں یہ اثبات (کہ سب موجودات خدا ہی ہیں) تو کہنے لگتا ہے کہ وہ میرا وجدان تھا، یہ میرا ذوق ہے، اس گمراہ سے کوئی کہے کہ جو ذوق اور وجد اعتقاد کے مطابق نہ ہو تو ان میں سے ایک یا دونوں باطل ہوں گے، اذواق اور مواجید درحقیقت معارف و اعتقادات کے نتائج ہیں، اس لئے کہ قلب کی معرفت اور اس کا حال دونوں متلازم ہیں، چنانچہ بقدر علم و معرفت کے وجد محبت اور حال ہوتا ہے، یہ لوگ اگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا راستہ اختیار کرتے جنہوں نے الشرحہ لا شریک لہ کی عبادت کا حکم دیا اور اس کی وہی صفات بیان کرتے جو اس نے اپنی خود بیان کیں اور اس کے انبیاء نے بیان کیں اور سابقین اولین کی پیروی اختیار کرتے تو ہدایت کے راستہ پر چلتے اور یقین کی حلاوت اور قلب کی طمانیت ان کو حاصل ہوتی، کسی نے صحیح کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات مفصل اور (جو صفات اس کے لائق نہیں) ان کی نفی مجمل ہے، ان الرسل جاؤا باثبات مفصل و نفی مجمل، بخلاف اس کے بدین اہل تعطیل (جہمیہ و فلاسفہ جن سے اتحادی متاثر ہیں) نفی کے وقت تو خوب تفصیل سے کام لیتے ہیں، اور اثبات کے وقت محض اجمال پر اکتفا کرتے ہیں، قرآن مجید صفات ثبوت سے بھر پڑا ہے اور ان میں بڑی تفصیل ہے، اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ وَهُوَ كِلٰلُ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ

لہ خود امام نے اپنی تصنیفات میں جا بجا یہ بات کہی ہے۔

وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا“ اور نسی کے موقع پر ایک جامع مانع بات یہ کہہ دی "لَيْسَ لِشَيْءٍ

شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ“ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ نَبِيًّا“ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ

وَسَلَّمَ عَلَى الْمُرْسَلِينَ“

اس عقیدہ سے جو اخلاقی فتنہ اور بد نظمی و لاقانونی پھیل رہی تھی اور فساق اہل ہوس نے اس کو جس طرح آڑ بنا لیا تھا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

”اس عقیدہ کے مدعی خواہشاتِ نفس، بوالہوسی اور اعتقادی خرابیوں کے جامع ہیں اور اس کا نتیجہ

کہیں کہیں یہ ظاہر ہوا ہے کہ بعض لوگ رکوں کے عشق میں مبتلا ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں

الشر تعالیٰ کی تجلی ہے اور یہ منظر جمالِ خداوندی ہیں، بعض بعض بوسہ دیتے ہیں اور اپنے محبوب کے کہتے ہیں کہ

تو خدا ہے، بعض لوگ اپنی اولاد پر دست درازی کرتے ہیں اور الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ“

یہ وہ زمانہ تھا کہ الملک ناصر محمد بن قلاؤن برائے نام سلطان تھا، اور امیر رکن الدین بیربنجا شکر

مدار المہام اور سلطنت کے سیاہ سپید کا مالک تھا، جانشکر شیخ نصر المنبجی کا معتقد و مرید تھا، اور ان کو

شیخ ابن عربی سے بغایت اعتقاد تھا، شیخ کے متعلق ابن تیمیہ کے جو خیالات تھے، اور جن کا وہ تقریر اور تحریراً

و فتاویٰ ظاہر کرتے رہتے تھے، اس کی اطلاع مصر پہنچی رہتی تھی، اور یہ شیخ نصر المنبجی کی براہِ رخصتگی کے لئے

کافی وجہ تھی، جانشکر جو عام ترک امراء کی طرح معمولی پڑھا لکھا اور فوجی اور انتظامی قابلیت کا آدمی

تھا، اپنے شیخ کی رائے سے متاثر تھا، اور ابن تیمیہ کے متعلق وہی رائے رکھتا تھا، جو اس کے شیخ کی رائے

تھی، شام سلطنتِ مصر کا ایک صوبہ اور کلیتہً اس کے ماتحت تھا، اور سلطان مصر کو ایسے تمام اشخاص کو

طلب کرنے اور ان کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق تھا، جو اس کی رائے میں ”امن عامہ“ کے لئے مضر یا کسی

”شورش“ کا باعث تھے، عام طور پر اس بارہ میں ذاتی رجحانات یا اہل دربار کی خواہشات کام کرتی تھیں،

اور اس وقت بھی صورت حال یہی تھی کہ مدارالہمام سلطنت کے شیخ و مقتدی نصر المنبجی کو ابن تیمیہ کے کدھنی اور وہ ان کو زک پہنچانا چاہتے تھے۔

ابن تیمیہ مصر میں

یہ حال ۵ رمضان ۷۲۵ھ کو ابن تیمیہ کی طلبی کا فرمان شام پہنچا، ان کے اجاب و تلامذہ کو اس سے بڑی تشویش پیدا ہوئی، نائب السلطنت نے (جو ان کا ہمدرد اور معتقد تھا) ان کو روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ میں سلطان سے خط و کتابت اور معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن ابن تیمیہ کے لئے آادہ تھے، اور انھوں نے کہا کہ مصر کے سفر میں بہت سے مصاح اور منافع پیش نظر ہیں، بالآخر ان کے اجاب معتقدین نے بادیدہ پرم ان کو رخصت کیا، مسالحت کرنے والوں کا بڑا ہجوم تھا، اور لوگ بڑے متاثر تھے۔ دمشق سے چل کر انھوں نے غزہ کی جامع مسجد میں درس دیا، جس میں بڑا اجتماع تھا۔

اسیری و رہائی

۲۲ رمضان کو وہ مصر پہنچے، جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ قلعہ میں ایک بڑی مجلس منعقد ہوئی، جس میں قضاة اور اعیان سلطنت شریک ہوئے، ابن تیمیہ نے وہاں گفتگو کا آغاز کرنا چاہا، لیکن ان کو اجازت نہیں دی گئی، بعض حاضرین نے ان کے عقائد و مسائل پر اعتراضات کئے، انھوں نے جب جواب دینے کے لئے حمد و ثنا کے ساتھ تقریر کا آغاز کیا تو ان سے کہا گیا کہ ہم آپ کا خطبہ سننے کے لئے جمع نہیں ہوئے ہیں، انھوں نے دریافت کیا کہ میرے مقدمہ میں حکم کون ہے؟ کہا گیا کہ قاضی ابن مخلوف مالکی، انھوں نے کہا کہ آپ تو میرے لئے عقائد و مسائل رہی قدیمی کلامی مسائل تھے، جن پر بارہا دمشق میں بحث ہو چکی تھی، اور ابن تیمیہ نے ان پر نقل کتابیں اور رسائل لکھے تھے مثلاً "استواء علی العرش" کی حقیقت، کلام باری کی حقیقت اور حجت و صوت کی بحث، یہ مصر میں ابن تیمیہ کے بڑے حوین اور مقابل تھے۔

حریت اور تہ مقابل ہیں، آپ حکم کیسے بن سکتے ہیں؟ اس پر ان کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے ابن تیمیہ کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا، جس کے نتیجے میں وہ کچھ عرصہ بروج میں قید رہے پھر عید کی رات کو وہ شہر قید خانہ میں جس کو مصر میں "جب" (کنواں) کہتے تھے، اپنے بھائی شرف الدین عبدالشہر اور زین الدین عبدالرحمن کے ساتھ منتقل کر دیئے گئے، اگلے سال (۷۵۸ھ) میں عید کی رات نائب مصر اور بعض قضاة و فقہاء کی طرف سے اس بات کی سلسلہ جنباتی ہوئی کہ ابن تیمیہ کو آزاد کر دیا جائے بعض حاضرین نے یہ شرط کی کہ وہ اپنے بعض عقائد سے رجوع کا اعلان کریں، ابن تیمیہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا پھر مزہب ان کو دعوت دی گئی کہ وہ خود آکر اس مسئلہ پر گفتگو کر لیں، مگر انہوں نے منظور نہیں کیا اور ان کا جواب یہی رہا کہ:

لَا يَتَّبِعُونَ لِحَبِّ آلِي مَعَاذَ عُوْنِي الْيَوْمِ

بنائے اختلاف اور مسلک کی توضیح خود شیخ الاسلام کی زبان سے

خوش قسمتی سے خود شیخ الاسلام کا ایک مستقل رسالہ جس میں انہوں نے مصر کی مجلس مباحثہ، پھر جس اساتذہ کے واقعات، رہائی کی سلسلہ جنباتی اور انکار اور اپنے مسلک کی توضیح خود کی ہے، حال میں شائع ہوا ہے اس رسالہ سے بہت سے نئے اور ضروری حالات پر روشنی پڑتی ہے یہاں اس کے کچھ حصے جتہ اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

"ایک دن میرے پاس داروغہ جیل آیا اور اس نے کہا کہ نائب (مصر) سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

آخر تک جیل میں رہنا ہے؟ کیا نکلنے کا ارادہ نہیں؟ کیا اب بھی آپ اسی بات پر قائم ہیں؟ میں نے

۱۔ اس مجلس کی سرگذشت خود امام ابن تیمیہ نے اپنے ایک کتب میں لکھی ہے جو المحدث کے نام سے حال میں شائع ہوا ہے ۲۔ ابن کثیر ص ۲۵

۳۔ ایضاً ص ۲۵ ۴۔ یہ رسالہ دمشق کے شہر کتب خانہ "الظاہرہ" میں شیخ کے برادر حقیقی اور رفیق زندان شیخ شرف الدین ابن تیمیہ

کے قلم کا لکھا ہوا موجود تھا، ہائے فاضل دوست شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ سابق امام حرم کی حسن مساعی اور شیخ محمد نسیف کے

اہتمام سے وہ چند دوسرے رسائل کے ساتھ شائع ہو گیا ہے جس کا نام "مجموعہ علیہ" ہے۔

خیال کیا کہ اس شخص کی زبانی پیغام بھیجنا مناسب نہیں (کہ معلوم نہیں پوسے طور پر ادا کر پائے یا نہیں؟) تو میں نے اس سے کہا کہ نائٹ صاحب کو سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ بات کیا ہے، مجھے ابھی تک یہی معلوم نہیں کہ میں کس جرم میں قید کیا گیا ہوں اور میرا قصور کیا ہے، نیز اس پیغام کا جواب میں ملازمین کی زبانی نہیں دینا چاہتا، آپ اپنے معتبر لوگوں میں سے چار ایسے شخصوں کو بھیجیں جو سمجھدار بھی ہوں، اور راست گفتار اور امین بھی، تاکہ میں ان سے پوری بے کم و کاست بات کر سکوں، اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ اس قضیہ میں بہت دروغ گوئی اور تحریف سے کام لیا گیا ہے۔

اس کے بعد داروغہ آیا، اور اس کے ساتھ ایک دوسرا شخص تھا، جس کو میں پہچانتا نہیں تھا، لیکن لوگوں نے بیان کیا کہ ان کا نام علاء الدین الطبری ہے، لوگ جو ان سے واقف تھے ان کی تعریف بھی کرتے ہیں، لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صبر و تحمل اور تلخ بات سننے کی قوت عطا فرمائی ہے، اور ادنیٰ مخاطبے بھی میں انصاف کے ساتھ گفتگو کرتا ہوں، چہ جائے کہ حکام اور ذمہ داران حکومت سے، لیکن انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مجھے مطالبہ کے منظور کرنے پر مجبور کرنا چاہتے ہیں، انھوں نے ایک محضر بھی نکالا جس میں خلافت واقعہ اور غلط باتیں لکھی تھیں، اور جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت تھی، میں جب ان کو اس کا جواب دیتا، اور پیغام سپرد کرتا، تو وہ کچھ سننے کے لئے تیار نہ ہوتے، اور اسی پر اصرار کرتے کہ میں اس مطالبہ کو منظور کر لوں اور وعدہ کروں کہ پھر اپنے مسلک کی طرف رجوع نہ کروں گا (اگرچہ قرآن و حدیث میں مباحثہ میں رفیق و لیلین کا حکم ہے، مگر جب ظلم کیا جائے تو شدت اور خودداری کا بھی حکم ہے) میں نے سلسلہء کلام میں ان سے کہا کہ اس معاملہ میں مجھے فیصلہ کا حق نہیں، یہ معاملہ اللہ اور رسول اور تمام عالم کے مسلمانوں کا ہے، مجھے اللہ کے دین کے تغیر و تبدل

کا اختیار نہیں اور میں تمہاری اور کسی دوسرے کی وجہ سے دین اسلام سے ہٹ نہیں سکتا، اور نہ کذب و بہتان کا اقرار کر سکتا ہوں۔

جب میں نے دیکھا کہ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں تو میں نے سختی سے بات کی اور میں نے کہا کہ یہ فضول باتیں چھوڑو اور جاؤ اپنا کام کرو، میں تم سے اس کی درخواست نہیں کی تھی کہ تم مجھے جیل سے نکالو، اس وقت اوپر کا دروازہ بند تھا، میں نے کہا کہ دروازہ کھولو، میں جاتا ہوں گویا گفتگو ختم ہے۔

میں نے قاصد سے کہا تھا کہ میں نے ان مسائل میں جو کچھ لکھا یا کہا ہے، وہ ہمیشہ سوال و راستفتاء کے جواب میں تھا، میں نے کسی سے اس مسئلہ پر ابتداء مرسلت نہیں کی، نہ کسی کو از خود مخاطب بنایا، ایک طالب حق میرے پاس آتا ہے اور بار بار مجھ سے سوال کرتا ہے، کیا از روئے دین اس کی

گنجائش ہے کہ میں کتمان حق سے کام لوں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من سئل عن علم یعلمہ فکتہ أجمہ احلہ یوم القیامۃ بلجام من النار، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ

أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعِينُونَ، کیا میں تمہارے کہنے سے طالب حق کے جواب دینے

سے احتراز کروں تاکہ میرا انجام وہ ہو (جو آیت میں بیان کیا گیا ہے) کیا سلطان مجھ کو اس کا

حکم دیتے ہیں، یا کوئی اور مسلمان لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ تم ان بے اصل باتوں کی بنا پر جو تم تک

پہنچی ہیں، بادشاہ کے حکم کو آڑ بنانا چاہتے ہو۔

۱۔ جس شخص سے (دین کی) کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا اس کو علم ہے اور وہ اس کو ظاہر نہ کرے اور کتمان سے

کام لے، اللہ تعالیٰ اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالے گا۔

۲۔ جسک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو جو ہم نے نازل کر دیا ہے، اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو لوگوں

کے لئے کتاب میں بیان کر دیا، یہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں (سورہ بقرہ - ۱۵۹)۔

اس پر قاصد نے کہا کہ جناب والا! بادشاہ کا نام تو درمیان میں نہ لائیے کوئی بادشاہ کی شان میں گفتگو نہیں کرتا! میں نے کہا کہ جی ہاں اس وقت کوئی بھی بادشاہ کے معاملہ میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کرتا، یہ فتنہ اسی وجہ سے ہوا ہے یہ ہم نے شام ہی میں سن لیا تھا کہ یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ بادشاہ پر حرف زنی کی گئی ہے اور ان کو الزام لگایا گیا ہے، لیکن ہم سمجھتے تھے کہ کوئی بھی اس کو باور نہیں کرے گا۔

میں نے اس سے کہا کہ اس معاملہ کا نقصان مجھ پر عائد نہیں ہوگا، مجھے کس بات کا اندیشہ ہو سکتا ہے اگر میں اس مقدمہ میں قتل کر دیا گیا تو میں بڑے درجہ کی شہادت پاؤں گا، اور یہ میرے حق میں ایک بڑی سعادت ہوگی، قیامت میں مجھے راضی کیا جائے گا، اور جو لوگ اس میں ساعی بنیں گے، قیامت تک وہ لعنت کے مستحق ہوں گے، اس لئے کہ ساری امتِ محمدی کو معلوم ہے کہ میں حق پر مارا جا رہا ہوں جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا، اور اگر میں مجبوس کر دیا گیا تو خدا کی قسم میرا مجبوس ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم ترین نعمت ہوگی اور مجھے کسی ایسی چیز کا بھی خوف نہیں جو لوگ مجھ سے چھین لیں گے، نہ کسی مدرسہ کی صدر مدرس یا اہتمام نہ کوئی جائداد نہ دولت نہ حکومت اور عہدہ اور نہ کوئی اور چیز، لیکن اس معاملہ کا ضرر تمہیں پر عائد ہوگا، اس لئے کہ جن لوگوں نے اس معاملہ میں شام میں بیٹھ کر ریشہ دوانی کی ہے میں جانتا ہوں کہ ان کا مقصود تمہارے خلاف سازش کرنا اور تمہارے دین و حکومت کو نقصان پہنچانا ہے، ان میں سے بعض تاتاریوں کے ملک میں گئے اور بعض اب بھی وہاں مقیم ہیں، انہی لوگوں نے تمہارے دین و دنیا کے بگاڑنے کا ارادہ کیا ہے اور مجھے محض آڑ بنا یا ہے اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ میں تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں اور تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا ہوں، اس معاملہ میں بہت سی باتیں ابھی تک سرسبزہ راز ہیں، وہ اپنے وقت پر منکشف

ہوں گی، ورنہ میرے اور مصر میں کسی کے درمیان نہ کوئی عداوت تھی، نہ مخالفت اور میں ہمیشہ سے اہل مصر کا محب اور ان کے اور ان کے حکام کا اور علماء کا حامی اور دوست رہا ہوں۔

اس نے کہا کہ میں نائب السلطان کو کیا جا کر جواب دوں؟

میں نے کہا کہ سلام کہنا اور پورا پیغام پہنچا دینا۔

اس نے کہا کہ آپ نے تو بہت سی باتیں کہی ہیں!

میں نے کہا کہ خلاصہ یہ ہے کہ اس محضر میں جو کچھ ہے اس کا بڑا حصہ جھوٹ ہے۔

البتہ یہ جملہ استوی حقیقہ (ضروری میں نے کہا ہے) اور مالکی اور غیر مالکی علماء میں سے

متعدد نے لکھا ہے کہ اس پر اہل سنت و اجماعت کا اجماع ہے اور اس کا سلف اور اس مرتبے

پیشواؤں اور اکابر علماء میں سے کسی نے انکار نہیں کیا، بلکہ میرے علم میں تو کسی عالم نے بھی

اس کا انکار نہیں کیا ہے تو میں ایسے اجماعی عقیدہ کو جس کا کسی عالم نے انکار نہیں کیا ہے کیسے

چھوڑ دوں؟ علامہ ابو عمر ابن عبد البر کہتے ہیں: "اہل السنة مجمعون علی الاقرار بالصفا

الواردة کلھا فی القرآن والسنة والایمان بہا وحملھا علی الحقیقۃ لا علی المجاز

الا انہم لا یکیفون شیئا من ذلك ولا یجدون فیہ صفة محصورة، واما اهل البدع

الجمعیۃ والمعتزلة کلھا والنحوایج فکلہم ینکرھا، ولا یحمل شیئا منھا علی الحقیقۃ

ویزعمون ان من اقربھا مشبہة وعند من اقربھا ناقون للمعبود، والحق

فیما قالہ القائلون بما نطق بہ کتاب اللہ وسنة رسوله وهم ائمة الجماعۃ؛

الشیخ العارون ابو محمد عبدالقادر گیلانی "تغذیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں: "وہو بجهة العلو مستو

علی العرش محتوی علی السلاک محیط علمہ بالاشیاء" آگے فرماتے ہیں: "ولا یجوز وصفہ بانہ

فی کل مکان بل یقال انہ فی السماء علی العرش کما قال الرحمن علی العرش استوی"

وینبغی لطلاق صفة الاستواء من غیر تاویل وانا استواء الذات علی العرش^{لہ}۔

ابن مخلوف (تاویل سے) جس عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں، وہ خود امام مالکان کے ائمہ اصحاب اور ابوالحسن اشعری اور ان کے ائمہ اصحاب کے نصوص کے خلاف ہے، ان سب نے اسی کی تصریح کی ہے جو ہم کہتے ہیں، اسی بنا پر حنابلہ اور اشعریہ کی مصالحت ہو گئی اور لوگوں کا اتفاق ہوا جب حنابلہ نے ابوالحسن اشعری کا قول دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یہ شیخ الموفق^ہ کے قول سے بہتر ہے اور اس طرح دونوں کے کیے نکل گئے اور فقہاء شافعیہ وغیرہ کی زبان سے نکلا کہ احمد شرعی اتفاق کلمۃ المسلمین۔

میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہود مستوی علی العرش حقیقۃ بذاتہ بلا تکلیف ولا تشبیہ، اس نے کہا کہ اس کو آپ لکھ دیجئے اور اسی کی پابندی کیجئے، میں نے کہا کہ وہ انہی نطقوں میں اس عقیدہ میں لکھا ہوا ہے جو تمہارے پاس موجود ہے اور اس پر دمشق میں بحث ہو چکی ہے اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اب میں اس میں کیا اضافہ کروں؟

میں نے اس سے کہا کہ میں نے پچاس کتابوں سے زیادہ مہیا کی ہیں جو تمام ترجمین، صوفیہ، متکلمین اور فقہاء مذاہب اربعہ کی کتابیں ہیں، سب میری مؤید ہیں اور میں اپنے مخالفین کو تین سال کی مہلت دیتا ہوں کہ اس کے خلاف ایک حرف بھی ائمہ اسلام سے ثابت کر دیں، اب میں کیا کروں۔ جب طبرسی چلے گئے تو کچھ دیر کے بعد داروغہ آیا اور اس نے کہا کہ نائب سلطان آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں آپ اپنے قلم سے اپنا عقیدہ لکھ دیجئے، میں نے کہا کہ نائب صاحب کو سلام کہو اور میری طرف سے عرض کرو کہ اگر میں اس وقت کچھ لکھوں گا تو کہنے والا کہے گا کہ شیخ نے اپنے عقیدہ سابق میں کمی زیادتی کی یا اپنا عقیدہ بدل دیا، اسی طرح جب دمشق میں انہوں نے عقیدہ کی تحریر کا مطالبہ کیا

لہ شیخ نے اس موقع پر اس مضمون کی تائید میں اکابر علماء مذاہب اربعہ کی بہت سی نقول نقل کی ہیں، ان میں سے یہاں انہی دونوں

نقلوں پر اکتفا کی گئی۔ لہ شیخ موفق الدین ابن قدامہ حنبلہ میں تاویل کی طرف ہے۔

تو میں نے وہی چیز پیش کی جو پہلے لکھی جا چکی تھی میں نے کہا کہ یہی وہ عقیدہ ہے جو شام کی تینوں مجلسوں میں پڑھا جا چکا ہے اور نائٹ شام سرکاری ڈاک کے ساتھ اس کو بھیج چکا ہے اور یہ سب تحریریں آپ کے پاس موجود ہیں اور عقیدہ کوئی ایسی چیز نہیں جو میں اپنی طرف سے ایجاد کروں یہاں تک کہ روزانہ ایک نئے عقیدہ کا اعلان کروں میرا عقیدہ وہی ہے جس کا پہلے اظہار کر چکا اور تحریر وہی ہے جو آپ کے پاس موجود ہے آپ اس کو دیکھ لیجئے۔

وہ واپس گیا اور پھر آیا اور کہا کہ آپ اپنے قلم سے کچھ لکھ دیجئے میں نے کہا کہ میں کیا لکھ دوں؟ اس نے کہا کہ مثلاً معافی نامہ اور یہ کہ آپ کسی سے تعرض نہ کریں گے میں نے کہا کہ ہاں مجھے یہ منظور ہے کسی کو ایذا پہنچانا میرا مقصود نہیں نہ کسی سے انتقام لینا چاہتا ہوں نہ کسی سے دارو گیر کرنے کا ارادہ ہے اور میں ہر اس شخص کو معاف کرتا ہوں جس نے میرے ساتھ زیادتی کی میں نے یہ لکھ دینا چاہا پھر میں نے کہا کہ اس کے لکھنے کا دستور نہیں اس لئے کہ انسان کا اپنے حق کو معاف کر دینا کسی تحریر کا محتاج نہیں ہے۔

شیخ نصر المنبجی کو اس حقیقت حال کی اطلاع ضرور کر دینی چاہئے تاکہ اپنی تدبیر سے کچھ اس کی اصلاح اور انتظام کریں میرا مقصود محض الشرا و اس کے رسول کی اطاعت ہے جس چیز کا اصل خطرہ ہے وہ یہ کہ اہل مصر کے آپس کے اختلافات اور ایک دوسرے کے بارہ میں ان کے اقوال سے کہیں فساد نہ برپا ہو جیسا کہ ابھی تک دیکھنے میں آیا ہے اور شام میں جو کچھ ہوا وہ آپ کو معلوم ہے حالانکہ شام میں اتفاق کی صورت مصر سے زیادہ ہے اور میں بخدا فساد کی آگ بجھانے میں (خواہ مصر میں ہو خواہ کہیں اور) احانت کرنے میں سب سے پیش پیش رہوں گا اور خیر کے قائم کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہوں گا اور ابن مخلوت خواہ میرے ساتھ کیسا سلوک کریں میں حتی الامکان ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کو نفع پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں کروں گا اور ان کے دشمن کی ان کے مقابلہ میں کبھی مدد نہیں کروں گا اور اصل بہارا اور مدد الشریک ہے یہی میری نیت اور میرا عزم ہے حالانکہ میں تمام امور اور حالات سے واقف ہوں

لیکن مجھے علم ہے کہ شیطان مومنین کے دلوں میں فساد ڈال دیتا ہے اور میں اپنے مسلمان بھائیوں کے مقابلہ میں کبھی شیطان کا معاون نہیں بنوں گا۔

یہ چکر اور یہ پریشانی اسی طرح رفع ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور اس سے استغفار اور توبہ کی جائے اور سچے دل سے اس کی پناہ لی جائے، خانہ سبحانہ لاملجاً منہ الاالیہ

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ

باقی رہا استغاثہ کا مسئلہ تو تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے اور دین اسلام کا یہ بیڑی اور قطعی مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت، کسی سے دعا، اور کسی سے استغاثہ اور کسی پر توکل جائز نہیں اور یہ کہ جس نے کسی مقرب فرشتہ یا مبعوث پیغمبر کی عبادت کی یا اس سے دعا کی یا اس سے استغاثہ کیا، تو وہ مشرک ہے کسی مسلمان کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ یہ کہے کہ اے جبریل، اے میکائیل، اے ابراہیم، اے موسیٰ یا رسول اللہ میری مغفرت فرمائیے یا مجھ پر رحم کیجئے یا مجھے رزق دیجئے یا میری مدد فرمائیے یا میری فریاد سنئے یا میرے دشمن سے مجھے پناہ دیجئے اور اسی طرح کی باتیں بلکہ یہ سب خصائص الوہیت ہیں اور بڑے اہم اور مشہور مسائل ہیں جن کی علماء تشریح کر چکے ہیں اور انشاء اللہ رسول کے حدود اور حقوق میں فرق بیان کر چکے ہیں یہ اصول اسلام میں سے ہے تو اگر قاصد (ابن مخلوف) دین اسلام اور دین نصاریٰ میں امتیاز نہ کر سکتے ہوں جو حضرت مسیح اور ان کی والدہ محترمہ سے دعا کرتے ہیں تو پھر میں کیا کروں، لیکن جو سیدہ نفیسہؓ کو رب بنائے اور کہے کہ وہ خود فرزند کو پناہ دیتی ہیں اور مصیبت زدہ کی فریاد سنتی ہیں اور مدد کرتی ہیں اور وہ ان کے دامن عاطفت اور وہماہمت میں ہے اور ان کا سجدہ کرتا ہے اور ان سے گریہ و زاری کے ساتھ ایسی ہی دعا کرتا ہے جیسے کہ

لہ اس وقت پر شیخ نے اس معنوں کی آیات و احادیث جمع کر دی ہیں، ملاحظہ ہو رسالہ المحنتہ شامل رسالہ مجموعہ علیہ ص ۶۲۔

یہ سیدہ نفیسہ اہل بیت رسول میں سے ہیں اور ان کی قبر قاہرہ میں ہے جس کی عوام بڑی تعظیم کرتے ہیں۔

رب السموات والارض سے دعا کرنے میں گڑ گڑاتا ہے اور ایسے زندہ پھر و سہ کرتا ہے جس کا انتقال ہو گیا ہے اور اس زندہ پھر و سہ نہیں کرتا، جو ہمیشہ زندہ رہے گا، اور جس کو فنا نہیں تو اس میں شک نہیں کہ ایسی ہستی کو شریک کرنا جو سیدہ نفیسہ سے افضل ہے ان کو شریک کرنے سے زیادہ قوی ہوگا۔

باقی رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) مثلاً آپ کی محبت کا اپنے نفس، متعلقین اور مال پر مقدم رکھنا، اور آپ کی تعظیم و توقیر اور احترام و عظمت اور اتباع و اطاعت اور آپ کی سنت کی پیروی وغیرہ وغیرہ تو وہ بڑے عظیم الشان ہیں اسی طرح سے دعائیں آپ کے وسیلہ بنانا مستحسن ہے، باقی آپ سے دعا اور آپ سے استغاثہ (آپ کی دہائی دینا) تو وہ حرام ہے، میں نے اس موضوع (حقوق رسول) پر ایک کتاب الصائم المسلمو علی شاتمہ الرسول تصنیف کی ہے جس میں اس مسئلہ کی ایسی تحقیقات اور تفصیلات ہیں کہ میرے علم میں اس سے پہلے کسی تصنیف میں نہیں ملتیں، اسی طرح سے ان اصول و قواعد ایمان کے بارہ میں بہت سے مضامین اور رسائل لکھے چکا ہوں جو دین کے بارہ میں مفید ترین چیزیں ہیں۔

شیخ (نصر) کی اطلاع میں یہ بات آجانی چاہئے کہ مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ معاملہ کہیں ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائے اور بے قابو نہ ہو جائے اور کوئی ایسی بات نہ پیش آئے جس کا نقصان ان کو اور ابن مخلوف وغیرہ کو برداشت کرنا پڑے، اس لئے کہ مجھ سے ایسی بات کی فرمائش کی گئی ہے جو اس نقصان کا سبب بن سکتی ہے میں نے اس کو منظور نہیں کیا، اس لئے کہ میں ان کا مخلص ہوں، واللہ میں نے ان کے ساتھ کبھی فریب نہیں کیا، اگر فریب کیا ہوتا تو اس بات کا اظہار نہ کرتا کہ مجھ سے ایسی بات کی فرمائش کی جا رہی ہے جس میں ان کا نقصان ہے، میں ان دونوں کا نیکی اور خدا ترسی کے کام پر معاون ہوں۔

آپ یہ بھی ان سے کہہ دیجئے کہ وہ بنیاد جس پر معاملات درست ہو سکتے ہیں یہ ہے کہ ہر شخص

لے اس موقع پر شیخ نے توحید کی آیات و احادیث نقل کی ہیں، ملاحظہ ہو المجلد ۶۳

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور (رمضان کے) اس مبارک عشرہ میں توبہ کرے، جب قلوب اور اندرون درست ہو جائیں گے تو ظواہر خود بخود درست ہو جائیں گے اِنَّ اَحْلَهٗ مَعَ الذِّیْنِ اتَّقَوْا الذِّیْنِ هُمْ مَحْسُوْبٌ

جیل کے اندر اصلاح و تعلیم اور اس کے اثرات

صاحب الکواکب الدریہ شیخ الاسلام کے معاصر اور رفیقِ درس شیخ علم الدین البرزالی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

”شیخ جب محبس میں پہنچے تو دیکھا کہ قیدی لہو و لعب اور تقریحات میں مشغول ہیں اور اسی طرح اپنا دل بہلاتے اور وقت کاٹتے ہیں، شطرنج، چومس و غیرہ کا زور ہے، نمازیں بے تکلف قضا ہوتی ہیں، شیخ نے اس پر اعتراض کیا، اور قیدیوں کی نماز کی پابندی اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اعمالِ صالحہ، تسبیح و استغفار اور دعا کی طرف متوجہ کیا اور سنت کی تعلیم اور اعمالِ خیر کی ترغیب شروع کر دی یہاں تک کہ علم و دین کی ایسی مشغولیت شروع ہو گئی کہ جیل خانہ بہت سی خانقاہوں اور مدارس سے زیادہ بار و تلق اور بابرکت نظر آنے لگا، لوگوں کو ان کی ذات سے ایسا تعلق اور جیل کی اس دینی و علمی زندگی سے ایسی دلچسپی ہو گئی کہ بہت سے قیدی رہائی پانے کے بعد بھی ان کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے، اور انہی کی خدمت میں رہنا پسند کرتے تھے“

چار مہینے کے بعد (۱۴ صفر ۱۰۸۷ھ) کو دوبارہ ان کی رہائی کی کوشش کی گئی، قاضی القضا بدر الدین بن جہاہ نے خود ان سے ملاقات کی، اور دیر تک گفتگو رہی، لیکن وہ نکلنے پر رضامند نہ ہوئے، بالآخر ۱۳ ربیع الاول کو امیر حجام الدین مہنا بن علی ملک العرب نے جیل خانہ گئے، اور شیخ کو قسم دی

لہ الکواکب الدریہ ص ۱۸۱ امیر حجام الدین عربی النسل امراء کے خاندان کے فرد اور شام کے ایک بڑے ذی وجاہت اور (باقی صفحہ پر)

اور اپنے ساتھ نائب مصر کے مکان پر لائے، امیر حسام الدین ان کو اپنے ساتھ دمشق لیجانا چاہتے تھے، لیکن نائب السلطنت نے مشورہ دیا کہ شیخ ابھی کچھ روز مصر میں قیام فرمائیں تاکہ لوگوں کو ان کے عام و فضل کا اندازہ ہو اور ان سے استفادہ کریں۔

ابن تیمیہ کی اخلاقی بلندی

اس عرصہ میں ابن تیمیہ کی سیرت کی بلندی اور نمایاں ہوئی، انھوں نے کسی طاقت کے سامنے گردن نہیں خم کی اور نہ کسی دنیاوی ترغیب یا مالی منفعت سے ان کا دامن داغدار ہوا، انھوں نے سلطانی خلعت اور عطا پائے سلطانی کے قبول کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا۔

ان کا دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے جیل سے باہر آتے ہی اپنے تمام مخالفین کو اور ان تمام لوگوں کو جنھوں نے ایذا رسانی کی کوشش کی تھی، بلا استثناء معاف کر دیا، اور اس کا صاف اعلان کر دیا کہ ان کو کسی سے کوئی شکایت نہیں اور نہ وہ کسی سے مواخذہ کریں گے، اپنی رہائی کے بعد انھوں نے شام جو خط لکھا تھا، اس میں فرماتے ہیں:-

الشر تملأ آسپی راضی ہو آپ کو معلوم ہے کہ میں

نہیں چاہتا کہ عامہ مسلمین میں سے کسی کو بھی ایذا

پہنچے کسی طرح کی بھی ظاہری یا باطنی، چہ جائے کہ

یہ پسند کروں کہ ہمارے احباب (علماء و اہل دین)

نعلمون رضى الله عنكم انى للاحب

ان یوذی احد من عموم المسلمین

فضلا عن امما بنا شیء اصلا لا ظاهرا

او باطنا، ولا عندی غیب علی احد

(باقی صفحہ کا) طاقت و درجہ میں تھے، شامی ہونے کی وجہ سے وہ ابن تیمیہ کے مجاہدانہ کارناموں اور اصلاحی کوششوں سے نسبت مصریوں کے زیادہ واقف تھے، اس لئے انھوں نے ابن تیمیہ کی رہائی میں خاص دلچسپی لی، ان کے خلوص و علو خاندان اور سیرت پسندی کی وجہ سے ابن تیمیہ نے بھی ان کی پیشکش قبول کی اور جیل سے باہر آنے پر آمادہ ہو گئے۔

منہم ولا یوم اصلاً بل لہم عندی من
الکرامۃ والاجلال والمحبۃ اضعاف
ماکان، کل بحسبہ ولا یغلو الرجل اما
ان یكون مجتہداً، او مخطئاً، او مذنباً،
فالاول ماجور مشکور، والثانی مع اجر
علی الاجتہاد معفو عنہ، والثالث فانہ
یفقر لنا ولہ ولسائر المؤمنین۔

کو میری وجہ سے کوئی ایذا پہنچے مجھے نہ کسی سے
تذکارت ہے نہ کسی پر طاعت بلکہ واقعہ یہ ہے کہ
ان کی عزت و عظمت اور محبت میرے دل میں
پہلے سے کئی گنا زیادہ ہے، اور وہ ہر ایک مرتبہ کے
مطابق انسان (کسی شخص کے ساتھ اختلاف و
نزاع کرنے میں) یا تو مجتہد ہوتا ہے یا غلط کار
یا گنہگار، مجتہد تو ثواب اور شکر دینوں کا مستحق
ہے، غلط کار قابل معافی ہے، گنہگار تو اللہ
ہماری اس کی اور تمام مومنین کی مغفرت فرمائے۔

لا اہب ان ینتصر من احد بسبب
کذ بہ علی او ظلمہ او وعد وانہ فانی
قد املت کل مسلم، وانا الصاب الخیر
لکل المسلمین، وارید لکل مؤمن من
الخیر ما ارید لہ لنفسی والذین کذبوا
وظلموا ہم فی حل من جہتی۔

میں نہیں چاہتا کہ کسی شخص سے اس وجہ سے
انتقام لیا جائے کہ اس نے مجھ پر بہتان باندھا تھا
یا ظلم یا زیادتی کی، اس لئے کہ میں نے ہر مسلمان کو سزا
کر دیا ہے اور میں تمام مسلمانوں کے لئے بھلائی
چاہتا ہوں، اور ہر مومن کے لئے اسی چیز کا طالب
ہوں جس کا اپنے لئے، وہ تمام لوگ جو جھوٹ
بولے اور جنہوں نے ظلم کیا، وہ میری طرف
سے بری الذمہ اور آزاد ہیں، میری طرف
سے کوئی مواخذہ نہیں۔

درس و افادہ

جیل سے آنے کے بعد ابن تیمیہ درس و افادہ میں مشغول ہو گئے، مصر کی فضا ان کے لئے ابھی سازگار نہ تھی، علماء و قضاۃ نے ان کے متعلق مختلف قسم کی غلط فہمیاں پھیلا رکھی تھیں، گروہ صوفیہ بھی (جس میں توحید و جود کی کا ذوق اچھا خاصا پایا جاتا تھا) ان سے بدگمان اور آزرده تھا، مذاہب اربعہ میں سے صرف حنبلی اور عقائد میں سے صرف "عقیدہ سلف" کی وکالت اور نائندگی کے لئے ملک میں کوئی طاقتور اور موثر شخصیت موجود نہ تھی اور نہ دوسرے مذاہب کے بڑے قاضی اور عالم موجود تھے، ان سب وجوہ کی بنا پر ابن تیمیہ نے مصر میں کچھ عرصہ قیام اور درس و افادہ عام کا ارادہ کر لیا، اور ان کے باقاعدہ اور بے قاعدہ درس اور مجالس شروع ہو گئیں، خالص علمی اور کلامی مسائل پر انہوں نے قاہرہ کے مشہور مدارس بالخصوص صالحیہ میں کئی درس دیئے جن سے خواص نے فائدہ اٹھایا اور ان کے اصلی خیالات و عقائد سے واقف ہوئے۔

اس درس و افادہ کا سلسلہ سچھ مہینے جاری رہا، جس سے عوام و خواص نے دینی و علمی فائدہ اٹھایا اور عام طور پر لوگ ان کے خلوص، غیر معمولی ذہن و دماغ اور علمی کمالات کے گرویدہ ہوئے۔

ابن تیمیہ کا خط والدہ کے نام

ابن تیمیہ کا مصر آنا اچانک ہوا تھا، اور یہ اندازہ نہ تھا کہ ان کو یہاں اتنے عرصہ قیام کرنا ہوگا، ان کی والدہ اور سارا کنبہ شام میں تھا، جو ان کی بخیریت واپسی کے لئے چشم براہ تھا، ابن تیمیہ نے دینی مصالح کے پیش نظر جب کچھ عرصہ مصر میں قیام کا فیصلہ کیا تو انہوں نے والدہ محترمہ کو اس ارادہ کی

لے اتفاق سے اس وقت قاضی حنبلی بہت محدود علم و نم کے آدمی تھے اور ان کی وجہ سے خرابیہ کا پہلو بہت کمزور تھا۔
(ملاحظہ ہو ابن کثیر مشرق ص ۱۴)

اطلاع دی اور ان سے اجازت طلب کی، یہ خط لطیف جذبات، پاک محبت، فرزندانہ سعادت مندی اور مردانہ حوصلہ مندی اور اولوالعزمی کا آئینہ ہے اور بے ساختہ اور بے تکلف زبان میں لکھا گیا ہے اس لئے پورا نقل کرنے کے قابل ہے، وہ لکھتے ہیں:-

من احمد بن تیمیۃ الی الوالدۃ السیّدۃ
 اقرّ الله عینہا بنعمہ واسبح علیہا
 احمد بن تیمیہ کی جانب سے مخدومہ والدہ صاحبہ کی
 خدمت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے ان کی
 آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور ان کو اپنے احسانات سے
 مالا مال فرمائے اور ان کو اپنی مقبول بندگیوں
 میں شامل فرمائے۔

سلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
 انا محمد الیکم اللہ الذی لا الہ الاہو
 وہو لحمد اہل، وہو علی کل شیء
 قدیر، ونسألہ ان یصلی علی خاتم
 النبیین وامام المتقین محمد عبیدہ
 ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی
 آلہ وسلم تسلیماً۔

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، اس خدائے پاک
 کا شکر گزار ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور
 وہ لائق حمد و تائیس ہے اور ہر چیز پر قادر ہے
 اللہ تعالیٰ کا درود و سلام اپنے رسول اور بندہ
 خاص جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
 گرامی پر جو خاتم النبیین، امام المتقین ہیں اور ان کے
 آل پر۔

کتابی الیکم من نعم من اللہ عظیمۃ
 ومن کریمۃ والآجیبۃ نشکرا اللہ
 علیہا ونسألہ المزید عن فضلہ ونعم
 اللہ کما جاءت فی نہو وازدیاد

میں یہ عظیمہ آپ کی خدمت میں لکھ رہا ہوں اور
 حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر بڑی نعمتیں
 بڑے انعامات اور بڑے عظیم الشان عطیے پانا ہوں
 جن پر اس کی بارگاہ میں شکر گزار اور مزید کا

وایادیه جلت عن التعداد وتعلمون
 ان مقامنا الساعة في هذه البلاد
 انما هو لامور ضرورية متي اعملناها
 فسد علينا أمر الدين والدنيا ولنا
 والله مختارين للبعد عنكم ولو حملنا
 الطيور لسرنا اليكم ولكن الغائب
 عذرة معه وانتم لو اطلعتم على
 باطن الامور فانكم والله الحمد
 ماتختارون الساعة الا ذلك، ولکم
 نعزم على المقام والاستيطان شهراً
 واحداً ابل كل يوم نتخیر الله ولکم
 وادعوا لنا بالخيرة فنسأل الله
 العظيم ان یخیر لنا وللمسلمین ما فیہ
 الخیرة فی خیر وعافیة۔

طلب گارہوں، اللہ کی نعمتیں روز افزوں اور
 اس کے احسانات لائندہ ہیں، آپ کی اطلاع
 کے لئے لکھ رہا ہوں کہ اس وقت ہمارا مصر میں
 قیام چند ایسے ضروری امور کی بنا پر ہے کہ اگر
 ہم ان سے غفلت برتیں تو دین و دنیا کی خرابی
 اور نقصان کا اندیشہ ہے، خدا کی قسم ہم اپنے
 اختیار اور خواہش سے یہاں ٹھہرے ہوئے
 نہیں ہیں اور ہم نے آپ سے دوری خود اختیار
 نہیں کی ہے (اپنے جذبہ اور شوق کا حال
 تو یہ ہے کہ) جی چاہتا ہے کہ پر لگ جائیں اور
 ہم اگر آپ کے پاس پہنچ جائیں لیکن دور افتادہ
 کا صحیح صحیح حال اور اس کی معذوری سمجھ میں نہیں
 آسکتی، وہ اپنے حالات تو خود ہی جانتا ہے
 اگر آپ کو حقیقت حال معلوم ہو جائے تو آپ
 بھی (اپنے دینی شوق اور بلند ہمتی کی بنا پر) یہی
 فیصلہ کریں گی کہ اس وقت میرا مصر میں
 ٹھہرنا ان سب سے بہتر ہے، جہاں تک ہمارے ارادہ کا
 تعلق ہے ہم نے ایک ہیبت بھی مصر میں قیام
 کرنے اور سکونت اختیار کرنے کا کبھی عزم نہیں کیا،

بلکہ ہم روزانہ اپنے اور آپ کے لئے الشریعہ خیر کی

دعا کرتے رہتے ہیں آپ بھی ہم سے لئے اس کی دعا

کیجئے کہ اللہ تعالیٰ خیر مقدر کرے اور اسی چیز کا

فیصلہ فرمائے جو ہمارے حق میں بہتر ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے خیر و رحمت اور ہدایت

و برکت کے ایسے ایسے دروازے کھولے ہیں جو پہلے

وہم و گمان میں بھی نہیں تھے ہم کو ہر وقت سفر کی

فکر ہے اور اللہ سے استخارہ کرتے رہتے ہیں کوئی

یہ خیال نہ کرے کہ ہم آپ کے قرب پر دنیا کی کسی

دولت کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ دین کے امور میں

بھی (نوافل وغیرہ کے درجہ کی چیزوں میں سے)

کسی ایسی چیز کو ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں

جن کے مقابلہ میں آپ کا قرب اور آپ کی خدمت

دینی اعتبار سے افضل اور اعلیٰ ہے لیکن کچھ

ایسے اہم امور و مسائل درپیش ہیں جن کے چھوڑ

دینے سے ہم کو عمومی اور خصوصی ضرر کا اندیشہ ہے

اور اس کا اندازہ اسی کو ہو سکتا ہے جو موقع پر

پر موجود ہے تنہا کے بودا شد دیدہ آپ سے

درخواست ہے کہ اس کی دعا کثرت سے کریں کہ

وقد فتح الله من ابواب الخير والرحمة

والهداية والبركة ما لم يكن يخطر بالبال

ولا يدور في الخيال، ونحن في كل وقت

مهمومون بالفرستخارين الله سبحانه

وتعالى فلا يظن الظان اننا نؤثر على

قربكم شيئاً من امور الدنيا قط بل

لأننا نؤثر من امور الدين ما يكون قربكم

ارحيم منه ولكن ثم أمور كبار فغناص

الضرر الخاص والعام من اهلها

والشاهد يري ما لا يري العنايب

والمطلوب كثرة الدعاء بالخيرة

فان الله يعلم ولا تعلم ويقدر

لانقدر وهو علام الغيوب وقال

النبي صلى الله عليه وسلم من سعادة

ابن ادم استخارته الله ورضاه

بما يقسم الله له ومن شقاوة ابن
ادم ترك استخارته الله وسخطه بما
يقسم الله له والتاجر يكون مسافراً
ومخاف ضياع ماله فيحتاج ان يقيم حتى
يتوفيه وما نحن فيه أمر يجمل عن
الوصف ولا حول ولا قوة الا بالله
والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته
كثيرا كثيرا وعلى سائر من في البيت
في الكبار والصغار والاهل والامعاب
واحدًا واحدًا والحمد لله رب
العالمين وصلى الله على سيدنا محمد
واله وصحبه وسلم تسليمًا

اللہ تعالیٰ ہمارے لئے ایسی چیز کا فیصلہ فرمائے
جو ہمارے حق میں بہتر ہو (قیام یا سفر) اس لئے
کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہم بے خبر ہیں، اسی کو
صحیح اندازہ ہے، ہم بے انداز ہیں، وہ سب کچھ
دیکھ چکے ہیں، واقف ہے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کی سعادت مندی
یہ ہے کہ وہ اللہ سے خیر طلب کرنا ہو اور اس کا
فیصلہ اسی پر چھوڑنا ہو اور پھر جو فیصلہ فرمائے
اس پر راضی ہو جاتا ہو اور بدبختی اور شقاوت ہے کہ
وہ استخارہ اور خیر طلبی چھوڑ دے اور اس کے فیصلہ
سے ناراض اور غیر مطمئن ہو، والدہ صاحبہ آپ
جانتی ہیں کہ تاجر بھی جب کبھی پردیس میں ہوتا ہے
اور اس کی قمیص اور مال پھیلا ہوا ہوتا ہے تو
وہ بھی اتنا انتظار کرتا ہے اور مجبوراً قیام اختیار
کرتا ہے کہ وہ اپنی سب قمیص وصول کر لے اور
اپنا مال سمیٹ لے، اور ہم تو جس بڑے کام اور
جس عظیم مقصد کے لئے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ تو چیز کا
کچھ اور ہے اس سے تجارت کو کیا نسبت؟ بس
سب سہارا اور آسرا اللہ ہی کا ہے آپ پر اور گھر کے

سب چھوٹوں بڑوں پر اور سب متعلقین اور گمراہوں

پر بہت بہت سلام ہو، وصلی اللہ علی سیدنا محمد

وآلہ وصحبہ وسلم تسلیماً۔

دوبارہ السیری

مصر و حدت و وجود کے عقیدہ اور خیال کا مستقل مرکز تھا، مشہور صاحب حال ثناء ابن الفارض جنہوں نے ۶۳۲ھ میں وفات پائی اس خیال کے پرچوش داعی معلوم ہوتے ہیں اور ان کے اشعار میں جا بجا اس کے مضامین ملتے ہیں، ابن تیمیہ اس عقیدہ کی بر ملا تردید کرتے تھے اور اپنے درس و مجالس میں ان اقوال و اعمال پر جرح و اعتراض کرتے رہتے تھے، جو ان کی تحقیق کے مطابق کتاب و سنت کے خلاف اور صوفیہ متاخرین کے اضافات میں سے ہے، وہ اپنی کتابوں میں جا بجا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ عدی بن مسافر اموی جیسے محقق و راسخ صوفیہ کرام کا نام بڑے ادب و احترام سے لیتے ہیں، لیکن اپنے معاصر مشائخ و صوفیہ پر تنقید کرنے سے نامل نہیں کرتے، جو ان کے اعتقاد کے مطابق فلسفہ یونان اور مصری و ہندی اشراق سے متاثر تھے، شیخ کی ان تقریروں اور تنقیدوں سے تصوف کے حلقوں میں برہمی پیدا ہوئی اور مصر کے مشہور شیخ طریقت ابن عطاء اللہ الاسکندری (صاحب الحکم) نے گروہ صوفیہ کی طرف سے حکام کے یہاں ابن تیمیہ کے خلاف نالاش کی، صوفیوں کا ایک بڑا گروہ خود قلعہ میں ابن تیمیہ کی شکایت کرنے گیا، سلطان نے ان شکایتوں سے متاثر ہو کر حکم دیا کہ "دار العدل" میں مجلس منعقد ہو، اور اس معاملہ کی تحقیق کی جائے، اس مجلس میں ابن تیمیہ نے خود شرکت اور اپنے مقدمہ کی وکالت کی، ان کی مدلل اور پرزور تقریر سے سب لوگ خاموش ہو گئے، اور ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکی۔

لیکن ان کے خلاف شورش دلی نہیں، اب ان کے خلاف یہ الزام بھی تھا کہ وہ علانیہ اس بات کی

تبلیغ کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی دہائی نہیں دی جاسکتی اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے استغاثہ بھی درست نہیں یہ شکایت جب پیش ہوئی تو بعض علماء نے کہا کہ اس بات میں تو کوئی قباحت نہیں، قاضی القضاة نے صرف اتنا کہا کہ اس میں کچھ بے ادبی ضرور ہے، لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ بات حدِ کفر تک پہنچتی ہے اس لئے یہ شکایت بھی بے نتیجہ رہی۔

مگر اس روز روز کی شکایت اور شورش سے حکومت تنگ آگئی تھی، اس نے شیخ کو تین امور میں سے کسی ایک امر کو اختیار کر لینے کا مشورہ دیا، یا تو اپنے وطن دمشق چلے جائیں یا اسکندریہ میں قیام اختیار کریں، مگر دونوں جگہ ان کو بعض شرائط کی پابندی کرنی ہوگی، یا جیل جانا منظور کریں شیخ نے آخری شکل کو ترجیح دی، لیکن ان کے تلامذہ و احباب نے دمشق کے سفر کے لئے اصرار کیا، اور انھوں نے ان کے اصرار سے اس کو منظور کر لیا، اور ۸ ارشوال ۷۷۰ھ کو وہ روانہ بھی ہو گئے، لیکن اسی روز ان کو مصر واپس لایا گیا، اور کہا گیا کہ حکومت کی مصلحت یہی ہے کہ وہ جیل میں رہیں لیکن قضاة و علماء اس مرتبہ متروک تھے، کہ وہ کس الزام کے تحت جیل جائیں، قاضی مالکی شمس الدین التونسی نے صاف کہا کہ ان کے خلاف کوئی چیز ثابت نہیں ہو سکی، نور الدین مالکی کو بھی توقف تھا، اور وہ خاموش تھے، شیخ نے علماء و قضاة کی اس ذہنی کشمکش کو دیکھ کر خود فیصلہ کر دیا کہ وہ از خود جیل جانے کے لئے تیار ہیں، نور الدین الزواوی نے کہا کہ وہ ایسی جگہ رکھے جائیں جو ان کے شایان شان ہو، حکومت کی طرف سے کہا گیا کہ وہ کوئی استثناء اور رعایت کے لئے تیار نہیں، الدولة ماتر ضی الاالجس (حکومت تو ان کو اسی جگہ رکھنا چاہتی ہے جس کا نام جیل خانہ ہے) چنانچہ قضاة کے مجلس میں ان کو بھیج دیا گیا اور یہ اجازت دی گئی کہ ان کی خدمت کے لئے کوئی آدمی رہ سکتا ہے۔

اس مجلس میں ابن تیمیہ کے مشاغل و معمولات جاری رہے، یہ دراصل ایک نظر بندی کی شکل تھی،

۱۔ غائبانہ شرط یہ تھی کہ وہ اپنے عقائد اور مخصوص خیالات کی عمومی تبلیغ نہ کریں۔ ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ابن کثیر ص ۱۱۷

طلبہ اور علماء ان سے ملاقات کر سکتے تھے اور استفادہ اور مذاکرہ کرتے تھے اہم مسائل میں ان سے فتویٰ بھی
یا جاتا تھا۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد مدرسہ صاحبیہ میں فقہاء و قضاة کا اجتماع ہوا اور ان کی متفقہ خواہش اور
تجویز سے ابن تیمیہ کو رہا کر دیا گیا، لوگوں نے ان کا پر جوش خیر مقدم کیا، اور پہلے سے زیادہ ان کی طرف
رجوع ہوا۔

سیاسی تغیر اور ابن تیمیہ پر سختی

دفعہ مصر کے سیاسی حالات میں ایسا تغیر ہوا کہ ابن تیمیہ کے لئے مشکلات بہت بڑھ گئیں، اور
ان کے حریف کو ان کے خلاف آزادی سے ہر قسم کی کارروائی کا موقع مل گیا، اس وقت تک اصل سلطان
مصر و شام ناصر بن قلاوون تھا، جو ابن تیمیہ کے علم و فضل اور خلوص کا معتقد اور ان کا ہمدرد تھا، ابن تیمیہ
نے اس کو تاتاریوں کے مقابلہ پر آمادہ کیا تھا، اور اس نے ان کی شجاعت، ایمانی قوت اور استقامت
خود دیکھی تھی، شہر میں سلطان نے بہت سے اسباب کی بنا پر جو اس کی بددلی کا باعث تھے، سلطنت سے
کنارہ کشتی اختیار کی، اور رک میں قیام اور وہاں کی محدود حکومت پر قناعت کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس کے اس فیصلہ سے رکن الدین بیریس جانشین کے لئے تخت مصر خالی ہو گیا، اور اس نے اپنی
خود مختار سلطنت کا اعلان کر دیا، اب وہ مصر و شام کا مطلق العنان فرمانروا اور اس کے شیخ نصر المہدی اس
طویل و عریض سلطنت کے روحانی سرپرست اور شیر خاص تھے، ابن تیمیہ اپنے دینی عقائد و تحقیقات کے
علاوہ (جو شیخ نصر المہدی کے رجحانات کے صریحاً مخالف تھے) خود سلطان ناصر بن قلاوون کے ہمدرد اور
حامی سمجھے جاتے تھے، اس لئے ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے دینی اور سیاسی محرک دونوں جمع ہو گئے۔

چنانچہ اس تغیر کے بعد ہی ابن تیمیہ کی اسکندریہ جلاوطنی اور نظر بندی کا سرکاری فرمان صادر ہوا۔

اور وہ صفر ۱۹۰۹ء کی آخری تاریخ کو اسکندریہ بھیج دیئے گئے، کہا جاتا ہے کہ حکومت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس نئے شہر میں جو تصوف اور اہل تصوف کا قدیمی مرکز ہے، ممکن ہے کوئی شخص ان کا کام تمام کر دے اور حکومت بغیر کسی بذنامی اور الزام کے اس دردِ سر سے نجات پائے۔
لیکن اسکندریہ میں شیخ نے بہت جلد معتقدین و تلامذہ کا حلقہ پیدا کر لیا، اور ان کی طرف رجوع عام شروع ہو گیا، وہاں بھی وہ خاموش اور بے کار نہیں بیٹھے، کتاب و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعات کی تردید ان کا مشغلہ تھا، لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت اور اعتقاد پیدا ہو گیا اور بہت جلد انھوں نے مقبولیت عام حاصل کر لی، ان کے بھائی شرف الدین ابن تیمیہ جو وہاں ان کے رفیق اور شریک زنداں تھے، اہل دمشق کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

وانقلب اهل النصارا جميعين الى الاخ مقبلين
عليه مكرمين له وفي كل وقت ينشرون
كتاب الله وسنة رسوله ما تقر به عين
المؤمنين وذلك شجى في حلق الاعداء.....
واستقر عند عامة المؤمنين وخواصهم
من امير وقاض وفقيه ومفت و شيخ و
جماعة المجتهدين الامن شذ من
لاغمار الجهال مع الذلة والصغار هبة
الشيخ وتعظيمه وقبول كلامه والرجوع
الى امره ونهيه.

اہل اسکندریہ کو برادر محترم کی طرف بڑی توجہ ہو گئی
اور ان کے دل میں ان کی بڑی عزت ہو رہی تھی اور ہر وقت کتاب
و سنت کی اشاعت کرتے رہتے ہیں یہی اہل ایمان کی
آنکھیں ٹھنڈی اور دشمنوں کو کوفت ہوتی ہے.....
شیخ کی محبت اور عظمت عام و خاص مؤمنین کے دل
میں چھ لگی ہے کیا حاکم، کیا قاضی، کیا فقیر، کیا مفتی،
کیا شایخ اور جماعت مجتہدین سولے بے خبر
جاہلوں کے سپان کے حلقہ گوش اور عقلموگے
ہیں ان کا کلام پسند کرتے ہیں اور ان کے احکام کی
تعمیل کرتے ہیں۔

اسکندریہ میں اس وقت فرقہ سبعینہ کے خیالات اور وحدت وجود کے مسلک کا بڑا غلبہ تھا اور بعض اشخاص اس کے پرجوش داعی اور مبلغ تھے، خواص سے نکل کر عوام میں بھی یہ عقائد و افکار مقبول ہو رہے تھے، ان دقیق مسائل و تشابہات کا عوام کے اعمال و اخلاق پر جو خراب اثر پڑ سکتا ہے اور ان میں شریعت کے معاملہ میں جو بیباکی اور آزادی پیدا ہونی چاہئے، وہ پیدا ہو رہی تھی، ابن تیمیہ نے بڑی قوت اور جوش کے ساتھ اس کی تردید اور مخالفت کی، اور ان کے قیام کے زمانہ ہی میں جس کی مدت آٹھ مہینے سے زیادہ نہیں ان کا زور ٹوٹ گیا، اور عوام و خواص ان سے منحرف ہو گئے، ابن تیمیہ نے ان میں سے بہت سے آدمیوں سے توبہ کرائی، اور ان کے ایک بڑے داعی اور اس خیال کے علمبردار نے بھی توبہ کی۔

اسکندریہ میں ابن تیمیہ کی قیامگاہ بڑی وسیع و خوش منظر تھی، اس کی ایک کھڑکی سمندر کی طرف کھلتی تھی، ایک کھڑکی شہر کی طرف، لوگ آزادانہ ان کے پاس آتے جاتے تھے، اور استفادہ و مذاکرہ کرتے تھے۔

رکن الدین جانشگیر کا زوال

ابن تیمیہ جانشگیر اور اس کے شیخ کے زوال کی علانیہ پیش گوئی کرتے رہتے تھے اور فرماتے تھے،

زالت ایامہ وانتم ریاستہ وقرب القضاء اجلہ^۹ ابھی اس کی سلطنت کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ سلطان ناصر بن قلاوون نے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کیا، اور ۱۳ شعبان ۷۰۹ھ کو اس دمشق کا رخ کیا، اہل شام نے جن کو اس سے بہت گہرا تعلق خاطر تھا، پرجوش استقبال کیا، ارشعبان کو وہ بڑے نزک و احتشام کے ساتھ دمشق میں داخل ہوا، دمشق سے اس نے مصر کا رخ کیا، اہل مصر نے بھی اس کے استقبال کی تیاری کی، رکن الدین جانشگیر نے حالات دگرگوں ہونے دیکھے تو خود سلطنت سے استعفاء دے دیا، عید کے روز سلطان کی سواری مصر میں داخل ہوئی اور اس نے ۱۱ مہینے کچھ دن کی

۹۔ مکتوب شیخ شرف الدین ابن تیمیہ بنام اہل دمشق، ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۵ ۱۰۔ ایضاً ص ۲۹۶

بے تعلق کے بعد عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی، جاشگیر نے مصر سے فرار اختیار کیا، رومی القعدہ کو امیر سیف الدین نائب شام کے ہاتھ آ گیا اور مصر میں قتل کر دیا گیا۔

مورخین کا اتفاق ہے کہ جاشگیر اپنی مددگار المہامی کے زمانہ میں بڑا مقبول اور باوقار و باہمت وزیرِ سلطنت تھا، اس کی خود مختار سلطنت اور اس کا ادب و سادگی ساتھ ہی ساتھ شروع ہوا، اپنی سلطنت کا اعلان کرنے کے بعد ہی سے اس کا سارا گروہ فرار و اقبال مندی اور مقبولیت ختم ہو گئی اور اس کے زوال کے دن شروع ہو گئے اور نئے ہوئے کے کام بگڑتے چلے گئے، مورخ مصر مقریزی نے صاف صاف لکھا ہے۔

وكان رحمه الله خيرا عفيفا كثير الحياء	مردم صاحب حیر محتاط، با حیا، باوقار اور
واخر المحرمه جليل القدر مهاب السطوة	صاحب شوکت امیر تھا، لیکن جب سے اس سلطان کا
في ايام امارته فلما تلب بالسلطنة	لقب اختیار کیا اور بادشاہی کا خلعت پہنا اس کی
ورسم باسم الملك اتضع قدرا و	شان میں کمی آگئی، اس کو کمزور سمجھا جانے لگا، لوگوں کے
استضعف جانبه وطمع فيه وتغلب	اس کے خلاف جرأت پیدا ہوئی، امراء اور
عليه الامراء والمماليك ولم تنجح مقامه	غلاموں نے خود سری اختیار کی، وہ اپنے مقاصد میں
ولا سعد في شئ من تدبيره الى ان	ناکام رہا، اور اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، یہاں تک کہ
انقضت ايامه واناخ به حمامه	اس کا دور ختم ہوا، اور اس کا پیمانہ عمر کبیر نہ ہو گیا۔

کیا عجب ہے کہ اس کا غیر متوقع زوال ایک نخلص داعی حق کی مخالفت و ایذا کا نتیجہ اور اس مشہور شعر کی تفسیر ہو۔

بس تجرہ کر دیم دریں دیر مکافات
باؤر دکشاں ہر کہ در افتاد برافتاد

ابن تیمیہ کی رہائی اور شاہانہ عزت افزائی

ابن تیمیہ کے معاصر شیخ علم الدین البرزانی کا بیان ہے کہ سلطان جب عید کے دن مصر میں داخل ہوا ہے تو اس کو سب سے زیادہ عجلت اور فکر اس کی تھی کہ ابن تیمیہ کو رہا کر کے عزت و حرمت کے ساتھ مصر لایا جائے، چنانچہ اگلے ہی روز (۲۲ شوال ۷۲۸ھ کو) اسکندریہ ان کی طلبی کا پروانہ پہنچا، اور وہ ۸ شوال کو مصر کے لئے روانہ ہو گئے، ایک تمغہ غفر نے ان کو بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ ابن تیمیہ دربار شاہی میں پہنچے تو سلطان نے خود چند قدم بڑھ کر ان کا استقبال کیا سلطان کے ساتھ مصر و شام کے قضاة اور اکابر علماء بھی تھے، قاضی جمال الدین ابن القلانسی جو قاضی لشکر تھے اور خود اس مجلس میں اس وقت موجود تھے، ابن تیمیہ کی آمد اور سلطان کے استقبال کا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں:-

ہمیں وقت سلطان کو اطلاع ملی کہ ابن تیمیہ پہنچ گئے ہیں، وہ سر و قد کھڑا ہو گیا، اور ایوان سلطنت کے کنارے تک چل کر آیا، وہاں دونوں کی ملاقات اور معانقہ ہوا، سلطان ابن تیمیہ کو لئے ہوئے قصر شاہی کی اس منزل کی طرف آیا، جس کی کھڑکی باغ کی طرف کھلتی ہے، وہاں دونوں تنہا ایک گھڑی بیٹھے باتیں کرتے رہے، پھر دونوں دربار کی طرف اس ہیئت سے آئے کہ شیخ کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں تھا، سلطان بیٹھ گیا، اس کے دائیں جانب ابن جماعہ قاضی مصر، بائیں طرف ابن انجیلی وزیر سلطنت تھے، ابن تیمیہ سلطان کے سامنے اس کی مسند کے پاس بیٹھے تھے، وزیر نے اس وقت یہ درخواست پیش کی کہ اہل ذمہ (غیر مسلم رعایا) کو سفید عماموں کے استعمال کی اجازت حسب دستور سابق دے دی جائے، انھوں نے خزانہ شاہی کو سات لاکھ

لے پھیلے تلخ تجربوں نے ملکے اسلام کو اس نتیجہ پر پہنچا دیا تھا کہ اسلامی سلطنت کی غیر مسلم رعایا کے پاس میں (باقی صفحہ پر)

سالانہ کی پیشکش کی ہے، یہ موجودہ ٹیکس کے علاوہ ہوگا، اس وقت اہل مجلس پر سکو و عطار ہی تھا، قضاة و اکابر علماء و مشائخ تھے، اس میں علامہ ابن الزمکانی بھی تھے، سلطان نے قضاة و علماء کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ آپ اس بارہ میں کیا کہتے ہیں؟ اس پر بھی کسی نے کچھ نہیں کہا، اس موقع پر ابن تیمیہ اپنے گھٹنوں کے بل پر بیٹھ گئے اور بڑے جوش و غصہ کے ساتھ گفتگو کرنی شروع کی، اور وزیر پختی سے جرح کی، ان کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی، اور سلطان ان کو نرم کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اس وقت ابن تیمیہ نے اس طرح گفتگو کی کہ دوسرا شخص اس کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، انھوں نے سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہوگی کہ آپ کے اس پہلے دربار کا افتتاح اس کارروائی سے ہو کہ آپ فانی دنیا کی خیر شفاعت کے لئے اہل ذمہ کی مدد کریں، اللہ نے آپ پر کتنا بڑا احسان کیا کہ آپ کی کھوئی ہوئی سلطنت ملادی، آپ کے دشمن کو ذلیل و خوار کیا، اور جرنیوں پر آپ کو فتح دی، سلطان نے یہ سن کر کہا کہ یہ قانون تو جانشگیر کا بنایا ہوا ہے، ابن تیمیہ نے جواب دیا کہ یہ تو آپ ہی کے فرمان سے ہوا، جانشگیر تو اس وقت آپ کا نائب تھا، سلطان کو ابن تیمیہ کی چون کوئی

(باقی حصہ کا) کچھ امتیازی نشان ضروری ہے، صلیبی جنگوں کے بعد مصر و شام میں بکثرت ایسے عیسائی رہ گئے تھے، جو دوسرے ملکوں سے آئے تھے، اور بیرونی حملہ آوروں کے لئے رضا کارانہ طریقہ پر جا سوسی کی خدمات انجام دیتے تھے، یوں بھی مسلمان سوسائٹی میں گھس مل کر اپنے اثرات پھیلاتے تھے، ۱۲۱۱ھ کے واقعات میں ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ۶۰۰ ہجری الاولیٰ کو قاہرہ میں بڑے ہونک طریقہ پر آگ لگی، خوبصورت مکانات، عالی شان محل اور بعض مسجدیں بھی اس کی زد میں آگئیں، لوگوں پر اس حادثہ کا اتنا اثر تھا کہ مسجدوں میں قنوت نازلہ پڑھی گئی، بعد میں تحقیق ہوئی کہ بعض عیسائیوں کی شرارت تھی، اس وقت سے حکم صادر ہوا کہ عیسائی نیلا لباس پہنیں، عاموں میں گھنٹیاں رکھیں اور کہیں ان سے کام نہ لیا جائے، اس پر آتش زنی کے واقعات کا سلسلہ ختم ہوا، ان تجربات کی بنا پر کچھ عرصہ سے مصر میں عیسائیوں کو حکم تھا کہ وہ زرد رنگ کے عمامے باندھیں، سلطان ناصر کی دوبارہ آمد پر عیسائیوں نے کوشش کی تھی کہ یہ قانون منسوخ ہو جائے۔

مصر میں سنت یوسفی

ابن القلانسی کا بیان ہے کہ ابن تیمیہ نے خود مجھ سے کہا کہ سلطان جب مجھے تنہائی میں لے گیا تو اس نے مجھ سے ان قضاة کے قتل کے بارہ میں فتویٰ لینا چاہا جنہوں نے جانشکیر کی حمایت کی تھی اور سلطان کی معزولی کا فتویٰ دیا تھا، اور وہ فتوے نکال کر دکھائے بھی اس کے ساتھ مجھ سے یہ بھی کہا کہ انہی لوگوں نے آپ کے خلاف شورش برپا کی، اور آپ کو تکلیف پہنچائی، اس کا مقصد یہ تھا کہ میں اس سے متاثر ہو کر ان کے قتل کا فتویٰ دے دوں میں اس کا منشاء سمجھ گیا، اور میں نے ان قضاة و علماء کی مدح سرائی شروع کی، اور اس کی شدت سے مخالفت کی کہ سلطان کے ہاتھ سے ان کو کوئی گزند پہنچے، میں نے اس سے کہا کہ اگر آپ نے ان کو قتل کر دیا تو آپ کو ان کا بدل نہیں ملے گا، اس نے پھر مجھے مشتعل کرنے کے لئے کہا کہ انہوں نے تم کو نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کی اور بارہا تمہارے قتل کی سازشیں ہیں، میں نے کہا جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے جس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اس پر میری طرف سے کوئی مواخذہ نہیں، میں اسے بالکل معاف کرتا ہوں، اور جس نے اللہ اور رسول کا قصور کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے خود انتقام لے گا، میں اپنے نفس کا انتقام نہیں لیتا، میں برابر اس کو سمجھاتا رہا، یہاں تک کہ سلطان نے ان کا قصور معاف کر دیا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مصر میں ابن تیمیہ کے سب سے بڑے حریف و درمقابل قاضی مالکیہ ابن مخلوف کہتے تھے کہ ہم نے ابن تیمیہ جیسا عالی ظرف و فراخ حوصلہ نہیں دیکھا کہ ہم نے تو ان کے خلاف سلطنت کو آمادہ کیا (اگرچہ ہمارا مقصد پورا نہیں ہوا) لیکن ان کو جب قدرت حاصل ہوئی تو ہم کو

صاف معاف کر دیا، اور لٹے بہاری طرف سے وکالت اور مدافعت کی ہے۔

مجلس سلطانی کے بعد شیخ قاہرہ میں آگئے، اور حسب معمول درس و تدریس اور اصلاح و تبلیغ کے کام میں منہمک ہو گئے، ان کی رہائی کا شہرہ سن کر شائقین علم اور ان کے محبین و معتقدین چاروں طرف سے امنڈ آئے، علماء شہر نے حاضر ہو کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا، اور معذرت کی، انہوں نے سب سے کہہ دیا کہ میری طرف سے سب کو معافی ہے، میرا کسی پر کوئی مطالبہ نہیں، اس طرف سے اطمینان پا کر اور یہ انداز کر کے کہ ان کو ابھی اپنے کام کی تکمیل کے لئے دارالسلطنت میں رہنا ہے، انہوں نے گھر ایک مفصل خط لکھا جس میں حالات کی اطلاع تھی، اور کچھ ضروری کتابیں طلب کی تھیں۔

ابن تیمیہ کی باعزت رہائی کے بعد جب ان کے مخالفین نے دیکھا کہ ان کے اقبال کا ستارہ اور بلند ہو گیا اور کسی علمی مسئلہ کی بنا پر اب ان کے خلاف شور و شہرت برپا کرنی مشکل ہے تو انہوں نے عوام کو ان کے خلاف اشتعال دلایا اور عوام کو ابن تیمیہ کے خلاف (کم سے کم مصر میں جہاں عوام ان سے زیادہ واقف نہ تھے) اشتعال دلانا کچھ مشکل کام نہ تھا، چنانچہ ہر جب لاشعہ کو چند ناخدا ترس انسانوں نے ان پر دست درازی کی، اور ان کو ایذا پہنچائی، لیکن محلہ حسینیہ (جہاں عام شہرت کے مطابق سیدنا حسینؑ کا سر مبارک دفن ہے) کے باشندے شیخ کا انتقام لینے کے لئے جمع ہو گئے، شیخ نے ان کو منع کر دیا اور ان سے فرمایا۔

امان یكون الحقلى اولکم اودنہ فان	تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو (ان سے انتقام
کان الحقلى فہم فی حل منہ وان کان	لینا) میرا حق ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ وہ
لکم فان کم تسمعوا منی ولم تستفتونی	سکدوش ہیں اور میرا کوئی مطالبہ نہیں یا تمہارا
فا فعلوا ما شئتم وان کان الحق لله	حق ہے تو اگر تم میری بات سننے کے لئے تیار نہیں

۱۔ ابن کثیر جلد ۱۴ ص ۵۴۵ اس کی نزدیک میں امام ابن تیمیہ کا مستقل رسالہ رأس سیدنا حسینؑ چھپ چکا ہے۔

فائدہ یاخذ حقہ ان شاء۔

اور مجھ سے دریافت بھی نہیں کرتے تو جو جی میں آئے کرو،

تیسری اور آخری شکل یہ ہے کہ یہ اللہ کا حق ہے تو اللہ

اگر چاہے گا اپنا حق لے لے گا۔

اسی روز کو درمیان نماز عصر کا وقت آگیا، امام جامع مسجد (غالباً جامع حسینی) جماعت کی شرکت کے لئے جانے لگے، ہمہ رگوں نے اس سے روکا، لیکن شیخ نے کوئی پروا نہیں کی اور چلے گئے ان کے ساتھ ان کے حامیوں کا ایک بڑا گروہ بھی گیا۔

اس کے بعد ایک مرتبہ ایک عالم نے برسر مجلس ان کو بہت سخت سخت کہا، اس کے بعد ان کو اپنی غلطی محسوس ہوئی، یا اندیشہ ہوا کہ حکومت کچھ دارو گیر کرے تو شیخ سے معذرت کی شیخ نے کھلے دل سے معاف کر دیا اور فرمایا "لا انتصر لنفسی" میں اپنا انتقام نہیں لیتا۔

ابن تیمیہ نے مصر کے قیام میں صرف درس و تدریس اور کتاب و سنت کی اشاعت پر اکتفا نہیں کی، بلکہ دارالسلطنت کے قیام سے فائدہ اٹھا کر سلطان کو بعض نہایت مفید مشورے دیئے، اور اس سے بعض ضروری اور مفید فرمان جاری کروائے، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ۶۱۲ھ میں دمشق فرمان سلطانی پہنچا کہ کسی کو کوئی عہدہ کسی مالی پیشکش یا رشوت کی بنا پر نہ دیا جائے اس لئے کہ اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلے گا کہ نااہل اور خائن لوگ عہدوں پر سرفراز ہو جائیں گے، اور اہل اور امانت دار محروم رہیں گے، ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ فرمان ابن تیمیہ کی تجویز اور کوشش کا نتیجہ تھا، اسی طرح ایک دوسرا فرمان صادر ہوا کہ قاتل پر کسی کو دست درازی کرنے کا اختیار نہیں حکومت اس کو گرفتار کرے گی اور شرع شریف کے مطابق اس کا قصاص ہوگا، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ بھی ابن تیمیہ کی تجویز سے ہوا۔

دمشق واپسی

شوال ۱۲۵۲ھ میں تاتاریوں کے حملہ کے ارادہ کی مسلسل اطلاعیں مل رہی تھیں بالآخر سلطان نے خود مصر سے نکل کر ان کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور دمشق کو ۲۳ شوال کو وہ دمشق میں داخل ہوا، سلطان کی معیت میں ابن تیمیہ بھی تھے، جو پورے سات سال کے بعد اپنے وطن مالوت آئے تھے، لوگوں نے ان کا پر جوش استقبال کیا، اہل شہر نے بڑی مسرت کا اظہار کیا، مردوں کے علاوہ بہت بڑی تعداد میں عورتیں بھی ان کو دیکھنے کے لئے باہر تک آئیں، شیخ کا یہ سفر نہایت جہاد تھا، لیکن دمشق آ کر معلوم ہوا کہ تاتاری واپس گئے، شیخ نے دمشق سے بیت المقدس کی زیارت کی نیت کر لی، کچھ روز وہاں قیام کر کے بعض دوسرے مقامات سے ہوتے ہوئے مکہ ذی القعدہ کو دمشق واپس آئے اور بہترین اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

مسائل فقہیہ کی طرف توجہ خصوصی

اس مرتبہ دمشق واپسی کے بعد اگرچہ شیخ الاسلام اپنے قدیم دینی و علمی و اصلاحی مشاغل میں مشغول ہو گئے اور حسب معمول درس و افتاء اور تصنیف کا کام شروع کر دیا، لیکن اس مرتبہ ایک خاص بات یہ تھی کہ ابھی تک ان کی زیادہ تر توجہ عقائد و اصول اور ان کلامی مسائل کی طرف تھی، جو اشاعرہ و حنابلہ کے درمیان مابہ النزاع تھے، لیکن اس مرتبہ ان کی توجہ خصوصیت کے ساتھ فقہی مسائل اور جزئیات کی طرف منعطف ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے محسوس کیا کہ وہ پہلے موضوع پر بقدر ضرورت مواد و دلائل فراہم کر چکے ہیں، اور ان کی تقریروں، درس اور تصنیفات سے حق واضح ہو چکا ہے، اب انھوں نے اپنی علمی خصوصیتوں اور خداداد ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ فقہی مسائل کی طرف توجہ کی۔

ابن تیمیہ کا خاندان پشتوں سے حنبلی چلا آ رہا تھا، خود ان کے اکثر فتاویٰ مذہب حنبلی کے

مطابق ہیں، لیکن انہوں نے سترتا ستر مذہبِ حنبلی کی پابندی نہیں کی، کتاب و سنت کے ذخیرہ پر ان کی طبیعت وسیع نظر تھی، مذاہبِ فقہیہ ان کے اصول اور دلائل کا جیسا استحضار ان کو حاصل تھا، اس کے بعد ان کے لئے مشکل تھا کہ وہ مذہبِ حنبلی کے دائرہ میں محدود رہیں اور تیسویں صدی اس کی پابندی کریں، اس لئے وہ بعض اوقات ائمہ اربعہ کے مذاہب میں اس مذہب کو ترجیح دیتے جس کے دلائل ان کے نزدیک زیادہ قوی تھے، اور جس کے ساتھ صحابہ و تابعین کی زیادہ جماعت ہوتی، وہ اپنے علمی تجربہ، قوتِ استنباط اور استقلالِ فکر کے باوجود ائمہ اربعہ کی علمی عظمت، حسنِ اجتہاد، دیانت و تقویٰ اور عقلی تفوق کے بڑے قائل اور معترف تھے، ان کے نزدیک وہ حضرات طالبِ حق، تبعِ سنت اور راسخ فی العلم تھے، ان کے اجتہاد آقا کا، ماخذ کتاب و سنت اور قرآن و حدیث کے نصوص اور اجماع اور شرعی قیاس ہے، اور وہ اس بارہ میں طبع تھے، مبتدع نہ تھے، اس لئے وہ اپنے زمانہ کے ان لوگوں کو بہت ناپسند کرتے تھے جو ان کے بارہ میں بیجا کاذب الفاظ بولتے اور ان پر زبانِ طعن دراز کرتے، انہی لوگوں کی زبان بندی اور ائمہ مجتہدین کی حمایت و نصرت کے لئے انہوں نے ایک مستقل رسالہ رفع الملام عن الاثمة الاعلام، تصنیف کیا، جو اس موضوع کی بہترین تصنیفات میں سے ہے، اس رسالہ کے شروع میں لکھتے ہیں:-

یحب علی المسلمین بعد مولانا اللہ ورسوله	مسلمانوں پر اللہ اور اس کے رسول کی دوستی اور محبت کے
مولانا المؤمنین کما نطق به القرآن وخصوصاً	بدلائل ایمان کی دوستی اور محبت واجب ہے، جیسا کہ
العلماء الذین هم ورثة الانبیاء الذین	قرآن مجید میں خاصاً موجود ہے، خصوصاً ان علماء کی
جعلهم اللہ بمنزلة النجوم یهتدی	دوستی اور محبت جو وارثِ انبیاء تھے اور جن کو اللہ تعالیٰ
بہم فی ظلمات البر والبحر وقد اجمع	نے ان ستاروں کا مرتبہ عطا فرمایا جس سے تاریکیوں
المسلمون علی ہدایتهم وهدایہم	میں روشنی اور سنائی حاصل کی جاتی ہے، تمام مسلمانوں کا

۱۔ لہ لاطلمہ ہر فتاویٰ ابن تیمیہ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵۔

اس پر اتفاق ہے کہ یہ حضرات صاحب ہدایت اور
صاحب روایت تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
بعثت سے قبل دوسری امتوں کے علماء و شرارِ امت
تھے لیکن اس امت کے علماء و شرارِ امت ہیں اس لئے کہ
وہ اس امت میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
جانشین ہیں وہ سنتوں کے زندہ کرنے والے ہیں ان کے
کتابِ شکر کی رونق اور رواج ہے اور وہ اس کے
علمبردار ہیں وہ کتابِ شکر کے ترجمان اور شراح اور
کتابِ شکر ہی ان کی ورد زبان اور دلیل و برہان
ہے یاد رکھنا چاہئے کہ ان ائمہ میں سے جو عام طور پر
مسلمانوں میں مقبول و معتد میں کوئی بھی ایسا نہیں
تھا جو جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی
چھوٹی یا بڑی سنت کی مخالفت کرتا ہو اس لئے کہ
وہ سب نقلی طور پر اس پر تعلق تھے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع واجب ہے اور آپ ہی کی
تہا وہ ذات ہے جس کے سب قوال و احکام واجب
القبول ہیں (ورنہ دوسرے کا کوئی قول قبول کیا جاسکتا
ہے اور کوئی ترک بھی کیا جاسکتا ہے) ان ائمہ میں سے
اگر کسی کا کوئی ایسا قول پایا جائے جو کسی صحیح حدیث

اذ کل امة قبل بعث محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) علماء لها شرارها الا الملبین
فان علماء ائمتهم خيارهم فانهم خلفاء
الرسول فی امة والمجیون لمامات من سنه
بهم قام الکتاب وبه قاموا، وبهم نطقت
الکتاب وبه نطقوا ولعلهم انہ لیس احد
من الائمة المقبولین عند الامة قبولا
عاما یتعمد مخالفته رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فی شیء من سنه دقیق ولا جلیل
فانهم متفقون اتفاقا یقینا علی وجوب
اتباع الرسول وعلی ان کل احد من الناس
یؤخذ من قوله ویترك الا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم واذا وجدوا احد منهم قول
قد جاء حدیث صحیح بخلافه فلا بد له
من عذرتی ترکہ، وجمیع الاعذار ثلاثة
امناف (احدها) عدم اعتقاده
ان النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قال
(والثانی) عدم اعتقاده ارادة تلك
المسئلة بذالك القول (الثالث) اعتقاده

ان ذلک الحکم منسوخ

کے خلاف ہو تو ضرور اس امام کا کوئی عذر ہوگا۔ اس کے
ترک کرنے میں یہ عذر عموماً تین قسموں کے خارج نہیں (اولاً)
وہ امام اس کا قائل ہی نہ ہو کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ
وسلم) نے ایسا فرمایا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے (ثانیاً)
اس کا خیال ہو کہ اس حدیث سے مسئلہ نکلتا ہی نہیں
اور یہ حدیث کی مراد ہی نہیں ہے (ثالثاً) اس کی
تحقیق یہ ہو کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

تین طلاقوں کا مسئلہ

باین ہمہ جس طرح انھوں نے مذہب حنبلی کے دائرہ سے بعض اوقات باہر قدم نکالا ہے اور دلائل
کی بنا پر دوسرے مذاہب کو ترجیح دی ہے، اسی طرح بعض مسائل میں شاذ و نادر انھوں نے کل مذاہب
اربعہ کے خلاف بھی فتویٰ دیا ہے اور اپنے نزدیک براہ راست کتاب سنت کے نصوص اور دلائل کی
پیروی کی ہے، یہ مسائل (جن میں انھوں نے مجموعی طور پر ائمہ اربعہ سے اختلاف کیا ہے) دو چار سے
زیادہ نہیں، ان میں سے مشہور مسئلہ ایک مجلس میں تین طلاقوں کا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں (خواہ بیک لفظ خواہ
بالفاظ متعدد) دے دیں تو اگرچہ اس نے باتفاق ائمہ و جمہور امت بدعت کی بات اور خلاف شرع
کام کیا، اور گنہگار ہوا لیکن ان طلاقوں کا حکم کیا ہے؟ کیا وہ واقع ہو گئیں اور عورت باہن ہو گئی اور
اب رجعت کرنا شرعاً ممکن نہیں ہے (جب تک کہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ اس کی

صحبت سے متمتع ہو، پھر طلاق دے، پھر پہلا مرد نکاح کرے) یا تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوگی، اور رجعت ممکن ہے، ائمہ اربعہ اور ائمہ فقہ و حدیث (اوزاعلیٰ، نخعی، ثوری، اسحاق ابن راہویہ، ابو ثور، بخاری) اور جمہور صحابہ و تابعین کا مسلک یہ ہے کہ باوجود بدعت و معصیت کے از نکاح کے یہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور رجعت ممکن نہیں ہے، امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: وقد اختلف العلماء فی من قال لامرأته انت طالق ثلاثا فقال الشافعی ومالك والحنیفة واحمد وجمہور العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث علامہ ابن رشد بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں: جمہور فقہاء الامصار علی ان الطلاق بلفظ الثلاث حکمہ حکم الطلقة الثالثة شیخ الاسلام کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں: وهذا قول الائمة الاربعہ وجمہور التابعین وکثیر من الصحابة

ان حضرات کے دلائل میں متعدد مرفوع حدیثیں منقول ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو یا تین سے زائد طلاقوں کو تین طلاقیں قرار دیا اور عورت کو بائن ہو جانے کا فتویٰ دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے بعض رفقاء و تلامذہ کا مسلک یہ تھا کہ تین طلاقیں ایک درجہ شمار ہوگی اور مرد اس کے بعد اسی طرح رجوع کر سکتا ہے، جیسے ایک طلاق کے بعد کر سکتا تھا، وہ لکھتے ہیں: وهذا القول منقول عن طائفة من السلف من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل الزبير بن عوام، وعبد الرحمن بن عوف، وبيروني عن علي، وعن ابن مسعود، وابن عباس وهو قول داؤد واكثر اصحابه وبيروني عن ابي جعفر محمد (الباقر) ابن علي بن حسين وابنه جعفر الصادق) ولهذا ذهب الى ذلك من ذهب من الشيعة

یہ ان حدیثوں کے متن اسناد میں فرق ثانی نے کلام کیا ہے اور فرق اول نے محدثانہ طریق پر اس کا جواب دیا ہے، یہ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۳ ص ۱۱۱

شیخ الاسلام اپنے اس مسلک کے ثبوت کے لئے قرآن و حدیث اور قیاس سے استدلال کرتے ہیں۔
 اس مسئلہ میں واقعہ یہ ہے کہ خواہ وہ منفرد نہ ہوں اور ان سے پہلے سلف میں کسی کا یہ مسلک رہا بھی ہو
 تو بھی اس میں شک نہیں کہ اس کی شہرت انہی کی ذات سے ہوئی اور انہوں نے اس کی علمبرداری کی
 اسی وجہ سے جب انہوں نے اس مسئلہ میں اپنی تحقیق اور رائے کا اظہار کیا تو اس سے عام طور پر فقہی
 حلقوں میں ایک استعجاب اور انتشار پیدا ہوا۔

حلف بالطلاق کا مسئلہ اور نظر بندی

لیکن بہر حال تین مجموعی طلاقوں کا مسئلہ ایک خالص فقہی اور خانگی مسئلہ تھا جس کا اثر ایک
 خاندان کی زندگی پر پڑتا تھا، مگر دوسرا مسئلہ جس میں انہوں نے مذاہب اربعہ اور مشہور مسلک سے
 اختلاف کیا، اور جو معاملات اور سیاست اور رعیت و حکومت کے تعلقات تک پر اثر انداز ہوتا
 تھا، وہ حلف بالطلاق کا مسئلہ تھا۔

اس زمانہ میں حلف بالطلاق کا عام رواج ہو گیا تھا، لوگ کسی بات پر زور دینے کے لئے یا اپنی
 صداقت یا عزم ظاہر کرنے کے لئے بے تکلف طلاق کا سہارا لیتے تھے اور اس کو درمیان میں لے آتے
 تھے، مثلاً میں ضرور ایسا کروں گا نہیں تو طلاق ہے (علی الطلاق لأفعلن کذا) میں یہ سرگرم نہیں کروں گا
 نہیں تو طلاق (علی الطلاق لأمتنع عن کذا) یا تمہیں ایسا کرنا ہوگا، نہیں تو طلاق ہے (علی الطلاق
 لتفعلن کذا) یا میں نے یہ چیز اتنے دام میں خریدی ہے اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو طلاق (علی الطلاق
 اشتريتها کذا) ابن تیمیہ دیکھتے تھے کہ یہ دراصل قسم اور تباہی کا ایک طریقہ ہے، لیکن لوگ زور دینے اور
 یقین پیدا کرنے کے لئے طلاق کا لفظ بیخ میں لے آتے ہیں اور ان کا ارادہ کبھی طلاق کا نہیں ہوتا۔

یہ مفصل بحث امام غزالی استدلال کے لئے ملاحظہ ہو حافظ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد بحث فی من طلق ثلاثاً بکلمة واحدة ج ۲ اور
 "إفاعة اللعنات"

اس لئے یہ دراصل قسم ہی کی ایک قسم ہے، مگر طلاق معلق سمجھ لئے جانے کی وجہ سے اس پر طلاق کے احکام جاری کئے جاتے ہیں، اور سیکڑوں خاندان اور گھرانے اس کی وجہ سے اُجڑ جاتے ہیں، اور خانگی زندگی میں سخت انتشار اور ابتری پیدا ہو رہی ہے۔

پھر حجاج بن یوسف کے زمانہ سے بیعت کو نچتہ اور مؤکد کرنے کے لئے بیعت کے صیغہ میں کبھی طلاق کے الفاظ داخل کر دیئے گئے ہیں، اور یہ لفظ جز و بیعت بن گئے ہیں کہ اگر میں نے فلاں کی بیعت توڑی تو میری بیویوں کو طلاق!

ابن تیمیہ نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے بعد فتویٰ دینا شروع کر دیا کہ محض ایک حلف کی صورت ہے اور اس کے خلاف کرنے کی حالت میں یا بیان کے خلاف واقعہ ہونے کی صورت میں قسم کھانے والا حانت ہوگا، اور اس قسم کا کفارہ لازم آئے گا، طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اگرچہ ابن تیمیہ نے اپنے اس فتویٰ کی تائید میں مذاہب اربعہ میں سے بعض ائمہ اور ان کے بعض اصحاب کے اقوال بھی پیش کئے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ فتویٰ ان مذاہب کے مشہور اور مفتی بہ قول کے خلاف تھا، اور ایک نئی تحقیق اور ان کا اجتہاد معلوم ہوتا تھا، اس لئے اس فتویٰ سے عام طور پر ایک اضطراب پیدا ہوا، اور علماء و قضاة نے اس کی ضرورت سمجھی کہ ان کو اس فتویٰ سے باز رہنے کا مشورہ دیا جائے تاکہ زیادہ اضطراب اور انتشار نہ پیدا ہو، حافظ ابن کثیرؒ کے واقعات میں لکھتے ہیں۔

پنجشنبہ ۱۵ ربیع الاول کو قاضی القضاة شمس الدین بن مسلم نے امام ابن تیمیہ سے ملاقات کی اور ان کو

مشورہ دیا کہ حلف بالطلاق کے مسئلہ میں وہ آئندہ فتویٰ نہ دیں، شیخ نے ان کا مشورہ قبول کیا، اور

ان کی خاطر اور اہل افتاء کی رعایت سے اس کا وعدہ کیا، جمادی الاولیٰ کے شروع میں مصر سے

لے اس مسئلہ کی صحیح صحت اور زبقتین کے دلائل سمجھنے کے لئے ملاحظہ ہو، شیخ محمد ابو زہرہ مصری کی کتاب "ابن تیمیہ" میں

فرمان سلطانی بھی آیا جس میں ابن تیمیہ کو حلف بالطلاق کے مسئلہ میں فتویٰ دینے سے روکا گیا تھا، ایک مجلس عام میں یہ فرمان پڑھا گیا، اور امام نے اس کو منظور کیا، اور شہر میں اس کا اعلان ہو گیا، اس فرمان سلطانی سے پہلے ہی اہل افتاء کی ایک جماعت قاضی ابن مسلم سے ملاقات کر چکی تھی، ان کے مشورہ سے قاضی صاحب نے ابن تیمیہ سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اس مسئلہ میں سکوت کریں اور انہوں نے اختلاف اور ہنگامہ سے بچنے کے لئے اس کو منظور کر لیا تھا۔^۱

معلوم ہوتا ہے کہ فرمان سلطانی کے صدور کے بعد اس خیال سے کہ حکومت کو اس مسئلہ میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں اور کسی عالم کو حکومت کے خوف سے اپنے علم اور عقیدہ کو چھپانا جائز نہیں یا اس لئے کہ مسئلہ میں ان کا اطمینان اور شرح صدر بڑھ گیا تھا، انہوں نے اپنی تحقیق کے مطابق فتوے دینا شروع کر دیا، اور حکومت کے اتنائی احکام کی کوئی پرواہ نہیں کی، اس لئے کہ ابن کثیرؒ کے واقعات میں لکھتے ہیں:

پنجشنبہ ۲۲ رجب کو دار السعادة میں نائب السلطنت کی موجودگی میں ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں مذاہب اربعہ کے قاضی مفتی اور شیخ الاسلام نے شرکت کی، شرکائے مجلس نے اعتراض کیا کہ انہوں نے (ابن تیمیہ نے) مسئلہ طلاق میں پھر فتویٰ دینا شروع کر دیا ہے، چنانچہ نائب السلطنت نے قلعہ میں نظر بند کئے جانے کا حکم جاری کیا، اور وہ (۲۲ رجب ۷۴۲ھ) کو قلعہ میں مجبوس کر دیئے گئے۔

لیکن یہ مدت اسیری کچھ زیادہ طویل نہیں ہوئی، پانچ مہینے اٹھارہ دن کے بعد، ۱۰ محرم ۷۴۱ھ کو براہ راست مصر سے ان کی رہائی کے احکام آئے اور وہ آزاد کر دیئے گئے۔^۲

آخری اسیری

۷۴۱ھ سے ۷۴۶ھ تک تقریباً ساڑھے پانچ سال شیخ الاسلام پوری آزادی اور انہماک

لے البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ ص ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ایضاً

کے ساتھ درس و تصنیف افتاء اور وعظ میں مشغول رہے، اس عرصہ میں وہ زیادہ تر مدرسہ حنبلیہ میں اپنے مخصوص مدرسہ میں بوقت صبحین میں واقع تھا، درس دیتے تھے، اس عرصہ میں انھوں نے اپنی پرانی کتابوں اور رسائل پر نظر کی، اور بعض نئی تصنیفات کیں۔

شاید وہ اس عرصہ میں بہت زیادہ مفید کام کرتے اور ان کے قلم سے بعض اہم موضوعات پر کچھ بیش قیمت اور نادر کتابیں نکلتیں لیکن ان کا علمی تفوق اور بعض مسائل پر فردان کے معاصرین اور خود ان کے لئے ایک بڑا ابتلاء تھا، جس کی ان کو بار بار بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی، پھر بھی زیادہ دن اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا تھا، تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک نیا مسئلہ زیر بحث آ گیا، جو خواص و عوام سب کے لئے جاذبِ توجہ تھا، اور جو مسئلہ طلاق کی طرح خالص فقہی مسئلہ نہ تھا، بلکہ اس میں جذباتی عنصر بھی شامل تھا، اور جس میں قلوب کو مضطرب کرنے کی زیادہ صلاحیت تھی، یہ مسئلہ زیارتِ قبرِ نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کا تھا۔

ابن تیمیہ نے سترہ سال پہلے فتویٰ دیا تھا کہ کسی قبر کی زیارت کے لئے (خواہ وہ قبر النور ہو، علیٰ صاحبہ الف صلوٰۃ والسلام) اہتمام سے سفر کر کے جانا (جس کو عربی میں شذالرحل کہتے ہیں) جائز نہیں، اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد، المسجد الحرام و مسجدی ہذا و المسجد الاقصیٰ، کجاوے نہ کہے جائیں (اہتمام سے سفر نہ کیا جائے) مگر تین مسجدوں کی طرف، مسجد حرام (خانہ کعبہ) میری مسجد (مسجد نبوی) اور (مسجد اقصیٰ)، (بیت المقدس) پھر وہ حسب معمول اس کی شرعی حکمتیں اور اس کی مخالفت کی صورت میں اس کی قباحتیں اور نقصان گناتے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اہتمام سے شرک و مشرکانہ عقائد و اعمال کا دروازہ کھلتا ہے، لوگ اس زیارت کو عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھنے لگتے ہیں، وہاں پہنچ کر حدودِ شریعت سے تجاوز کرتے ہیں اور توجید کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس بات کا کہ قبر مبارک

ان اعمال و رسوم سے محفوظ ہے، جو جاہلی قوموں اور یہود و نصاریٰ میں شائع و ذائع تھے، اس قدر اہتمام
تھا کہ فرمایا لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبورا نبيا ثم مباحدا (اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت
کرے انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کی جگہ بنا لیا) نیز بڑے اہتمام سے دعا فرمائی اللہم لا تجعل
قبری و ثنا بعد اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبورا نبيا ثم مباحدا (اے اللہ میری قبر کو بت
نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے اللہ کا غضب ان لوگوں پر سخت ہوا، جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبور کو
سجدہ گاہ بنا لیا) نیز ارشاد فرمایا لا تتخذوا قبری عیدا و صلوا علی فان صلاتکم حیثما کنتم تبلغنی
نیز آپ نے اسی لئے کسی میدان میں دفن ہونا پسند نہیں کیا، بلکہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں مدفون ہوئے
جو ایک محفوظ جگہ ہے، اس سبب کا مقتضایہ ہے کہ قبر انور کو ان تمام خطرات سے محفوظ رکھا جائے، اور
اہتمام سے جوق در جوق زیارت کی نیت سے آنے کی اجازت نہ دی جائے، البتہ جو لوگ مسیٰ نبویؐ میں
نماز پڑھنے کی نیت سے آئیں وہ مسنون طریقہ سے زیارت کریں اور صلوة و سلام بھیجیں جیسا کہ صحابہؓ
تابعین کا دستور تھا۔

مختلف اسباب و محرکات کی بنا پر سترہ برس پہلے کا یہ فتویٰ نکالا گیا، اور اس کی تشہیر کی گئی، ایک
طرف اس سے عام مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگتی تھی، جو اس زیارت کو بڑی سعادت اور نعمت عظمیٰ
سمجھتے تھے، اور اس کا ذوق و شوق رکھتے تھے، اور ان کو بارگاہ نبوت میں کمئی ادب کی جھلک نظر آئی،

لہ بخاری و مسلم . ۱۰۰۰ مالک و مسند امام احمد . ۱۰۰۰ سنن ابی داؤد وغیرہ . ۱۰۰۰ جہاں تک ان مقاصد کا تعلق ہے، اگر

توحید کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے، اور شرک و مشرکانہ اعمال و رسوم کے ذرائع مسدود کئے جائیں، اور ان کی اجازت نہ دی جائے

کسی صاحب علم کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا، لیکن اس کے لئے زیارت قبر نبویؐ کو مطلقاً روکنا ذکاوت جس اور تشدد سے خالی

نہیں معلوم ہوتا، اور یہ بات نہ ان کی علمی و دینی عظمت کے منافی ہے نہ ہمارے حسن اعتقاد اور ان کے کمالات کے اعتراف کے لئے منافی

نہ یہ مسئلہ اتنا سنگین تھا کہ اس کے لئے ان کو مجبور کیا جائے، اور اسی حالت میں وہ دنیا سے رخصت ہوں۔

دوسری طرف اس میں علماء کو جمہور امت کی مخالفت اور خود سری اور خود رائی نظر آئی، اور شاید یہی ان کی مخالفت کا اصل محرک تھا۔

بہر حال اس اختلاف نے اتنی اہمیت اختیار کی، اور اس کا اتنا چرچا ہوا کہ حکومت وقت نے (علماء کی توجہ دہانی سے یا اپنی انتظامی مصلحتوں سے) اس میں دخل دینا مناسب سمجھا اور ۲۶ شعبان ۱۲۶۶ھ کو ان کے محبوس کئے جانے کا فرمان صادر ہوا، شیخ نے اس اطلاع کا بڑا خیر مقدم کیا، اور اس پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا، انھوں نے اپنے جلس کی اطلاع پاتے ہی فرمایا: انکنت منتظرا ذلك وهذا فيه خير كثير ومصلحة كبرى“ (میں تو اس کا منتظر ہی تھا، اس میں بڑی خیر اور بہت بڑی مصلحت ہے)۔

شیخ قلعہ دمشق میں منتقل کر دیئے گئے جہاں ان کے لئے ایک ایوان خالی کر دیا گیا اس کا انتظام کیا گیا کہ باہر سے پانی کا چشمہ قلعہ میں لایا جائے، ان کی خدمت اور راحت کے لئے اجازت دی گئی کہ ان کے بھائی زین الدین ابن تیمیہ بھی ان کے ساتھ قیام کریں، حکومت نے ان کے مصارف کے لئے ایک معقول رقم بھی مقرر کی۔

ان کے محبوس ہو جانے کے بعد لوگوں کو انتقامی کارروائی کرنے کا موقع ملا اور ان کے حاشیہ و مخالفین نے ان کے مخصوص دوستوں اور شاگردوں پر دست درازی کی، بعض حضرات کو جانوروں پر سوار کر کے گشت کرایا گیا، اور شہر کی گئی، پھر قاضی القضاة کے حکم سے ایک جماعت کو قید بھی کر دیا گیا، کچھ دنوں کے بعد سب کو رہا کر دیا گیا، لیکن شیخ الاسلام کے مایہ ناز شاگرد اور جانشین حافظ ابن قیم اپنے استاد اور شیخ کے ساتھ ہی رہے، اور ان کی وفات کے بعد رہا ہوئے۔

اہل علم و دین کا تاسف اور احتجاج

شیخ الاسلام کی اسارت اور نظر بندی جہاں حاسدین و مخالفین کی ایک قلیل جماعت کی شادمانی اور تسکین قلب کا سامان بنی وہاں ہزاروں اہل علم اور لاکھوں مسلمانوں کو اس پر سخت تاسف اور رنج ہوا، اور انھوں نے اس کو سنت کے مقابلہ میں بدعت کی فتح اور حق اور اہل حق کے لئے ایک ذلت کے مراد سمجھا، سلطنت کے مختلف گوشوں سے اور بڑے بڑے اہل علم و اہل دین کی جانب سے سلطان معظم (الملك الناصر) کی خدمت میں ایسے خطوط اور عرائض پہنچے جس میں اس واقعہ پر دلی تاثر اور استعجاب کا اظہار کیا گیا تھا، اس سلسلہ کا صرف ایک خط جو علماء بغداد نے سلطان کی خدمت میں بھیجا تھا، نقل کیا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کی دعوت اور شہرت تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی تھی اور تمام اہل حق کو ان کی ذات سے خاص تعلق اور شغف کی تھی، علماء بغداد لکھتے ہیں:-

لما قرع اهل البلاد المشرقية والتواهي	بلاد شرق اور ملک عراق کے باشندوں کو جیساں کا
العراقية التضييق على شيخ الاسلام	علم ہوا کہ شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ پر تنگی کی
تقى الدين احمد بن تيمية سلمة الله	جاری ہے تو اہل اسلام کو اس سے بڑی گرانی اور
عظم ذلك على المسلمين وشق على	اہل دین کو اس سے بڑی کوفت ہوئی اور دیکھا گیا کہ
ذوى الدين وارتفعت رؤس	المؤمنين کو اس سے بڑی مسرت اور عزت حاصل ہوئی
المؤمنين وطابت نفوس اهل الأهواء	اور اہل اہمونی اور بتدین کے دل باغ باغ ہوئے
والمبتدئين، ولما رأى علماء اهل	جب ان اطراف کے علماء کو اس واقعہ کی اہمیت
هذا الناحية عظم هذه النازلة من	کا علم ہوا، اور انھوں نے دیکھا کہ اہل بدعت اور
شماة اهل البدع واهل الأهواء	اہل باطل، اکابر فضلاء اور ائمہ علماء کی اس ذلت

باکابر الفضلاء وائمة العلماء انہو مال
 هذا الامر الفطیج والامر الشیع الی الحضرة
 الشریفة السلطانیة زادها الله شرفاً
 وکتبوا الجویہم فی تصویب ما لباب بہ
 الشیخ سلمہ الله فی فتاواہ و ذکر وامن
 علمہ و فضائلہ بعض ما ہوفیہ، و حملوا
 ذلک بین یدی مولانا ملک الامراء
 اعز الله انصارہ و ضاعت اقتدارہ
 غیرۃ منہم علی هذا الدین و نصیحة
 للاسلام و امر المؤمنین۔

اور ابتلاء پر خوشیاں مناسبت ہیں تو انہوں نے
 اس ناگوار واقعہ اور اس کے اثرات کی اطلاع
 بارگاہ سلطانی میں دینا ضروری سمجھا اور انہوں نے
 شیخ کے فتاویٰ کی تاثیر میں اپنے جوابات لکھ کر روانہ
 کئے، انہوں نے شیخ کے علم اور ان کے فضائل و کمالات
 کے متعلق اپنے تاثرات اور معلومات بھی قلمبند کئے،
 اور اس سب کو ملک معظم کی خدمت پہنچا دیا
 پیش کر دیا، اس سب کا محرک و باعث سوائے دینی
 غیرت و محبت اور اسلام اور سلاطین اسلام کی
 خیر خواہی کے کچھ نہ تھا۔

قلعہ میں شیخ کے مشاغل

عرصہ دراز کے بعد شیخ کو سکون کے لمحات اور کمیوٹی کی دولت حاصل ہوئی، غالباً اسی پر انہوں نے
 فرمایا تھا (فیہ خیر کثیر و مصلحتہ کبیرۃ) انہوں نے اس خلوت و انقطاع کی پوری قدر کی اور پورے
 انہماک اور ذوق و شوق کے ساتھ عبادت و تلاوت میں مشغول ہو گئے، اس سے جو کچھ وقت بچتا تھا وہ
 مطالعہ و تصنیف اور اپنی کتابوں کی تنقیح و تصحیح میں صرف کرتے تھے، جو خود ایک مستقل عبادت تھی،
 اس فرصت میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور روز تلاوت قرآن تھا، وہ اس مجلس میں دو سال رہے، اس مختصر
 مدت میں انہوں نے اپنے بھائی شیخ زین الدین ابن تمیمیہ کے ساتھ قرآن مجید کے اسی دور کے

جیل میں انھوں نے جو کچھ لکھا اس کا زیادہ تر حصہ تفسیر سے متعلق تھا، اس کا سبب بھی غالباً تلاوت کی کثرت اور قرآن مجید میں غور و تدبر تھا، بعض مسائل پر بھی انھوں نے رسائل اور جوابات لکھے، باہر سے جو اہم اور خاص علمی سوالات اور فقہی استفسارات آتے ان کے جوابات دیتے، اس طرح سوائے عمومی درس و وعظ کے ان کے سب کام جاری تھے اور کثرت تلاوت اور عبادت کا اضافہ تھا۔

نئی پابندیاں اور سامان مطالعہ و تحریر سے محرومی

شیخ جیل خانہ میں جو کچھ لکھتے تھے، لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور وہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتا، دوسرے رسائل و مسائل کے علاوہ جو انھوں نے جیل میں تحریر کئے ان کا ایک مستقل رسالہ مسئلہ زیارت میں تھا، جس میں انھوں نے مصر کے ایک مالکی المذہب قاضی عبدالشہین الاخوانی کی تردید کی تھی، اس میں انھوں نے ثابت کیا تھا کہ قاضی موصوف بہت قلیل العلم اور ناواقف آدمی ہیں، قاضی صاحب نے سلطان سے اس کی شکایت کی اور اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا، سلطان نے فرمان جاری کیا کہ شیخ کے پاس جتنی کتابیں کاغذ قلم و دوات ہے لے لیا جائے اور ان کے پاس کئی ایسا سامان نہ رہے جس کی مدد سے وہ تصنیف و تالیف کر سکیں۔ ۹ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۸ھ کو اس فرمان کی تعمیل کی گئی اور پڑھنے لکھنے کا سامان بحق حکومت ضبط کر لیا گیا، یکم رجب کو ان کے سب مسودات اور اوراق جیل سے اٹھا کر عادلیہ کے بڑے کتب خانہ میں داخل کر دیئے گئے، یہ کتابوں کی ساٹھ جلدیں اور ۱۴ کاغذ کے شیرازے تھے جن میں وہ لکھتے پڑھتے تھے۔

۱۴ ملاحظہ ہو رسالہ "الاخوانیہ" مطبوعہ مصر ۱۴۸۸ھ یہ عمارت المکتبۃ الظاہریہ کے سامنے ہے، اسی میں ابن خلدون نے اپنا

"البعث و فیات الایمان" لکھی اور ابن مالک صاحب الفیہ نے درس دیا، آج کل اس میں الجمعہ اسلامی العربی کا مرکز ہے۔

کوئلہ سے تحریر و تصنیف

شیخ نے اس پر بھی کسی جزع و فزع کا اظہار نہیں کیا، اور نہ حکومت سے کوئی شکایت کی، ان سے جب قلم و ودوات لے لئے گئے تو انہوں نے منتشر اوراق پر کوئلہ سے لکھنا شروع کیا، ان کے متعدد رسائل و تحریریں کوئلہ سے لکھی ہوئی ملیں، اور عرصہ تک اسی حالت میں محفوظ رہیں، اس مجبوری اور بے سروسامانی کی حالت میں وہ شاکر اور راضی برضا معلوم ہوتے ہیں، ان کو اس کا بھی احساس ہے کہ ان کو میدانِ جہاد کی فضیلت حاصل ہے، اور صورتِ حال میں کوئی تغیر نہیں ہوا، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:-

فمن وحدثه المحمد في عظيم الجهاد في سبيله	ہم کہنا لکھتے ہیں بڑے جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہیں،
بل جہادنا في هذا مثل جہادنا في اقصا قازان	ہمارا یہاں کا جہاد واقعہ قازان، جہاد کوستان جہیوں
والجبلية، والجهمية والامتادية وامثال	اور اتحادیوں (وحدۃ الوجود کے قائلین) وغیرہ کے
ذلك، وذلك من اعظم نعم الله علينا ولى	مقابلہ میں ہمارے گذشتہ جہاد سے کم نہیں ہے، یہ
الناس ولكن اكثر الناس لا يعلمون.	اللہ تعالیٰ کا ہم پر اور لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے،
	لیکن اکثر لوگ اس کی حقیقت سے واقف نہیں۔

تسلیم و رضا اور حمد و شکر

ایک دوسرے خط میں ان کی ایمانی کیفیت اور تسلیم و رضا کی شان اس طرح جھلکتی ہے:-

كل ما يقضيه الله تعالى فيه الخير والرحمة	اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لئے جو کچھ فیصلہ فرمائے اسی میں خیر
والحكمة، ان ربي لطيف لما يشاء انه	اور رحمت اور حکمت ہے (ان ربي لطيف لما يشاء)

ابن تیمیہ محمد بن زہرو۔

هو القوی العزیز العلیم الحکیم ولید الخ
 علی أحمد ضرر الامن ذنوبہ ما اصابک
 من حنة فمن الله وما اصابک من
 سیئة فمن نفاک فالعبد علیہ ان
 یشکر الله ویحمدہ دائماً علی کل حال
 ویستغفر من ذنوبہ فالشکر یوجب
 المزید من النعم والافتقار یدفع
 النقم ولا یقضى الله للموع من قضاء
 الاکان خیر الہ ان اصابہ سراء
 شکر وان اصابہ ضراء صبر فکان
 خیر الہ۔

بیشک وہ قوی، غالب اور علم و حکیم ہے انسان کو
 صرف اپنے گناہوں سے نقصان پہنچتا ہے ما اصابک
 من حنة فمن الله وما اصابک من سیئة
 فمن نفاک (تجھے جو بھلائی بھی پہنچے وہ اللہ کی
 طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے نفس کی
 طرف سے ہے) اس لئے بندہ کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ
 کا ہر حال میں شکر اور اس کی حمد کرے اور اپنے گناہوں سے
 استغفار اس لئے کہ شکر تازہ نعمتوں اور مزید انعامات کا
 موجب ہے اور استغفار غضب اور سزا کو دفع کرتا ہے
 اور اللہ تعالیٰ انسان کے لئے جو کچھ فیصلہ فرماتا ہے وہ
 اس کے حق میں بہتر ہی ہوتا ہے حدیث شریف میں آتا
 ہے کہ مومن کو جب سرت اور نعت حاصل ہوتی ہے تو
 شکر کرتا ہے جب مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر سے
 کام لیتا ہے اور یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔

ان کو اس حالت میں بھی اپنے مسلک کی صحت اور بے گناہی کا یقین ہے، وہ اپنا جرم اتنا ہی
 سمجھتے ہیں کہ انھوں نے ایک مسئلہ شرعی میں حاکم وقت کی بات نہیں مانی اور جس کو وہ حق... سمجھتے تھے
 اس پر اٹھے رہے لیکن وہ اپنے اس جرم کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کو ایمان و توحید کا مقتضاء سمجھتے ہیں۔

ان کا بڑے سے بڑا الزام یہ ہے کہ ایک انسان کی
 (جو دوسرے انسانوں کی طرح خدا کا ایک بندہ ہے)

غایۃ ما عند ہمانہ خولفت مرسوم
 بعض المخلوقین والمخلوق کا ثامن

کان اذا خالف امر الله تعالى ورسوله
لم يجب، بل لا يجوز طاعة في مخالفة
امر الله ورسوله باتفاق المسلمين۔

حکم عدول کی مخلوق خواہ حاکم وقت ہو یا سلطان
دورانِ جبائش اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت
کرنے کا تو اس کی بات کبھی نہیں مانی جائے گی، بلکہ
باتفاق مسلمین اللہ اور رسول کی مخالفت کی حالت
میں اس کی اطاعت جائز ہی نہیں۔

زندگی کے آخری دن اور وفات

شیخ الاسلام کے بھائی زین الدین عبدالرحمن کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اسٹی دور ختم کرنے کے بعد
جب نیا دور شروع کیا، اور سورہ قمر کی اس آیت پر پہنچے: **إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُظُوفٍ فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ
عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ** تو بجائے میرے عبداللہ بن محب اور عبداللہ الزرعی کے ساتھ دور شروع فرمایا، یہ
دونوں نہایت صالح شخص تھے اور آپس میں حقیقی بھائی تھے، شیخ کو ان کی قرأت بہت پسند تھی،
ابھی یہ دور ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ زندگی کے دن پورے ہو گئے۔

مرض وفات شروع ہوا، تو نائب دمشق (حاکم دمشق) عیادت کے لئے آیا، مزاج پرسی کے بعد
اس نے بڑی معذرت کی، اور کہا مجھ سے اگر کوئی تقصیر ہوئی یا تکلیف پہنچی ہو تو اللہ معاف کر دیا
جائے شیخ نے جواب میں فرمایا:۔

التي قد احلتك، وجميع من عاداني
وهو لا يعلم الى على الحق، واحللت
السلطان المعظم الملك الناصر من
حبسه، اياي، لكونه فعل ذلك مقلداً

میں نے تم کو بھی اپنی طرف سے معاف اور بکدروش
کر دیا ہے، اور ان سب لوگوں کو بھی جنہوں نے مجھ سے
دشمنی کی، اور ان کو میرا حق پر ہونا معلوم نہیں تھا، اور
سلطان معظم الملك الناصر سے بھی میرا کوئی مطالبہ اور

معدوراً ولم يفعل له لحظ نفسه وقد
داروگیر نہیں کہ انھوں نے مجھے مجبوس کیا، اس لئے کہ
احملت كل احد مئة ما بيني وبينه الا
انھوں نے یہ علماء کے اعتماد اور ان کی تقلید میں کیا ہے
من كان عدوا لله ورسوله (صلی اللہ
اور وہ معذور ہیں اس میں ان کی نفسانیت شامل نہیں
عليه وسلم)
میں نے شخص کو اپنے معاملہ میں متاثر کر دیا ہے صرف اس
شخص کو نہیں کیا، جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے۔

انتقال سے بیسٹ بائیس روز پہلے طبیعت خراب ہوئی، پھر درست نہیں ہوئی، یہاں تک کہ
۲۲ رذی القعدہ ۱۲۸۰ھ کی شب میں وقت موعود آ پہنچا، اور اس مجمع کمالات ہستی نے سترھ سال کی
عمر میں دنیا سے کوچ کیا، کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهٌ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“
شیخ الاسلام کی وفات کی اطلاع قلعہ کے موذن نے مینار پر چڑھ کر دی، برسوں پر جو چوکیدار
متعین تھے انھوں نے وہاں سے اعلان کیا، شہر میں بجلی کی طرح یہ خبر پھیل گئی، قلعہ کا دروازہ کھول
دیا گیا، اور اذن عام دے دیا گیا، لوگ جوق در جوق آتے تھے اور زیارت کر کے جلتے تھے، بہت سے
لوگ فرط محبت میں اس پیشانی کو بوسہ دیتے تھے، جو گھنٹوں خاک پر اپنے مالک کے سامنے ٹکی رہتی تھی۔
غسل سے پہلے ہی لوگوں نے قرآن مجید ختم کئے، مردوں کے بعد عورتوں کو آنے کی اجازت ہوئی
اور انھوں نے زیارت کی، غسل کے وقت صرف وہی لوگ رہ گئے جن کو غسل دینا تھا۔

جنازہ کی کیفیت اور تدفین

غسل کے بعد ایک نماز جنازہ قلعہ میں ہوئی، شیخ محمد تمام نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد جنازہ
باہر لایا گیا، قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان کے سب راستے ہجوم سے بھرے ہوئے تھے، چار گھنٹے دن
چوڑھے اجنازہ جامع مسجد (جامع اموی) میں پہنچا، ہجوم کا یہ حال تھا کہ فوج جنازہ کو اپنے گھیرے میں

لئے ہوئے تھی ورنہ جنازہ کی حفاظت اور انتظام مشکل تھا، مجمع کا کوئی اندازہ نہ تھا، اس ہجوم خلافت میں کسی نے بلند آواز سے پکار کر کہا "ہکذا تکون جنازاتہمۃ السنۃ" (سنت کے پیشواؤں کا جنازہ اسی شان کا ہوتا ہے) یہ سن کر اور کھرام چ گیا۔

ظہر کے بعد نماز جنازہ ہوئی، نخطہ بلجظہ ہجوم بڑھتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ میدان، گلیاں بازار سب بھر گئے، ہر طرف مجمع ہی مجمع نظر آتا تھا، بازار بند تھا، اور کھانے کی دوکانیں سب بند تھیں، بہت سے لوگوں نے روزہ کی نیت کر لی کہ آج کھانے پینے کا ہوش نہیں۔

نماز جنازہ کے بعد جنازہ اٹھا، کاندھادینے کا موقع نہ تھا، جنازہ انگلیوں و سرسوں پر جا رہا تھا، ہر طرف گریہ بکا کی صدا میں بلند تھیں، ہر زبان اور ہر لب پر مدح و توصیف اور دعل کے الفاظ تھے، لوگ فرط عقیدت میں رومال اور کپڑے پھیک پھیک کر جنازہ سے مس کرتے تھے، شدت ازدحام سے لوگوں کے پاؤں کے جوتے اور کھڑاؤں نکل گئیں اور کپڑیاں اور رومال گر گئے، لوگ جنازہ کے دیکھنے اور اس کی مشائعت میں ایسے مجبور و مستغرق تھے کہ ان کو اپنے کپڑوں اور جوتوں کا ہوش نہ تھا، جنازہ سرسوں پر جا رہا تھا، کبھی کبھی آگے بڑھ جاتا تھا، کبھی پیچھے کھسک جاتا تھا، کبھی ٹھہر جاتا تھا، سوق انجیل میں ہنچکر مجمع کا کوئی حد و حشا نہیں رہا، جنازہ وہاں رکھا گیا، چھوٹے بھائی زین الدین عبدالرحمن نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، نماز کے بعد مقبرۃ الصوفیہ میں اپنے بھائی شرف الدین عبدالشر کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

۱۔ یہ قبرستان جو بڑے بڑے شاہراہی قلم و صلاح (مثلاً ابن عساکر، ابن الصلاح، ابن الاثیر، ابوالحجاج المزنی، حافظ عماد الدین

ابن کثیر وغیرہ) کا دفن ہے، اب بالکل ناپید ہو گیا ہے، اس پر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی ہیں، صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی قبر

جامعہ سوریک کے ہال اور اسپتال کی ایک عمارت کے سامنے ابھی تک موجود ہے، ۱۰ شوال ۱۳۵۸ھ (۲۸ جولائی ۱۹۴۵ء) کو علامہ

شام شیخ محمد ہجرت البیطار کی معیت و رہبری میں راقم مسطور نے اس کی زیارت کی، علامہ موصوف نے واقعہ سنا یا کہ یونیورسٹی

کا کسی تعمیر کے سلسلہ میں شب بھر میں مقبرہ کو کھنڈا ڈالا گیا، صبح جب اس کی اطلاع ہوئی تو صدر جمہوریہ شکر الیقوی نے عیسیٰ

(بال منظر)

جنازہ صبح کے وقت قلعہ سے نکلا تھا، لیکن ہجوم کی کثرت کی وجہ سے کہیں عصر کی اذان کے وقت
 دفن کی نوبت آئی، بظاہر سارا شہر جنازہ کی مشالیت میں تھا، حاضرین کا کم سے کم اندازہ ۶۰ ہزار سے
 ایک لاکھ تک کیا گیا ہے، ۵۰ ہزار صرف عورتوں کا اندازہ ہے، جو جنازہ میں شریک تھیں، جو بالا خانوں
 اور چھتوں سے دیکھ رہی تھیں، اس کے علاوہ ہیں، جنازہ میں ایسا ہجوم دمشق کی تاریخ میں دیکھا نہیں
 گیا، ممکن ہے بنی امیہ کے زمانہ میں جب دمشق کی آبادی بہت تھی، اور وہ دارالخلافہ تھا، کسی کے جنازہ
 میں ایسا ازدحام ہوا ہو۔

نماز جنازہ غائبانہ

اکثر اسلامی ممالک میں یہاں تک کہ اقصائے جنوب اور اقصائے مشرق میں غائبانہ نماز جنازہ
 پڑھی گئی، ابن رجبؒ ذیل طبقات احنابلہ میں لکھتے ہیں:۔

اکثر قریب بعید ممالک اسلامیہ میں نماز جنازہ غائبانہ	وصلے علیہ صلاۃ الغائب فی غالب بلاد
پڑھی گئی، یہاں تک کہ چین اور چین میں بھی نماز جنازہ	الاسلام القریبۃ والبعیدۃ حتیٰ فی الین
ہوئی، مسافروں نے بیان کیا کہ چین کے ایک بعید ترین	والصین واخبار المسافرون انه نودی
شہر میں جمعہ کے دن نماز جنازہ (غائبانہ) کا اعلان	باقصی الصین للصلاۃ علیہ یوم
ان الفاظ میں ہوا کہ "ترجمان قرآن کی نماز جنازہ ہوگی"	جمعة الصلاۃ علی ترجمان القرآن"

(باقی صفحہ ۱۲۵ کا) واٹر چائلڈ کو تیبیہ کی کہ ابن تیمیہ کی قبر اگر مدرس ہو گئی تو میں سلطان ابن سعود کو کیا جواب دوں گا، جن سے

میرے درتازہ تعلقات ہیں، چنانچہ وہ قبر باقی رکھی گئی جو ابھی تک محفوظ ہے۔

اسے یہ ساری تفصیل ابن کثیر نے شیخ علم الدین البرزالی کے حوالہ سے لکھی ہے، جو شیخ الاسلام کے معاصر اور رفیق درسی

نمایاں صفات اور کمالات

خدا داد حافظہ اور ذہانت

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اپنے دور میں علوم اسلامیہ میں جو مجتہدانہ مقام حاصل کیا، اور تفسیر و حدیث و فقہ میں بیک وقت اپنی امامت، تبحر اور غیر معمولی عبور کا جو نقش اپنے زمانہ پر قائم کیا، اس میں بہت بڑا دخل ان کے غیر معمولی حافظہ اور ذہانت کو تھا، جو ایک موہبتِ خداوندی اور ایک نعمتِ خداداد تھی، ابن تیمیہ کے عصر میں اسلامی علوم اتنی وسعت اختیار کر چکے تھے اور منقولات کا اتنا بڑا ذخیرہ مجتمع ہو گیا تھا کہ جو شخص غیر معمولی حافظہ کا مالک نہ ہوتا، وہ نہ اس وسیع ذخیرہ پر عبور حاصل کر سکتا تھا، مختلف فیہ اور مابہ التزاع مسائل میں اپنے نامور اور تبحر معاصرین کے سامنے لب کشائی کی جرأت کر سکتا تھا، اور نہ کسی مسئلہ میں کسی پیشرو عالم سے اختلاف کا حق رکھتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو جو حافظہ اور قوت استحصار عطا فرمائی تھی، اس کی مدد سے انھوں نے تفسیر حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم اختلاف (اختلافات ائمہ) علم کلام، تاریخ، سیر و آثار، علم رجال، لغت و نحو، کے اس وقت تک کے ذخیرہ پر عبور حاصل کر لیا، جتنی کتابیں اور ماخذ و مواد اس وقت موجود تھیں اور وہاں تک ان کی دسترس تھی، انھوں نے اس کا مطالعہ کیا، اور ان کے قومی اور امانت دار حافظہ نے اس کو محفوظ کر لیا، اور انھوں نے اپنی علمی اور تصنیفی زندگی میں اس سے اس طرح مدد لی، جیسا کہ ایک تجربہ کار جنگ آزما اپنے ترکش کے

ذخیرہ سے مدد لیتا ہے۔

ان کے معاصرین ان کے حافظ کی غیر معمولی قوت، استحضار اور نمایاں ذکاوت و ذہانت کے مداح اور معترف ہیں، اور اس پر معاصرین و متاخرین سب کا اتفاق ہے کہ وہ نہایت قوی الحفظ، سریع الفہم اور ذہین و ذکی تھے، ان کے رفیق درس علامہ علم الدین البرزالی کہتے ہیں "قل ان سمع شیئاً الاحفظہ وکان ذکیاً کثیراً المحفوظ" (وہ جو کچھ بھی سنتے یاد کر لیتے، کم اس میں تخلف ہوتا، وہ نہایت ذہین تھے اور کثرت سے ان کو چیزیں یاد تھیں) حافظ ذہبی جو فن رجال کے امام اور مورخ اسلام ہیں فرماتے ہیں: "ما رأیت اشداً استحضاراً للمتون وعزوہامہ، وکانت السنۃ بین عینیہ وعلیٰ طرف لسانہ" (میں نے ان سے زیادہ متون (حدیث کے الفاظ اور اصلی عبارات) کا یاد رکھنے والا اور بروقت ان سے کام لینے والا اور ان کا صحیح حوالہ دینے والا اور نسبت کرنے والا نہیں دیکھا، حدیث کا ذخیرہ تو ان کی آنکھوں کے سامنے اور زبان کی نوک پر تھا) ان کے حافظ کے لئے سب سے بڑی شہادت ان کے معاصرین کا یہ قول تھا کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ کہہ دیں کہ میں نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں ہے، حدیث کا ذخیرہ جتنا عظیم اور وسیع تھا، اور اس کو ہر وقت مستحضر رکھنا جتنا مشکل کام تھا، اس کے بعد حدیث کے بارہ میں تنہا ان کے حافظ اور علم پر اعتماد اور ان کے قول پر فیصلہ جب ہی ہو سکتا تھا جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، اور ان کا حافظ کبھی ان سے بے وفائی اور خیانت نہیں کرتا تھا، حافظ ذہبی کہتے ہیں "یصدق علیہ ان یقال کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیہ فلیس بحدیث" (ان کے متعلق

یہ کہنا درست ہوگا کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں ہے۔)

ان کے بعض معاصرین نے یہاں تک کہا ہے کہ کئی صدی سے ایسا قوی الحفظ انسان پیدا نہیں ہوا، علامہ کمال الدین ابن الزمکانی جو شیخ الاسلام کے ایسے معاصر تھے، جو مجلس مناظرہ میں ان کے

خریف رہے ہیں اور بہت سے مسائل میں ان کو ان سے سخت اختلاف رہا ہے ان کے اس وصفِ خدا داد کی شہادت ان الفاظ میں دیتے ہیں:-

لم یمن خمس مائة سنة او قتل
 پانچ سو سال سے یا چار سو سال سے (ناقل کو اس
 اربع مائة سنة - والشك من الناقل
 میں تردد ہے کہ پانچ سو سال کہے یا چار سو سال) ایسا
 احفظ منہ۔
 قوی الحفظ آدمی پیدا نہیں ہوا۔

ذہانت کے متعلق حافظ ذہبی کے الفاظ ہیں "کان یتوقد ذكاءاً" (وہ ذہانت کا ایک شعلہ تھے) دوسری جگہ لکھتے ہیں "کان ایتھ من الذكاء وسرعة الإدراك" (ذہانت اور سرعت فہم میں عجوبہ روزگار تھے)۔

تجربہ علمی اور جامعیت

اس خدا داد حافظہ اور ذہانت، علم سے خاندانی مناسبت، سخت محنت و مشقت، شوق مطالعہ اور ذوقِ علم اور سب سے بڑھ کر توفیقِ خداوندی سے انھوں نے اسلامی علوم اور رائج الوقت فنون و مضامین میں ایسا تجربہ اور جامعیت کی شان پیدا کر لی تھی کہ ان کے وہ نامور معاصرین جو سن میں ان سے بڑے اور اپنے زمانہ کے مسلم الثبوت استاد اور امام فن تھے ان کے تجربہ اور جامعیت کو دیکھ کر انگشت بند رہ جاتے تھے اور اس کی شہادت دیتے تھے کہ وہ علم کا دریا اور اسلام کا بولتا ہوا کتب خانہ ہیں اور ہر فن میں ان کو ایسا دخل ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی ان کا خاص فن ہے، علامہ تقی الدین ابن دقیق العید کا پایہ فن حدیث میں مسلم ہے اس زمانہ کے علماء بالعموم ان کو اپنا استاد اور بزرگ مانتے تھے ہشترہ میں جب ابن تیمیہ مصر گئے تو علامہ ابن دقیق العید سے ملاقات ہوئی، اس ملاقات کے بعد علامہ موصوف نے اپنا تائثر ان الفاظ میں ظاہر کیا:-

لہ الکوکب ص ۱۳۵ ۲۹ الرد الوافر ص ۲۹

نازل ہوا ہے، تیسرے یہ کہ اس میں تذکرہ ہے کہ یہودیوں سے بیگار نہیں لیا جائے گا، یہ ایک مہل بات ہے اس لئے کہ کیا یہودی کیا غیر یہودی کسی سے بیگار لینے کا دستور نہیں تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس ظلم اور زبردستی سے بالکل پاک تھے، وہ کسی سے بیگار نہیں لیتے تھے، یہ تو جاہل بادشاہوں کی ایجاد ہے، جو اس وقت تک چل رہی ہے، پوچھتی دلیل یہ ہے کہ اہل علم اہل معاذی و سیر مدین، و فقہاء و مفسرین میں سے کسی نے اس دستاویز کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ سلف کے زمانہ میں کبھی وہ نکالی گئی، بہر حال یہ دستاویز بالکل بناوٹی اور بے اصل ہے، اور جعلی ہونے کی داخلی شہادتیں موجود ہیں، شیخ الاسلام کی اس تحقیق سے یہ طلسم ٹوٹ گیا، اور اس جعل کی قلعی کھل گئی ہے۔

ان کے تبحر علمی اور ذہانت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ ان کے ایک معاصر شیخ صالح تاج الدین بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر ہوا، ایک یہودی نے تقدیر کا ایک مسئلہ پوچھا تھا، اور اپنا سوال و اعتراض آٹھ شعروں میں لکھ کر بھیجا تھا، شیخ نے تھوڑی دیر تاہل کیا، پھر جواب لکھنا شروع کیا، ہم حاضرین مجلس یہ سمجھتے رہے کہ وہ اس کا نثر میں جواب دے رہے ہیں، جب وہ فارغ ہوئے تو کسی نے کاغذ اٹھا کر دیکھا اور ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب ہم کو یہ معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی قافیہ و ردیف میں شیخ نے ۱۸۴ اشعار میں ہر سبتہ اس کا جواب دیا تھا، اس جواب میں اتنے علوم آگئے تھے کہ اگر ان کی شرح و تفصیل کی جائے تو دو ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔

اس تبحر علمی اور جامعیت کو دیکھ کر ان کے معاصرین اور متاخرین نے ان کے متعلق نہایت بلند کلمات کہے ہیں، اور ان کو نادرہ روزگار و سرآمد محققین، آخر المجتہدین اور ایۃ من آیات اللہ شمار کیا ہے، ابن سید الناس (م ۳۳۴ھ) کہتے ہیں: "لم تر عین من رأی مثله ولا رأی عینہ مثل نفسه" (ان کے معاصرین اور دیکھنے والوں نے ان کا جیسا نہیں دیکھا، اور نہ انھوں نے خود اپنی نظیر دیکھی)

حافظ شمس الدین الذہبی جیسے وسیع النظر مورخ اور نقاد مبصر نے یہاں تک فرمایا ہے:-

وعلقت بين الركن والمقام لحلفت
ان ما رأيت بعيني مثله ولا والله
راى هو مثل نفسه فى العلم-
اگر رکن و مقام ابراہیم کے درمیان مجھے قسم دے کر
پوچھا جائے تو میں حلفیہ کہوں گا کہ زمیں نے علم میں
ان جیسا دیکھا نہ انھوں نے اپنا جیسا دیکھا۔

شجاعت اور فکری استقلال

ابن تیمیہ کی شجاعت و دلیری اور موت سے بے خوفی ان کے تمام معاصرین حتیٰ کہ ترک سرداروں اور فوجی افسروں کے لئے بھی حیرت انگیز تھی، مغلوں کے مقابلہ میں انھوں نے جس شجاعت و ہونمردی اور جس جرأت و بیباکی کا اظہار کیا اس پر خود قبچق کو جو اپنے زمانہ کا مشہور ترک فوجی افسر اور امیر تھا، سخت حیرت تھی، حافظ سراج الدین کے الفاظ ہیں:-

وكان اذا ركب الخيل يجول في العدو
كأفظم الشجعان ويقوم كأثبت
الفرسان وينكى العدو من كثرة
القتل بهم ويخون بهم خوفاً
رجل لا يخاف الموت-
جب وہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو دشمن کی صفوں
میں اس طرح گھومتے تھے جیسے بڑے سے بڑا بہادر
اور اس طرح کھڑے رہتے تھے جیسے بڑے سے بڑا
ثابت قدم شہسوار وہ دشمن کو اپنے حلوں سے چور
کرتے تھے اور اس بے تکلفی سے فوج میں گھس
جاتے تھے جیسے ان کو موت کا کوئی ڈر نہیں۔

لیکن یہاں ان کی اس شجاعت کا تذکرہ مقصود نہیں جو جنگ کے میدان اور سلاطین کے مقابلہ میں کلمہ حق بلند کرنے میں ان سے ظہور میں آئی، اس کی کچھ تفصیل پچھلے اوراق میں گزر چکی ہے

یہاں ان کی اس شجاعت کا اظہار مقصود ہے، جو قلمی معرکوں، علمی میدان اور تحقیق اور اظہارِ حق میں ان سے ظاہر ہوئی۔

اہل علم ناظرین کو اس کا اندازہ ہے کہ اکثر مسائل میں وہ منفرد نہیں، ان مسائل پر پہلے بھی بحثیں ہوئی ہیں، اور مسائل لکھے گئے ہیں، اور ان کے زمانہ میں بھی ان کے متعدد معاصران کے ہم خیال تھے، مگر جس جرأت و شجاعت اور جس صاف گوئی اور بلند آہنگی کے ساتھ انھوں نے اپنے خیالات و تحقیقات کا اعلان کیا، اور تقریر و تحریر میں بے محابا بیان کیا، وہ ان کا خاص حصہ تھا، اوجید خالص کی وضاحت، استغاثہ و استعانت بغیر التکرر کی تردید بدعات و منکرات زمانہ کی مخالفت اور صِدْقِ الْوَجْہِ اور حلول و اتحاد کے خلاف قلمی و لسانی بہادری، مدعیانِ تصوف اور معتدین کی تلبیسات کی پردہ دری میں انھوں نے جس شجاعت و بے خوفی کا اظہار کیا، اور جن مسائل و تحقیقات کو وہ حق سمجھتے تھے، خواہ وہ کلامی مباحث سے متعلق ہوں یا فقہی مذاہب سے، ان کو جس طرح انھوں نے مدلل و پرزور طریقہ پر بیان کیا، اور ان کے ثبوت کے لئے جو مقدمات و دلائل قائم کئے اور آخر دن تک جس طرح اپنے ان خیالات و عقائد پر قائم رہے، اور ان کے راستہ میں تکلیفیں برداشت کیں، اس سے ان کی نہ صرف شجاعت و انتقامت بلکہ عظمت و امامت کا ثبوت ملتا ہے، ذہبی ان کی اس علمی و دینی شجاعت و انتقامت کا ذکر ان بڑا حانہ الفاظ میں کرتے ہیں:۔

انھوں نے اپنے مفہوم کے لئے ایسی تعبیرات استعمال	اطلاق عبارات اجماعہا الاولون
کیں، جن کی تقدیم و تاخیر کو جرأت نہیں ہو سکی	والآخرون وھا لواء جسرہ وعلیہا
تھی، یہاں تک کہ نتیجہ نکلا کہ مصر و شام کے علماء کا	حشی قام علیہ خلق من علماء مصر
ایک نبوہ ان کا مخالفت ہو گیا، اور اس نے ان کی	والشام فیامالامریہ علیہ ویتھوہ
مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، ان علماء نے	و ناظروہ وکاتبوہ وھو ثابت

لايداهن ولايجالى بل يقول الحق المتر
الذى اذاه اليه لجهادة وهدية ذهنه
وسعة دائرته فى السنن والاقوال مع
ماشتهر عنه من الورع وكمال الفكر
وسرعة الادراك والخوف من الله
العظيم والتعظيم لحرمان الله فجرى
بينه وبينهم حملات حربية ووقعات
شامية ومصرية وكم من نوبة رموه عن
قوس ولحمة فنجيه الله له

ان پر بدعت کا الزام لگایا، مناظرے کئے، مراسلت
کی، لیکن وہ ان تمام حالتوں میں اپنے خیال و عقیدے
پر قائم رہے نہ انھوں نے مہانت کی نہ کسی کی رو رعایتاً
بلکہ وہی سچی کڑی بات کہتے رہے تو جوان کے اپنے
اجتہاد، غور و فکر، ذکاوت اور سنن و اقوال پر وسیع نظر
کی بنا پر سمجھ میں آئی تھی، تنہا یہی بات نہیں تھی، بلکہ
اس کے ساتھ ان کا زہد و ورع، بالغ نظری، ہرعت، فہم،
خوب خدا، حدود و احکام الہی کا ادب و تعظیم بھی مثال
تھی، ان کے اور ان کے معاصرین و مخالفین کے
درمیان بڑے بڑے معرکے اور شام و مصر میں بڑے
بڑے مقابلے ہوئے، کتنے بار اس کی نوبت آگئی کہ
سب گروہ ایک طرف تھے، اور وہ تنہا ایک طرف،
پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے مخالفین کے ضرر سے بچایا۔

ابن تیمیہ اپنے معاصرین میں اپنے علمی تبحر میں ضرور ممتاز تھے، جیسا کہ ان کے معاصرین نے بلند
کلمات میں اس کا اعتراف کیا ہے، لیکن ان کا اصلی امتیاز جس نے ان کو اپنے نامور اور فاضل معاصرین
میں یگانہ روزگار اور تالیخ میں زندہ جاوید اور یادگار بنا دیا، وہ تنہا ان کا علمی تبحر نہ تھا، بلکہ ان کا فکری
استقلال، ذوق تحقیق اور مجتہدانہ طرز تھا، انھوں نے ان ہی علوم و فنون کا اور انہی کتابوں کا مطالعہ
کیا، جن کا ان کے اکثر معاصرین نے مطالعہ کیا تھا، مگر انھوں نے انہی علوم اور کتابوں کے اندر اپنی

راہ پیدا کر لی، اور جلد خصوصی مقام حاصل کر لیا، نحو سب نے پڑھی تھی اور سب سیبویہ کو واجب التقلید نام
اس کے قول کو حروف آخر مانتے تھے، لیکن ابن تیمیہ نے "الکتاب" کا بھی (جس کو علماء نے نحو کا صحیفہ
اور نسخ کتب مانتے ہیں) ناقدانہ مطالعہ کیا تھا، ابو حیان نحوی نے جب سیبویہ کا حوالہ دیا، تو انہوں نے
صاف کہا کہ کیا سیبویہ کوئی نبی تھا، جس پر نحو اتری ہے، اس نے "الکتاب" میں ۸۰ مقامات پر غلطی کی
ہے، یونانی منطق و فلسفہ کے مطالعہ سے ان کے زمانے کے اکثر علماء و فقہاء محتاط تھے اور جنہوں نے
مطالعہ کیا تھا، وہ اس سے کم و بیش متاثر تھے، حدیث ہے کہ فلسفہ کے سب سے بڑے ناقد اور مسلمانوں میں اس کے
نبض شناس حجة الاسلام غزالی اپنی تصنیفات حتیٰ کہ احیاء العلوم کو یونانی الہیات اور فلسفہ اخلاق
کے اثرات سے کلی طور پر محفوظ رکھ سکے اور ان کی بہت سی تصنیفات میں مؤرخین فلسفہ کو یونانی فلسفہ
کی جھلک اور پرچھائیاں نظر آئی ہیں، لیکن ابن تیمیہ نے یونانی منطق اور فلسفہ کے خلاف علم بغاوت
بلند کیا، اور اس سے وہ کہیں سمجھوتہ کرتے نظر نہیں آتے، انہوں نے کتاب "الرد علی المنطقیین" میں یونانی
منطق و فلسفہ کے مسلم الثبوت مسائل و مقدمات پر ناقدانہ بحث کی ہے، اور ان پر عمل جراحی کر کے اس کے
پورے نظام کو مجروح اور اپنے اعتراضات کے تیروں سے چھلنی کر کے رکھ دیا ہے، فقہ و حدیث میں بحث
و نظر کے عرصہ سے کچھ محدود دائرے بن گئے تھے، جن سے باہر قدم نکالنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا
تھا، اور عرصہ دراز سے اس ذخیرہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا، ابن تیمیہ نے بہت سے فقہی مسائل
پر جو طے شدہ سمجھے جا رہے تھے، از سر نو غور کیا، اور اپنی تحقیقات کے نتائج پوری شجاعت اور علمی
سنجیدگی کے ساتھ پیش کئے، جس کا اثر یہ ہوا کہ دماغوں اور علمی حلقوں کی ساکن سطح میں پھر جنبش پیدا
ہوئی، اور غور و فکر کا دروازہ کھلا، آخر میں انہوں نے استقلالاً محض کتاب و سنت اور آثار صحابہ
کی بنا پر فتوے دینے شروع کئے، حافظ ذہبی ان کی زندگی میں لکھتے ہیں:

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فلسفہ الاخلاق فی الاسلام و صلا تہا بالفلسفۃ الاغریقیۃ، اور تاریخ الاخلاق، از ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ

وله الآن عدة سنين لا يفتي بذهب
 معين بل بما قام الدليل عليه ولقد
 نصر السنة المحضة والطريقة
 السلفية ببراہین ومقدمات
 وامور لم يبق اليها
 او صرہ کئی سال سے (مذہب راجع میں سے) کسی
 مذہب معین کے مطابق فتوے نہیں دیتے بلکہ جس
 مذہب کی دلیل پاتے ہیں اس کے مطابق فتویٰ دیتے
 ہیں انھوں نے سنتِ خالصہ اور طریقہ سلف کی
 نصرت میں ایسے دلائل مقدمات اور وجوہ قائم
 کئے جن میں وہ منفر دہیں کسی نے اس سے پہلے ایسے
 دلائل و مقدمات قائم نہیں کئے۔

ان اجتہادات میں وہ کبھی کبھی منفر د بھی نظر آتے ہیں ان سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں جیسے کہ
 ہر غیر معصوم سے ہوتی ہیں ان کے دلائل ہر مسئلہ میں ضروری نہیں کہ قوی اور واجب التسلیم ہی ہوں
 لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنے مقصد میں مخلص تھے وہ نفس پرستی، خواہشات کی پیروی، اہولت پسندی
 یا کسی مصلحت کی خاطر کسی امام کے مسلک کسی مذہب فقہی یا جمہور کے قول کو ترک کر کے کسی مسئلہ کا استنباط
 نہیں کرتے تھے بلکہ وہ طالبِ حق، دلیل کے پابند اور کتاب و سنت کے تابع تھے اس بارہ میں حافظ
 ابن حجر عسقلانی شافعی صاحب "فتح الباری" کا یہ ارشاد قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے وہ فرماتے ہیں:-

انه شيخ مشايخ الاسلام في عصره
 بلا ييب والمائل التي أنكرت عليه
 ما كان يقولها بالتشقي ولا يصرح على
 القول بها الا بعد قيام الدليل عليه
 غالباً فالذي اصاب فيه وهو الاكثر
 وہ بلا شبہ اپنے زمانہ کے شیخ المشائخ تھے جن مسائل
 میں ان پر اعتراض ہوا ہے وہ بھی انھوں نے نفیاً
 کی بنا پر نہیں کئے، عموماً جب ان کو اس کی دلیل
 پر اطمینان ہو جاتا تھا، جب وہ ان پر اصرار کرتے
 تھے، جن مسائل میں وہ برسرِ حق ہیں اور وہی تعداد

لامن اهل ولا من مالہ

نہیں کیا، جو ان کو اللہ تعالیٰ سے مشغول کرے اور

جس میں وہ منہمک ہوں، انہ کو گھر والے نہ مال۔

ان کے مشاغل و افکار علم و دین کے انتہاک اور مصروف زندگی نے (جس کا خاصہ حصہ حیل و نظر بندی میں گذرا) ان کو اس کی بھی مہلت نہ دی کہ وہ نکاح کریں، انہوں نے ساری عمر تہجد اور طالب علمانہ و مجاہدانہ زندگی میں گزار دی، صاحب الکواکب الدریتہ "ان کے روزمرہ کے معمولات اور نظام الاوقات اس طرح بیان کرتے ہیں:-

و لا يزال تارة في افتاء الناس وتارة في	وہ کبھی فتویٰ دینے میں مشغول ہوتے کبھی لوگوں کی
قضاء حوائجهم حتى يصلي الظهر مع	ضرورتیں پوری کرنے میں یہاں تک کہ ظہر کی نماز جماعت
الجماعة ثم كذا لك بقية يومه ثم يصلي	کے ساتھ پڑھتے، پھر دن کا باقی حصہ اسی طرح گزارتا،
المغرب ويقراء على الدرس ثم يصلي	پھر مغرب پڑھتے اور اسباق شروع ہو جاتے، پھر عشاء
العشاء ثم يقبل على العلم الى ان	پڑھتے پھر درس و مطالعہ شروع ہو جاتا یہاں تک کہ
يذهب طويلا من الليل وهو في	بڑی رات گزار جاتی، وہ اس اثناء میں دن میں بھی
خلال ذلك كله الليل والنهار لا يزال	اور رات میں بھی برابر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور کلمہ توحید
يذكر الله تعالى ويوحده ويستغفره	و استغفار میں مشغول رہتے۔

علم اگر کسی مدرس یا مفتی کے لئے ایک ضرورت، وقتی مشغلہ اور خدمت کی حیثیت رکھتا ہو، تو ابن تیمیہ کی وہ غذا اور اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا، اور ان کی طبیعت ثنائیہ ہو گیا تھا، شیخ سراج الدین ابو حفص البزار فرماتے ہیں:-

وكان العلم كأنه قد اختلط بجمعه

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم ان کے رگ و ریشہ میں ہر ایت

وساثرہ فانہ لم یکن مستعاراً بل کان لہ
شعاراً و دثاراً۔
ان کے لئے کوئی عارضی اور وقتی مانگے کی چیز نہیں
رک گیا ہے اور گوشت پوست بن گیا ہے، علم

تھی ان کا اور صفا بچھونا تھا۔

ان کے اخلاص و تلہبیت کی ایک بڑی دلیل یہ تھی کہ انہوں نے اپنے حریفوں اور بدخواہوں کو
ہر موقع پر معاف کیا اور صاف اعلان کر دیا کہ اخلت کل مسلم عن ایذائہ لی "السلطان الناصر
کی واپسی کے بعد اس کے اصرار کے باوجود انہوں نے اپنے سب سے بڑے حریف قاضی ابن مخلوف کو
جس طرح معاف کیا، اور سلطان سے ان کی اور تمام شرکاء و علماء سے سلطنت کی جس طرح تعریف
و سفارش کی، اس سے ان کی بے نفسی، عالی ظرفی اور اخلاص کا اندازہ ہوتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ
ان کا سارا اختلاف علمی و دینی بنیاد پر تھا، اس میں نفسانیت اور ذاتیات کا ثابہ بھی نہ تھا، اس
اخلاص و انہماک کا نتیجہ یہ تھا کہ انہوں نے ۶۷ سال کی مصروف اور پُر از حوادث و واقعات اور
تلاطم خیز زندگی میں تصنیفات و تحقیقات اور علمی آثار کا ایک ایسا ذخیرہ چھوڑا جو اہل علم کی ایک پوری
جماعت کے لئے سرمایہ فخر بن سکتا ہے، اسی اخلاص و انہماک کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے زمانہ پر ایسے
دیر پا اثرات چھوڑے کہ وہ بجا طور پر ایک نئے دور کے بانی اور ایک عہد آفرین شخصیت کے مالک
کہے جاسکتے ہیں۔

ان کی تصنیفی خصوصیات

ابن تیمیہ کی تصنیفات کچھ منفرد خصوصیات رکھتی ہیں جو اس عصر کی عام تصنیفات سے ان کو
نمایاں طور پر ممتاز کرتی ہیں، اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد اور بڑے اہم علمی و

ذہنی انقلابات کے باوجود ابھی تک نئی نسل کے دل و دماغ کو متاثر کرتی ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس عقلیت پسند اور جدت طلب دور میں وہ از سر نو مقبول ہو رہی ہیں ان خصوصیات میں چار چیزیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

۱۔ ابن تیمیہ کی تقریباً ہر تصنیف کے ناظر پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف مقاصد شریعت اور روح دین کا راز داں ہے اس کے ہاتھ میں دین کے سرے (اطراف و اصول) آگے ہیں اس لئے ہر بحث میں اس کی بحث اصولی و مرکزی، تشفی بخش، اطمینان آفریں اور موجب یقین ہوتی ہے وہ جزئیات کے بجائے اصول پر زور دیتے ہیں اور بحث کا اس طرح آغاز کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہی دین کا مزاج اور اس کی روح ہے اور بدانتہا واضطراراً شریعت مجددی کا تقاضا ہے، اپنے معاصرین اور دوسرے مصنفین کے مقابلہ میں ان کے تفوق کا راز یہی مقاصد شریعت اور روح دین کی واقفیت اور ان کی کامیاب ترجمانی ہے جو ان کی ہر چھوٹی بڑی تصنیف میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے، خصوصاً جب وہ عقائد اور اہم کلامی و فقہی مسائل پر بحث کرتے ہیں۔

۲۔ ان کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں زندگی نظر آتی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کتابیں کسی علمی گوشہ یا الگ تھلگ جزیرہ میں نہیں لکھی گئی ہیں بلکہ عین زندگی کے میدان اور عوام کے بیچ میں لکھی گئی ہیں ان کی کتابوں سے آسانی کے ساتھ ان کے زمانہ کا تعین کیا جاسکتا ہے اور اس سوسائٹی کے ذہن و اخلاق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس سے ان کا مصنف متعلق تھا۔ پھر ان کتابوں سے ان کے جذبات، ہوش، پسندیدگی و ناپسندیدگی کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مصنف دل و دماغ اور انسانی احساسات و جذبات رکھنے والا

یہ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو "اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجحیم"

نمبر ۴۔ ان کی کتابیں عام کلامی و فقہی تصنیفات سے اس لحاظ سے بھی ممتاز ہیں کہ ان میں اس موضوع کی کتابوں کی طرح خشکی، پیچیدگی اور متون کی شان نہیں ہے، جن میں بالعموم ہر لفظ بندھاٹھا اور قانونی ہوتا ہے، ابن تیمیہ کی تصنیفات میں سلاست، زور، عربیت اور کہیں کہیں (بلا قصد) بلاغت و ادبیت اور خطابت کی شان پیدا ہو جاتی ہے، جو ان کی کتابوں کو (جو اکثر ضخیم دستر ہیں) دلچسپ، جاندار اور پر زور بنا دیتی ہے، خصوصاً جب وہ سلف کے طریق کی ترویج اور ان کی دینی و علمی و عملی و فکری فضیلت و تفوق پر بحث کرتے ہیں، تو ان کے قلم میں بڑا زور اور ان کی بحث میں "رجز" کی شان پیدا ہو جاتی ہے، ان کے معاصرین اور سوانح نگاروں نے ان کے حالات و کمالات کے سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ ان کی بلاغت و خطابت کا تذکرہ کیا ہے، حافظ ابو حفص کہتے ہیں:-

یجری کما یجری التیار و یفیض کما فیض	ان کے کلام میں سیلاب کی سی روانی اور سمندر کی سی
البحر و یمیر منذ یتکلم لی ان یفرغ کالغائب	طغیانی ہوتی ہے گفتگو کے آغاز سے لے کر اختتام تک
عن الحاضریں، مغتضاعینہ و یقع	وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نہیں ہیں وہ آنکھیں
علیہ اذ ذالک من المہابة ما یرعد القلوب	بند کر لیتے ہیں اور تقریر فرماتے ہیں اس وقت ان پر
و یجیر الایصار و العقول	ایسا دقار و جلال سا طاری ہوتا ہے کہ مجلس پر ایک

رعب سا چھایا ہوا ہوتا ہے۔

ان کی تصنیفات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کی روانی اور علم کی طغیانی ان کی مجلسوں سے مخصوص نہیں، ان کا قلم بھی ان کی زبان کا شریک ہے، اقصیٰ نے اپنے سفر نامہ میں اپنا یہی تاثر ظاہر کیا ہے، وہ لکھتا ہے، "قلمہ و لسانہ مقاریبان" (ان کا قلم اور ان کی زبان ایک دوسرے کے ہم پلے ہیں) ان محاسن کے ساتھ ساتھ ایک مؤرخ و نقاد کے لئے اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ان کی کتابوں

اور بحث میں انتشار ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال اور ادنیٰ مناسبت سے ایک دوسری بحث کا آغاز اور طوالت و اطنا بہت پایا جاتا ہے جو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے کے لئے (خصوصاً ان کے طرزِ تصنیف اور اسلوبِ کلام کا عادی نہ ہو) سخت ابتلا و امتحان کا سبب بن جاتا ہے اس کا بڑا سبب تو ان کی حدتِ ذہن، فرطِ ذکاوت، ذوقِ علم اور جوشِ طبیعت ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ذہن اور قلم بحث کرتے وقت ایک نقطہ پر جمنے نہیں پاتا، مضامین کا ورود اور انتقالِ ذہن اس شدت و سرعت کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ محدود نہیں رہ سکتے یہی ان کے درس کی خصوصیت تھی ان کے شاگرد ابو حفص البزار کہتے ہیں:-

کان ابن تیمیۃ اذا شرع فی الدرس یفتح	ابن تیمیہ جب درس کا آغاز کرتے تو اشرعاً لے
اللہ علیہ اسرار العلوم وغوامض و لطائف	ان پر علم کے اسرار، باریک باتیں، لطیف نکات،
ودقائق و فنون و نقول و استدلالات	دقیق مسائل، فنون، علماء کے اقوال و نقول اور
آیات و احادیث و استیجابات و اشعار	کلام عرب کے شواہد و امثال کا دہانہ کھول دیتا
العرب و هو مع ذالک میجر ہی مکالمی	اور ایسا معلوم ہونے لگتا کہ ایک سیلاب اور ایک
التیاری و یفیض مکالمی فی الحق۔	دریا منڈر رہا ہے۔

اسی انتقالِ ذہنی، ذوقِ مضامین و دلائل اور ذہنی تموج کی وجہ سے ان کے مناظرین کو مجلسِ مناظرہ میں بڑی دقت پیش آتی تھی، وہ اپنے بحث و مناظرہ میں اتنے مسائل چھیڑ دیتے اور اتنے علوم داخل کر لیتے کہ ان کے حریف کو ایک مرکز و منضبط بحث کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی، اسی وجہ سے شام اور مصر میں علماء و فقہاء عمومی مجلسوں میں ان سے بحث و مناظرہ کرنے سے اجتناب کرتے، اور اکثر معذرت کر دیتے، اس دشواری کو ان کے ایک فاضل ہم عصر اور مناظر شیخ صفی الدین الہندی

نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ما را در دیا بن تیمیہ الا کالعصفور حیث
ابن تیمیہ تم ایک چھوٹی چڑیا یا (کنجشک) کی طرح ہو
اردت ان اقبضہ من مکان قرانی
جب میں اس کو ایک جگہ سے پکڑنا چاہتا ہوں وہ
مکان اخری
اڑ کر دوسری جگہ جا پہنچتی ہے۔

ان کی یہ مزاجی خصوصیت (جو کسی کمی کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک زیادتی اور کمال، و فور ذکاوت و
علم کا نتیجہ ہے) ان کی تصنیفات میں بھی پائی جاتی ہے، طالب صادق اگر صبر و ہمت سے کام لے
اور اس دشواری پر عبور حاصل کر لے تو اس بحر موج سے بڑے قیمتی موتی نکال سکتا ہے۔



لہ نہنہ الخواطر ج ۲ ص ۱۴۶۔ ترجمہ محمد بن عبدالرحیم الارموی (الشیخ صفی الدین الہندی)۔

مخالفت کے اسباب

اور ان کے ناقدین و مدافعین

ان غیر معمولی علمی و ذہنی کمالات اور مسلم اخلاص و تدین کے ساتھ ایک سلیم الطبع انسان کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے معاصرین اور بعض متاخرین نے کیوں اس شدت سے ان کی مخالفت کی، اور ان کی ذات ان کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کیوں موضوع بحث بنی ہوئی ہے؟ ایسے جامع کمالات انسان کی عظمت و قبولیت پر تو سب کا اتفاق ہونا چاہئے، یہ سوال حق بجانب ہے، اور اس کا مستحق ہے کہ ان کی سیرت اور ان کی معاصر تاریخ کی روشنی میں سنجیدگی سے اس کا جواب دیا جائے۔

۱۔ اولاً تو یہی ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ ان کی ذات کے بارے میں شروع سے دو فریق بنے ہوئے ہیں، اور ان میں حریفانہ کشمکش جاری ہے، تاریخ میں جو شخصیتیں بہت ممتاز، غیر معمولی اور خارق عادت کمالات کی حامل ہیں، ان کے بارے میں ہمیشہ سے یہی طرز عمل رہا ہے کہ ایک گروہ ان کے معتقدین کا بن گیا ہے، جو ان کی تعریف میں غلو اور مبالغہ سے کام لیتا ہے، دوسرا گروہ ناقدین

لے یاد رہے کہ مخالفت اور اختلاف میں فرق ہے، اختلاف اہل علم اور اہل تحقیق کا حق ہے، اور یہ حق کسی دور میں علماء سے

سلب نہیں کیا جاسکتا، یہاں اختلاف سے نہیں، بلکہ مخالفت، تفسیل و تکفیر کے اسباب سے بحث ہے۔

مخالفین کا ہے، جو ان کی تنقید بلکہ تنقیص میں انتہا پسند اور غالی نظر آتا ہے، عظیم الشان اور غیر معمولی شخصیتوں کے بارے میں تاریخ کا یہ ایک ایسا مسلسل اور متواتر تجربہ ہے کہ بعض فلاسفہ تاریخ اور نفسیات "عظمت و عبقریت" کے مبصرین نے اس کو قاعدہ کلیہ اور شرط عظمت و عبقریت قرار دیا ہے۔

۲۔ ابن تیمیہ کی ذات میں ان کے معاصرین کے لئے سب سے بڑا ابتلا اور امتحان یہ تھا کہ وہ اس زمانہ اور اس نسل کی عام ذہنی و علمی سطح سے بلند تھے اپنے زمانہ کی سطح سے بلند ہونا ایک نعمتِ خداداد اور ایک قابلِ رشک کمال ہے، مگر اس کمال کی صاحبِ کمال کو بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، وہ صاحبِ کمال اپنے معاصرین کی طرف سے ایک مسلسل ابتلاء اور آزمائش میں رہتا ہے، اور وہ معاصرین اس صاحبِ کمال کی طرف سے زندگی بھر ایک مصیبت اور زحمت میں مبتلا رہتے ہیں، وہ اس کی تازگی، فکر، بلندی، نظر، قوتِ اجتہاد کا ساتھ نہیں دے سکتے، اور اس کے آفاقِ علم و فکر تک ان کی رسائی نہیں ہوتی، اور وہ ان کے معین و محدود اصطلاحات اور مدرسے محدود میں مقید نہیں رہ سکتا، وہ علم و نظر کی آزاد فضا اور قرآن و حدیث کے بلند اور وسیع آفاق میں آزادانہ پرواز کرتا ہے، ان کا مبلغ علم متقدمین اور اہلِ درس کی کتابوں کا سمجھ لینا ہوتا ہے، وہ واضح علوم اور بہت سے فنون کا مجتہد و مجدد ہوتا ہے، غرض مدارک اور استعدادوں کا یہ تفاوت اس کے اور اس کے مخلص معاصرین کے درمیان ایسی کشمکش پیدا کر دیتا ہے کہ یہ گتھی کبھی سلجھتی نہیں، اور وہ کبھی اپنے معاصرین کو مطمئن نہیں کر سکتا، ہر زمانہ کے صاحبِ کمال اور مجتہد الفن علماء نے اس کی شکایت کی ہے کہ ان کی تحقیقات اور علوم و مضامین ان کے زمانہ کی علمی و نصابی سطح سے بلند اور ان اہلِ علم کی دسترس سے باہر ہیں، جن کی پرواز فکر متداول کتابوں سے آگے نہیں، اور یہی بہت سے اہلِ علم کی مخالفت کا

سبب اور محرک ہے۔

۳۔ مخالفین کا ایک گروہ اس بنا پر مخالف تھا کہ وہ اپنی غیر معمولی ذہانت و علم اپنی شخصیت کی دلاویزی اور بلندی کی وجہ سے عوام و خواص میں مقبول اور حکومت کے اشخاص پر حاوی ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے علم و تقریر کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلتا، وہ جہاں رہتے ہیں سب پر چھا جاتے ہیں، درس دیتے ہیں تو درس کی دوسری محفلیں بے رونق ہو جاتی ہیں، تقریر کرتے ہیں تو علم کا دریا منڈتا نظر آتا ہے، وہی نے اس معنی خیز فقرہ میں دلوں کی اس چھپی ہوئی بات کو آشکارا کر دیا ہے۔

غیرانہ یغترف من بحی وغیرہ من

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو سمندر سے پانی لیتے

الائمة یغترفون من السواتی

ہیں اور دوسرے اکابر علماء چھوٹی چھوٹی نہروں

اور نالیوں سے پانی لیتے ہیں۔

ہر زمانہ کے علماء بہر حال بشر تھے، اور انسانوں ہی کا دل و دماغ اور انسانی احساسات رکھتے تھے، اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بہت سے لوگوں کے لئے ان کی مخالفت کا موجب یہی احساس کہتری اور انسانی طبیعت کی قدیم کمزوری تھی، جس سے بچنا بڑا مشکل کام ہے، امام ابوحنیفہؒ سے شدید اختلاف و عناد رکھنے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخین نے یہ شعر لکھا ہے جو ہر زمانہ پر صادق ہے۔

حَدِّ وَالْفَتَىٰ إِذْ لَمِيتَا الْوَاسِعِيَّةِ فَالْنَّاسِ اِعْدَاءُ لَهُ وَخَصْمُومِ

۱۔ افضل المتأخرین حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی تصنیفات میں جا بجا اس طرز اشارے کئے ہیں، ایک جگہ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں، چون این مقدمہ بایں آب و تاب در کتب کلامیہ نخواندہ تکمیل کہ وحشتہ بخاطر توراہ یادہ دوسری جگہ فرماتے ہیں، لیکن فہم این معنی بقایت دقیق است جمعے کہ سرمایہ علم ایشان شرح و قافیہ و ہدایہ باشد کجا

ادراک این سر دقیق تو انہ ذکر کردہ ج ۲ ص ۸۲ ۵۲ الکواکب الدریہ ص ۱۲۵

۲۲۔ بہت سے معاصرین کی مخالفت کا ایک قدرتی سبب شیخ الاسلام کی ایک مزاجی خصوصیت بھی تھی، جو بہت سے ان اہل کمال میں ہوتی ہے جو غیر معمولی طور پر ذہین، وسیع النظر اور کثیر المعلومات ہوتے ہیں، یعنی طبیعت کی تیزی اور ذکاوت جس، جو بعض اوقات ان کو اپنے بعض حریفوں کی سخت تنقید اور ان کے جہل اور عباوت اور قلت علم کے اظہار پر آمادہ کر دیتی ہے، اور شدت تاثر میں ان کی زبان سے بعض ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جس سے ان کے اہل علم معاصرین اور ان کے معتقدین تلامذہ کی دل شکنی اور تحقیر ہوتی ہے اور ان کے دل میں مستقل نفرت و عناد کے بیج پڑ جاتے ہیں، جو علمی و فقہی اصطلاحات، کفر و ضلال کے فتوے اور مسلسل مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، شیخ الاسلام کے معاصرین اور سوانح نگاروں نے ان کے فضائل و مناقب اور حالات بیان کرنے میں اس "مزاجی کیفیت" کو جو بہت حد تک ان کے حالات زندگی اور کمالات علمی و ذہنی کا نتیجہ تھی، نظر انداز نہیں کیا، علامہ ذہبی جو ان کے علمی و دینی کمالات سے ہی متاثر ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

تعتبره حدة في البحث، وخصب
وصدمة للخصوم، تزيح له عداوة
في النفوس، ولولا ذلك لكان كلمة
اجماع فان كبارهم خاضعون
لعلمه معترفون بانة بحج لاسهل
له وانزليس له نظير

بحث کے اثناء میں کبھی کبھی ان کی طبیعت میں تیزی اور غصہ پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے مقابل و مناظر پر ایسا وار کرتے ہیں جس سے طبیعتوں میں عداوت کا بیج پڑ جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے فضل و کمال پر سب اتفاق اور اجماع ہوتا اس لئے کہ ان کے نامور معاصرین اور اکابر علماء ان کی علمیت و قابلیت کے سامنے سرانگندہ ہیں اور صاحب اعتراضات کرتے ہیں کہ وہ ایک دریائے ناپید اکنار اور مخزن علوم ہیں جس کی کوئی نظیر نہیں۔

ان کی زندگی میں متعدد واقعات ایسے ملتے ہیں کہ کسی علمی و دینی مسئلہ میں اپنے معاصر کی کم فہمی یا اس کے

مطالعہ اور نظر کی کوتاہی ان سے برداشت نہ ہو سکی، اور انھوں نے برملا اس کا اظہار کر دیا اور اس ظہار کی وجہ سے ان کا وہ صاحب علم معاصر ان کا مستقل حریف اور معاند بن گیا چنانچہ مسئلہ زیارت میں جب تقی ابن الاختائی بالکی نے ان کا رد کیا، اور انھوں نے ان کا تردیدی رسالہ پڑھا تو انھوں نے اس کا جواب لکھا جس میں ظاہر کیا کہ موصوف نہایت کم علم اور قلیل المعلومات شخص ہیں، اور وہ اس مسئلہ میں خام فرسائی کی لیاقت نہیں رکھتے، ان کا تبصرہ ان کے لئے آزمائش کا باعث اور مزید تکلیفوں کا سبب بن گیا، ان کے بعض سوانح نگاروں کا خیال ہے کہ ان کی آخری نظر بندی اور اسارت کی طوالت اور سامان تحریر کی ضبطی کا سبب ان کا یہی تبصرہ اور اظہار خیال تھا۔

اسی طرح ابو حیان مفسر جو اپنے زمانہ کا امام نحو سمجھا جاتا تھا، ابن تیمیہ کی خدمت میں متقدماً و نیاز مند نہ حاضر ہوا اور ان کی منقبت میں ایک زوردار قصیدہ لکھ کر لایا جس کا مطلع تھا۔

لما اتانا تقی الدین لاح لنا داع الى الله فرد مالسه وذر

(جب ہمارے پاس تقی الدین (ابن تیمیہ) آئے تو ہم کو ایک سیاداعی الی اللہ نظر آیا جو اپنی خصوصیات

میں لکھا ہے اور جس کا کوئی ہمسر نہیں)۔

اور جس کا ایک شعر ہے:-

يا من يحدث عن علم الكتاب اصح هذا الامام الذي قد كان ينتظر

(اے شخص جو علم کتاب کی باتیں کرتا تھا، غور سے سن، یہی وہ امام ہے جس کا مدت سے انتظار تھا)

اشناعی گفتگو میں نحو کے کسی مسئلہ پر بات چیت شروع ہو گئی، ابو حیان نے اپنے قول کی تائید میں

سیبویہ کا حوالہ دیا، اس کی توقع تھی کہ ابن تیمیہ سیبویہ کا نام سن کر خاموش ہو جائیں گے، اور تسلیم خم

کر دیں گے، لیکن اس کی توقع کے بالکل خلاف اس کو جواب ملا کہ سیبویہ کوئی نحو کا نبی معصوم تو نہیں تھا

اس نے "الکتاب" میں ۸۰ جگہ غلطی کی ہے جن کو تم سمجھ بھی نہیں سکتے، یہ سن کر ابو حیان کی طبیعت ایسی منقص ہوئی کہ اس نے اس قصیدہ کو اپنے دیوان سے خارج کر دیا، اور ابن تیمیہ کا نہ صرف غیر معتقد بلکہ ہمیشہ کے لئے مخالف اور ناقدر بن گیا۔

۵۔ مخالفت کا ایک سبب ان کی بعض وہ تحقیقات اور ترجیحات ہیں، جن میں وہ متفرد اور مذاہب مشہورہ اور ائمہ اربعہ سے بھی بعض اوقات الگ نظر آتے ہیں، جن لوگوں کی فقر و خلاف کی تاریخ اور ائمہ و مجتہدین کے اقوال و مسائل پر وسیع نظر ہے ان کے لئے تو یہ "تفردات" کوئی وحشت کی چیز اور ابن تیمیہ کے فضل و کمال کے انکار کا موجب نہیں، وہ جانتے ہیں کہ اگر ائمہ مشہورین اور اولیائے مقبولین کے تفردات اور مسائل غریبہ جمع کر دیئے جائیں تو یہ تفردات بہت ہلکے اور معمولی نظر آنے لگیں، اور ان لوگوں کا حسن اعتقاد جو "تفرد" کو مقبولیت اور حقانیت کے منافی سمجھتے ہیں، اور ان کے لئے عظمت و ولایت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کا کوئی قول اور کوئی تحقیق مشہور تحقیقات کے خلاف نہ ہو، تزلزل میں پڑ جائے گا، خود شیخ محی الدین ابن عربی جن کی عظمت و ولایت کا ایک عالم قائل ہے ایسے بہت سے فقہی اور کلامی مسائل میں متفرد ہیں، جن میں وہ بالکل تنہا نظر آتے ہیں، اور ان سے پہلے کسی نے ان آراء اور تحقیقات کا اظہار نہیں کیا، ان کے یہ "تفردات" ان کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کے علمائے سنت کے لئے موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔

لیکن جن لوگوں کی نظر "خلائیات" پر اتنی وسیع نہیں، یا جو "متقدمین" کے لئے تو تفرد اور "شدوذ" کی اجازت دے سکتے ہیں، لیکن کسی صاحب کمال اور صاحب نظر معاصر کے لئے ان کے نزدیک اس کی گنجائش نہیں، ان کے لئے یہ تفرد بھی موجب مخالفت اور فساد عقیدہ اور ضلالت اور خرق اجماع کی دلیل بن گیا، اس سلسلہ میں امیر المؤمنین فی الحدیث حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ قول

لہ علامہ نعمان آلوسی نے جلاء العینین میں ان تفردات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، ملاحظہ ہو جلاء العینین ص ۳۳

(جو اوپر نقل ہو چکا ہے) بڑا مستدل و متوازن اور افراط و تفریط سے پاک ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

فَالَّذِي اصاب فِيهِ وَهُوَ الْاَكْثَرُ جن مسائل میں وہ اپنے اجتہاد سے صحیح نقطہ پر

يَسْتَفادِمُهُ وَيَتَرَحَّمُ عَلَيْهِ بِسَبَبِهِ پہنچ گئے ہیں اور تعداد میں وہی مسائل زیادہ

وَالَّذِي اخطأ فِيهِ لَا يَقْدِرُ فِيهِ بَل ہیں) ان میں تو ان سے استفادہ کیا جائے اور ان کی

هُوَ مَعذُورٌ وجہ سے ان کے حق میں دعائے خیر کی جائے اور

جن میں ان سے اجتہاد غلطی ہوئی ہے ان میں ان کی

تقلید نہ کی جائے بلکہ ان کو معذور سمجھا جائے۔

۶۔ ان کی مخالفت کا ایک قوی سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس طرزِ کلام اور صفات و تشابہات کی تاویل کے اس طریقہ کی مخالفت کی، جو عقیدہ اشعریہ بلکہ عقیدہ اہل سنت کے نام سے موسوم تھا، اور اس سے عدول یا توجہالت پر محمول کیا جاتا تھا، یا مخالفت اہل سنت پر اوپر تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ امام ابن تیمیہ نے اس سے پوری جرأت و قوت کے ساتھ اختلاف کیا، اور صفات کے بارے میں صحابہ تابعین، ائمہ مجتہدین، متکلمین، متقدمین امام ابو الحسن اشعری، قاضی ابوبکر الباقلائی اور امام احرار تک کا مسلک ان کے اقوال اور ان کی تصانیف سے بیان کیا، اور ان کی کتابوں کے اقتباسات سے ثابت کیا کہ سب حضرات ان صفات پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں، ان کی وہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق، لیس کلمہ شیء کے لائق اور تشبیہ و تبسیم نیز نفی و تعطیل سے منزہ اور پاک ہے، وہ دعوے سے کہتے ہیں کہ اس کے خلاف نصاً و ظاہراً ایک لفظ بھی صحابہ تابعین و سلف سے ثابت نہیں۔

اس وقت تمام عالم اسلام پر اشعری العقیدہ علماء و متکلمین کا اثر تھا، امام ابن تیمیہ کا یہ

اختلاف جو خالص علمی بنیادوں پر تھا، ایک بدعت اور یتیم غیر سبیل المؤمنین کا مرادف

سمجھا گیا، اور ان پر تجسیم کا الزام لگایا گیا، اس وقت چونکہ تاویل ہی پر زور دیا جا رہا تھا، اس لئے ان کا سارا زور قلم اسی کے مقابلہ میں صرف ہوا "تاویل" کی تردید میں ان کی اس بلند آہنگی سے لوگوں کو ان پر تجسیم کا شبہ ہوا، اس سلسلہ میں یہاں تک غلو کیا گیا کہ ان کی طرف وہ روایات منسوب کی گئیں جن سے ان کا صاف صاف فرقہ مجسمہ میں ہونا ثابت ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ وہ جامع اموی دمشق میں خطبہ دے رہے تھے، انھوں نے منبر کے ایک زینہ سے دوسرے زینہ پر قدم رکھا، اور کہا کہ جس طرح میں نے نزول کیا ہے بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نزول فرماتا ہے، امام ابن تیمیہ نے اور ان کے تلامذہ نے اس الزام کی پر زور تردید کی ہے اور بار بار کہا ہے کہ جس طرح وہ تعطیل کے متکرمیں اسی طرح تجسیم کے دشمن ہیں، پھر بھی تاویل کے خلاف انھوں نے ضرورتاً جس شد و حد سے لکھا اور کہا ہے اس کو مخالفین نے تجسیم کے ثبوت میں پیش کیا ہے، بہت سے علماء اور ان کے متبعین کی مخالفت کے ابا میں سے ایک قوی سبب یہ بھی تھا، اور حقیقت یہ ہے کہ تاویل و تجسیم کے درمیان کا یہ راستہ اتنا ہی نازک ہے کہ ہر شخص کی گرفت میں آنا مشکل ہے، پھر جبکہ جنابہ اور متکرمین تاویل میں سے متعدد اشخاص "تجسیم" کی سرحد میں داخل ہو گئے، امام ابن تیمیہ پر تجسیم کا الزام لگنا خلاف قیاس اور مستبعد نہیں، اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس الزام سے بالکل بری ہیں۔

۷۔ مخالفت کا ایک سبب شیخ اکبر شیخ محی الدین بن عربی کی مخالفت ہے، بہت سے

۱۔ یہ روایت ابن بطوطہ نے ایک چشم دید واقعہ کے اور اپنے سفر نامہ میں لکھی ہے، راقم سطور نے علامہ شامی شیخ ابو البیاط سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ تاریخی حیثیت سے یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے، خود ابن بطوطہ ذکر کرتا ہے کہ وہ دمشق رمضان ۷۲۶ھ میں آیا ہے، اور یہ بات مسلم ہے کہ شیخ الاسلام شعبان ۷۲۶ھ میں مجوس ہو چکے تھے، پھر ابن تیمیہ کبھی بھی جامع اموی کے خطیب نہیں رہے، اس زمانہ میں جامع اموی کے خطیب شیخ جلال الدین قرظی تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو ابن بطوطہ کو اشتباہ ہوا یا غلط بیانی سے کام لیا۔

لوگوں کے نزدیک خصوصاً جو تصوف کا مذاق رکھتے ہیں، ابن تیمیہ کا یہ جرم ناقابلِ معافی ہے اور ان کے تمام محاسن و کمالات پر پانی پھیر دیتا ہے کہ انھوں نے شیخ اکبر کے مشہور آراء و تحقیقات اور ان کے مسلک و وحدۃ الوجود کی پر زور تردید کی ہے اور وہ ان کے مخالفین میں سے ہیں۔

اس سلسلہ میں اگرچہ ہمارا مسلک اور ذوق بعینہ وہ ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ سرہندیؒ نے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

عجائب کار و بار است، شیخ محی الدین از
مقبولان نظری آید و اکثر علوم او کہ مخالف
آراء اہل حق اند، خطا و اصواب ظاہری شود۔
عجب معاملہ ہے شیخ محی الدین مقبولین میں نظر آتے
ہیں لیکن ان کے اکثر علوم جو اہل حق کے مسلک کے
مخالف ہیں، خطا اور نادرست معلوم ہوتے ہیں۔

اسی مکتوب میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں :-

اکثر معارف کشفیہ او از علوم اہلسنت
جدا افتادہ است از صواب و درست
بس متابعت نہ کند آن را، مگر کہے کہ دیش
مریض است یا مقلد صرف ہے۔
ان کے اکثر کشفی علوم جو اہل سنت کے علوم
سے اختلاف رکھتے ہیں، صحت سے دور
ہیں، ان کی پیروی یا تو وہ کرے گا جس کا
دل بیمار ہے یا مقلد محض۔

لیکن جہاں تک شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تردید و اختلاف کا تعلق ہے، وہ اس میں منفرد نہیں، صاحب جلاء العینین نے ان لوگوں کی فہرست دی ہے جو اس مسئلہ میں ابن تیمیہ کے ہمنا ہیں ان میں سے متعدد نے اس موضوع پر مستقل رسائل بھی تصنیف کئے ہیں، اس فہرست میں ہم کو علامہ سخاوی، علامہ سعد الدین تفتازانی، ملا علی قاری، حافظ ابن حجر عسقلانی، ابو حیان، مفسر شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام، حافظ ابو زرہ، شیخ الاسلام سراج الدین ابلیقینی جیسے نامور علماء و ائمہ فن نظر آتے ہیں۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مخالفت، شیخ اکبر سے ذاتی اور جذباتی نہیں، وہ دینی حمیت اور شرعی غیرت کی بنا پر ہے اور سلف اور خلف میں اس کی بیشمار نظیریں ملتی ہیں کہ اہل حمیت اور محققین شریعت نے جب کسی شخص کا کوئی ایسا قول دیکھا جو اس کو سنت و شریعت کے نصوص اور اس کے متواتر قطعی عقائد کے خلاف نظر آیا، تو انھوں نے اس قول کی تردید کی، اور صاحبِ قول کی عظمت و شہرت اور اس کی ولایت و مقبولیت کے آثار بھی اس کو اس تردید سے باز نہ رکھ سکے، اس لئے کہ ان کے نزدیک شریعت کی حرمت اور مقامِ نبوت کی عظمت ہر حرمت سے مقدم اور ہر عظمت سے بالاتر تھی، خود حضرت مجدد الف ثانیؒ ایسے مواقع پر اپنے فاروقی جوش اور حمیتِ دینی کے خروش کو روک نہیں سکے، اور بڑی قوت سے ایسے اقوال کی تردید کرتے ہیں، ان کو کسی نے لکھا کہ شیخ عبد الکبیرؒ یمنی اس کے قائل ہیں کہ اللہ عالم الغیب نہیں ہے اس پر تخریر فرماتے ہیں:-

مخدوم! فقیر کو ہرگز اس طرح کی باتیں سننے کی	مخدوم! فقیر کتابِ سماعِ امثال میں سخاں ہرگز
تائید نہیں، بے اختیار میری رگِ فاروقی حرکت	نہیں بے اختیار رگِ فاروقی در حرکت می آید
میں آجاتی ہے اور ایسے اقوال کی تاویل و توجیہ	و فرصت تاویل و توجیہ آن نمی دهد قائلین سخاں
کی فرصت نہیں دیتی، اس طرح کا مقولہ شیخ کبیر	شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی کلام محمد عربی
یمنی کا ہو یا شیخ اکبر شامی کا ہیں محمد عربی صلے اللہ	علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام در کار است
علیہ وسلم کا کلام در کار ہے نہ محمدی الدین (ابن عربی	نہ کلام محمدی الدین عربی و صدر الدین قونوی
و صدر الدین قونوی، اور عبد الرزاق کاشی کا، ہم کو	و عبد الرزاق کاشی مارا بنص کار است
نص سے کام ہے نہ کہ نص سے فتوحاتِ مدینہ	نہ بنص، فتوحاتِ مدینہ از فتوحاتِ کبیر

لہ خواہ وہ حقیقت میں نہ ہو، لیکن انسان اپنی نظر اور بصیرت و فہم ہی کا سگفت ہے، عالم السرائر اور عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔
 لہ نصوص کتاب و سنت مراد ہیں، شیخ اکبر کی مشہور کتاب نصوص الحکم کی طرف اشارہ ہے، لہ تعلیمات کتاب و سنت۔

مستغنی ساختہ است۔

نے ہم کو فتوحات کیلئے سے مستغنی کر دیا ہے۔

یہ حیثیت و جوش اور یہ اختلاف و انکار جس کا باعث و محرک دینی حیثیت اور کتاب و سنت کی حمایت و نصرت کے سوا کچھ نہ ہو، اور یہ اللہ اور اس کے رسول کو ماسوا پر ترجیح دینا اور جس سے محبت کرنا انہی کے لئے محبت کرنا، کسی شخص کے معائب میں شمار ہونے کے لائق نہیں، اس کے اعلیٰ فضائل و مناقب میں شمار کئے جانے کے لائق ہے، اس لئے کہ وہ اس حدیث کا صحیح مصداق ہے۔

ثَلَاثٌ مِنْ كَتَبْنَاهُ وَجَدِيحٌ حَلَاوَةٌ	تین باتیں جس میں ہوں گی اس کو ان کی وجہ سے
الْإِيمَانُ مِنْ كَانِ اللَّهُ وَرَسُولَهُ حَبِيبًا	ایمان کی حلاوت محسوس ہوگی ایک یہ کہ اللہ اور اس کا
إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَمَنْ لِحَبِيبِ عَبْدِ اللَّهِ	رسول ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ
لَا يُحِبُّهُ إِلَّا اللَّهُ، وَمَنْ يَكْرِهُهُ أَنْ يَعُودَ فِي	آدمی کسی شخص سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے
الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ	تیسرے یہ کہ اس کو کفر کی طرف واپس جانے سے
أَنْ يُبَلِّغَهُ فِي النَّارِ	اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے نجات
	دے دی ہو ایسی ہی نفرت معلوم ہوتی ہو جیسے آگ
	میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔

۸۔ ایک گروہ کو ان کی طرف سے شدید غلط فہمیاں اور مخالطے تھے، بعض غیر محتاط و متعصب مصنفین نے ان کی طرف ایسے اقوال کی نسبت کی تھی جو عام عقیدہ اہل سنت اور جمہور کے مسلک کے مطابق موجب کفر ہیں، اور بعض ایسے اقوال ان کی طرف منسوب کئے گئے جن سے مقام رسالت میں سوء ادب اور نقیص کا پہلو نکلتا ہے (اعاذنا اللہ وجميع المسلمين منه) یہ معاملہ تنہا امام ابن تیمیہ کے ساتھ نہیں کیا گیا، دوسرے اکابر امت بھی معاندین کی اس سازش کا شکار ہوئے ہیں، ان کی طرف نہ صرف ان

۹۔ مکتوبات امام ربانی، مکتوب خادم جلد اول۔ ۱۰۔ شیخ اکبر کی مشہور کتاب۔ ۱۱۔ بخاری و مسلم۔

اقوال و عقائد کی نسبت کی گئی جن سے وہ بالکل بری تھے بلکہ ان کی کتابوں میں ایسے مضامین شامل کئے گئے جو موجب کفر و ضلال تھے ایک قدم اس سے بڑھ کر مستقل کتابیں (جو کفریہ اقوال پر مشتمل تھیں) تصنیف کر کے ان کی طرف منسوب کر دی گئیں اور ان کی وسیع پیمانہ پر شاعت کی گئی حجۃ الاسلام امام غزالی کے ساتھ یہی سلوک ہوا، ایک بڑے گروہ علماء کا خیال ہے کہ المصنوعون بہ علی غیر اہلہ للضنون بہ علی اہلہ معارج القدس مشکوٰۃ الانوار بے اصل اور منحول کتابیں ہیں جو امام غزالی کے دشمنوں اور بدخواہوں نے تصنیف کر کے ان کی طرف منسوب کر دی ہیں شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں میں بھی امام شعرانی وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ عمل ہوا ہے اور مضامین و مواد کی آمیزش کی گئی ہے امام شعرانی خود اپنی کتابوں کے متعلق ایک دلچسپ اور عبرت انگیز تجربہ لکھتے ہیں *الاجوبۃ المرضیۃ* میں فرماتے ہیں کہ:-

”میری کتاب البحر المورود فی المواثیق و العہود میں بعض حاسدوں نے ایسے مضامین شامل کر دیئے جو مخالف شریعت تھے اور جامع ازہر وغیرہ میں ان کو خوب گشت کرایا، اس سے ایک فتنہ کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ میں نے اپنا صحیح اور محفوظ نسخہ علماء کے پاس بھیجا جس پر بڑے بڑے علماء و مشائخ اسلام نے تقریظ و توثیق لکھی تھی اس وقت ان کو ان اسحاقی مضامین کی حقیقت معلوم ہوئی اور فتنہ فرو ہوا“

ابن تیمیہ کے ساتھ شروع سے ان کے معاصرین اور بعض متعصبین کا جو معاملہ رہا ہے اس کی بنا پر یہ بات قطعاً محلّ تعجب نہیں کہ ان کی طرف بھی اقوال کفریہ اور اہانت آمیز مضامین کا ایک طومار منسوب کر دیا گیا ہو اور بہت سے مخلصین اور اہل حمیت علماء اس سے متاثر ہو کر ان کی مخالفت بلکہ تضریح و تکفیر پر آمادہ ہو گئے ہوں، خود آٹھویں صدی کے آخر اور نویں صدی کی ابتداء میں متعصبین و مخالفین کا ایک گروہ اس بارے میں اتنا غلو اختیار کر چکا تھا کہ وہ اس کا فتویٰ دیتا تھا کہ جو ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہے وہ کافر ہے اس کی تردید اور ان کی صداقت و عظمت اور امامت کے ثبوت میں حافظ شامی شمس الدین

الشافعی (م ۸۲۲ھ) نے اپنی مشہور کتاب الردّ الی الداعی من زعم ان من سمی ابن تیمیہ شیخ الاسلام

کاخو لکھی، جس میں تاسی اکابر و مشاہیر علماء و ائمہ فن کی رائے اور تاثرات و اعترافات اور ان کی عظمت و امامت کے متعلق ان کی شہادتیں نقل کیں، اس کتاب چرس میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی نے تقریظیں لکھیں، اور ان کی تائید اور شیخ الاسلام کی دل کھول کر تعریف و تحسین کی اور ظاہر کیا کہ وہ بلاشبہ صحیح العقیدہ سنی المسلک اور مسلم شیخ الاسلام تھے، علامہ عینی نے یہاں تک لکھا کہ من سبہ الی الزندقة فهو زندق وقد سارت تصانیفه الی الآفاق ولیس فیہا شیء مما یدل علی التبع والشقاق“ (جو ان پر زندقہ کا الزام لگائے وہ خود ملحد و زندقہ ہے، ان کی تصنیفات دنیا میں پھیل گئی ہیں، ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جو ضلالت اور مخالفت اہل سنت پر دلالت کرے۔)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ برابر جاری رہا، اور ان بے اصل اقوال و نقول کی نقل و نقل ہوتی رہی اور لوگ اس سے متاثر ہو کر ان کے خلاف قلم اٹھاتے رہے، اس سلسلہ میں سب سے پیش پیش دسویں صدی ہجری کے مشہور عالم اور مصنف علامہ ابن حجر مکیؒ ہیں، جنہوں نے ابن تیمیہؒ کے خلاف بہت سخت فتویٰ لکھا، اور ان کے متعلق ان کے قلم سے ”عبد خذالہ اللہ تعالیٰ واملہ واعمالہ“

یہ کتاب ایک مجموعہ میں جس کی جمع و ترتیب فرج الشاذلیؒ نے کی ہے، شیخ عبدالقادر ملسانی کے اہتمام سے مطبعہ کردستان مصر میں ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوئی، یہ شیخ کے حالات کا ایک بہت بڑا قیمتی ذخیرہ ہے۔

۱۰۰۰ ولادت ۱۰۰۹ھ (مصر) وفات ۱۰۶۳ھ (مکہ معظمہ) تصنیفات میں تحفۃ المحتاج (۲۰۳۰۱) ”الزواج عن عن اقتراح الکبائر الصواعق المحرقة“ اور ”الفتاویٰ الفقہیۃ والحدیثیہ“ خاص طور پر مشہور ہیں یہ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری کے علاوہ اور ان سے متاخر ہیں، ابن حجر عسقلانی حدیث کے مشہور امام اور نہایت محقق اور وسیع النظر عالم ہیں، متاخرین میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے، ابن حجر مکی علم و وسعت نظر و وسعت قلب اور تحقیق میں اپنے نامور ہم نام کو نہیں پہنچتے۔

واعتمہ واذلہ تجیہ الفاظ نکلے۔

لیکن اسی فتوے کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود علامہ ابن حجر نے ابن تیمیہ کی کتابیں نہیں پڑھی تھیں، اور ان کے معلومات ذاتی اور براہ راست نہ تھے، ان کا سارا اعتماد اور فتویٰ کی بنیاد ان منقولات و شہورات پر ہے جو اس زمانہ میں ان کے مخالفین اپنی کتابوں میں نقل کرتے اور اپنی مجلسوں میں ذکر کرتے تھے، وہ اسی فتویٰ میں شیخ الاسلام کے کلامی و فقہی تفردات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "وقال بعضهم ومن نظرانی کتبہ لمرئیب الیہ اکثر ہذا المسائل" (بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جس شخص نے ان کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کیا ہے، وہ مذکورہ بالا مسائل میں اکثر کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں مانتا) فتوے کے آخر میں پنا تروان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں: "فان متعمہ مکفرا و مبتدع یعاملہ اللہ تعالیٰ بعدلہ والایخفرا اللہ لنا ولہ" (اگر ان سے کوئی ایسا عقیدہ ثابت ہو گیا، جو موجب کفر یا بدعت ہے تو اللہ اپنے عدل کے ساتھ ان سے معاملہ کرے، ورنہ ہماری اور ان کی بخشش فرمائے)۔

اس فتویٰ کا جواب اور ابن تیمیہ اور ابن حجر کا فاضلانہ محاکمہ بغداد کے مشہور علمی خاندان کے رکن، فخر عراق علامہ محمود آلوسی صاحب "روح المعانی" کے نامور فرزند علامہ خیر الدین نعمان آلوسی زادہ نے اپنی ضخیم تصنیف "جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین" میں کیا ہے اور علامہ موصوف کے ایک ایک لفظ کا مفصل جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان منقولات کا ایک حصہ تو بالکل بے اصل اور بے بنیاد اور افتراء محض ہے، اور شیخ الاسلام کی کتابوں میں بالکل اس کے خلاف اور برعکس تصریحات اور بیانات ملتے ہیں، ایک حصہ (جو بہت ہلکا) ہے، وہ تفصیل کا محتاج ہے، اس کی یا تو وہ حقیقت نہیں جو بیان کی گئی ہے، یا وہ اس میں متفرد نہیں، اس کے علاوہ انھوں نے اس کتاب میں شیخ الاسلام کی سیرت اور حالات کا بھی ایک گراں قدر اور قیمتی ذخیرہ جمع

کر دیا ہے۔

ابن حجر مکی کے بعد سے اس وقت تک علماء محققین اور وسیع النظر اور منصف مصنفین علامہ ابن حجر سے اس بارے میں اپنا اختلاف ظاہر کرتے رہے اور اپنی تصنیفات و رسائل میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی برأت اور ان کی عظمت اور علم و مرتبت کا اظہار کرتے رہے خود علامہ ابن حجر مکی کے شاگرد رشید ملا علی قاریؒ کو شیخ الاسلام کے بارے میں اپنے استاد کی رائے سے اختلاف ہے وہ اپنی تصنیفات میں بڑے بلند تعریفی کلمات میں ان کا ذکر خیر کرتے ہیں، شرح شمائل ترمذی اور مرقاۃ مشرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

ومن طالع شرح منازل السائرین تبیین

لذہ انہما کا نام اکابر اہل السنۃ

والجماعۃ ومن اولیاء ہذا الامۃ۔

جو شخص منازل السائرین کی شرح (مدارج السالکین) کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم اہل سنت و جماعت کے اکابر اور اس امت محمدی کے اولیاء الثمین سے تھے۔

آخر میں امام المتأخرین شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی طرف سے پر زور دفاع کیا ہے اور صاف لکھا ہے کہ وہ نہ صرف سنی العقیدہ اور سلفی المسک عالم تھے، بلکہ شریعت کے بہت بڑے ترجمان اور وکیل اور کتاب و سنت کے مخلص خادم اور امت محمدیہ کے ایک حلیل القدر عالم تھے، ان کا وجود نوادروں اور روزگار میں سے تھا، جو صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔

۱۔ یہ کتاب جو باریک مہری ٹائپ کے ۲۶۲ صفحات میں ہے، ۱۲۹۵ء میں مطبع بولاق مصر میں طبع ہوئی ہے۔

۲۔ ہرات (افغانستان) کے رہنے والے تھے، اپنے زمانہ کے اکابر علماء میں شمار تھا، مکہ معظمہ کا سفر کیا، اور وہیں سکونت اختیار کر لی، مناسک حج اور فقہ و حدیث کے ممتاز ترین علماء میں تھے، تصنیفات میں مرقاۃ، شرح فقہ اکبر، شرح شفاء، شرح شمائل ترمذی، شرح نخبہ، شرح ثنایہ، شرح جزیریہ، خلاصۃ قاموس وغیرہ مشہور ہیں، تصوف و معرفت کے بھی لذت آخلتھے۔

۳۔ ۱۲۹۵ء کو وفات ہوئی، جامع ازہر مصر میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔

جن لوگوں نے ان کی مخالفت اور ان کا تعقیب کیا ہے، ان کو علم و نظر میں ان سے کوئی نسبت نہیں ہے، شاہ صاحب حاملین کتاب و سنت اور علماء اسلام کی تعدیل فرماتے ہوئے اور حدیث مشہورہ میں "هذا العلم من كل خلف عدوله" (اس علم کتاب و سنت کے حامل ہر نسل میں سے عادل لوگ ہوں گے) سے استدلال کرتے ہوئے شیخ الاسلام کے متعلق فرماتے ہیں:۔

اسی بنیاد پر ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں

عقیدہ رکھتے ہیں، ہم پر ان کے حالات سے ثابت

ہو چکا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے عالم اس کے نبوی

اور شرعی معانی سے بخوبی واقف، نحو و لغت

میں ماہر مذہب و حنابلہ کے فروع و اصول

کی تنقیح و تدوین کرنے والے، زکاوت میں

یگانہ، بڑے زبان آور اور عقیدہ اہل سنت

کی حمایت و مدافعت میں بڑے فصیح و بلیغ

تھے.....

ان سے کوئی فسق یا بدعت کی بات ثابت نہیں

بس یہی چند مسائل ہیں جن کے بارے میں

ان کے ساتھ سختی کی گئی، ان میں بھی کوئی

ایسا مسئلہ نہیں جس کے بارے میں ان کے

پاس کتاب و سنت و آثار سلف میں سے

کوئی دلیل نہ ہو، ایسے فاضل کی نظیر علم میں

و علی هذا الأصل اعتقدت انی شیخ

الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ،

فانا قد تحققنا من حالہ انہ عالم بکتاب

اللہ و معانیہ اللغویۃ و الشرعیۃ

و حافظ لسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم و آثار السلف عارف لمعانیہما

اللغویۃ و الشرعیۃ، استاذ فی النحو

و اللغة محترم المذہب الحنابلہ فروعہ

و اصولہ، فائق فی الذکاء ذولسان

و بلاغۃ فی الذب عن عقیدتہ

اہل السنۃ لم یؤثر عنہ فسق

و لایدعۃ اللہم الاھذی الامور

التي صتیق علیہ لاجلہا و لیس شی

منہ الا و معہ دلیلہ من الکتاب

و السنۃ و آثار السلف فمثل

هذا الشيخ عزيز الوجود في العلم
ومن يطيق ان يلحق شاقه في
تقريبه وتقريبه، والذين منيقوا
عليه ما يلخوامعشار ما اتاه الله تعالى
وان كان تضييقه ذلك ناشئا
من لجهاد ومشاجرة العلماء
في مثل ذلك ما هي الا مشاجرة
الصحابه رضي الله تعالى عنهم
فما بينهم والواجب في ذلك كشف

لمنى مشكل ہے اور کس کی مجال ہے کہ تحریر و
تقریر میں ان کے پایہ کو پہنچے اور جن لوگوں
نے ان پر تشدد کیا، ان کو ان سے ان کے
کمالات و خصوصیات میں کوئی نسبت نہیں
تھی، اگرچہ یہ تشدد ایک اجتہادی امر تھا
علماء کا اختلاف اس بارے میں مشاجرات
صحابہ ہی کی طرح ہے، اس میں مناسب
یہی ہے کہ زبان کو روکا جائے اور خیر کے
سوا کچھ منہ سے نہ نکالا جائے۔

اللسان الامتیر

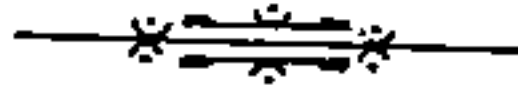
شاہ ولی اللہ صاحب کے اس تزکیہ و شہادت اور ان بلند تو صیفی کلمات کے بعد
کسی ایسے عالم یا مصنف کی جرح جس کی ابن تیمیہ کے آفاق علم و فکر تک رسائی نہ ہو کوئی

۱۔ یہ اس عربی مکتوب کا ایک حصہ ہے، جو حضرت شاہ صاحب نے اپنے ایک فاضل معاصر مخدوم معین الدین
ٹھٹھوی (ٹھٹھ صوبہ ہند) کے جواب میں لکھا تھا، فاضل موصوف نے شاہ صاحب سے امام ابن تیمیہ کے بعض
تقررات اور ان کے مخالفین کے اختلافات کا حوالہ دیتے ہوئے ان کے بارے میں آپ کی رائے پوچھی تھی،
یہ مجموعہ مکاتیب شاہ صاحب کے مشہور تلمیذ و مترشد خواجہ محمد امین کشمیری کا مرتب کیا ہوا ہے، یہ مجموعہ مکتوبات
مع مناقب ابی عبداللہ محمد بن اسمعیل البخاری و فضیلت ابن تیمیہ کے نام سے مطبع احمدی میں چھپانے جلاوا، ہند

میں بھی یہ عبارت مجتبئہ منقول ہے۔ (۲۵-۲۶)

علمی وزن نہیں رکھتی، حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو تبحر علمی، تنوع
 کمالات، مجتہدانہ فکر و نظر، اختلافات میں مسلک اعتدال اور علماء اسلام کی مرتبہ شناسی کا ملکہ
 عطا فرمایا تھا، اس کے بعد ان کا قول اس بابے میں قولِ فیصل ہے۔ ع۔

داستانِ فیصل گلِ خوش می سراید عند لیب



شیخ الاسلام ایک عارف باللہ اور محقق

عموماً لوگ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو ایک منکلم و مناظر و محدث اور فقیہ (جدلی) کی حیثیت سے جانتے ہیں، ان کے علمی کمالات اور ان کی مناظرانہ تصنیفات کا مطالعہ کرنے والے اپنے ذہن میں ان کا جو تصور قائم کرتے ہیں، وہ ایک نہایت ذہین و ذکی، وسیع العلم، قوی الحجّت اور ایک عالم ظاہر سے کچھ اور زیادہ نہیں ہوتا، ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ کو مستثنیٰ کر کے (جنہوں نے شیخ الاسلام ہروی کی کتاب منازل السائرین کی شرح مدارج السالکین میں اپنی اور اپنے محبوب استاد کی زندگی کا باطنی پہلو محفوظ کر دیا ہے) اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ دونوں اعلیٰ درجہ کے عارف باللہ اور صاحب ذوق و معرفت بزرگ تھے (جن لوگوں نے عام سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی مدد سے شیخ الاسلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، یا ان کے متأخر تبعین و منتسبین کو دیکھ کر ان کے متعلق قیاس کیا ہے) وہ ان کو ایک محدث خشک اور ایک عالم ظاہرین سے زیادہ مقام نہیں دے سکے، لیکن مدارج السالکین میں ابن قیمؒ نے جتہ جتہ شیخ الاسلام کے جو اقوال و احوال پیش کئے ہیں، اور علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کے تذکرہ میں برسبیل تذکرہ ان کے اخلاق و اذواق، عادات و شمائل اور اشغال و اعمال کا تذکرہ کیا ہے، اس کو سامنے رکھنے سے ایک منصف شخص ابن تیمیہ پر پہنچتا ہے کہ شیخ الاسلام کا شمار اس امت کے عارفین اور اہل الشر میں کیا جانا

چاہئے اور اس کو اس بات کا وجدان حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ان منازل پر فائز اور ان مقاصد کے
 بہرہ مند تھے جن کے حصول کے لئے سالہا سال ریاضت، مجاہدہ، ائمہ فن سلوک کی صحبت اور
 دوام ذکر و مراقبہ کا راستہ بالعموم اختیار کیا جاتا ہے، اور جس کو متاخرین صوفیہ نسبت مع الترتیب
 سے تعبیر کرتے ہیں "وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ"

اہل نظر اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ذوق و معرفت، ایمان حقیقی اور یقین اخلاص و استقامت
 تزکیہ باطن اور تہذیب اخلاق، کامل اتباع سنت اور فناء فی الشریعت وہ حقیقی مقاصد ہیں،
 جن کے لئے مختلف وسائل اختیار کئے جاتے ہیں، محققین ان مقاصد کے حصول کو کسی ایک سیلہ میں
 منحصر نہیں مانتے، بلکہ کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے (اور کچھ غلط نہیں کہا) کہ طرق الوصول
 الی اللہ بعد دأنفاس الخلائق، ابتداء میں ان مقاصد کے حصول کے لئے سب سے مؤثر اور طاقتور
 ذریعہ صحبت نبویؐ تھی جس کی کیمیا اثری عالم آشکارا ہے، اس نعمت سے محرومی کے بعد اطباء امت
 اور خلفائے نبوت نے اپنے اپنے زمانہ میں مختلف بدل تجویز کئے، آخر میں مختلف اسباب کی بنا پر صحبت
 اور کثرت ذکر پر زور دیا گیا، جس کا ایک منقح اور بدون طریقہ وہ نظام ہے جو تصوف و سلوک کے
 نام سے مشہور ہو گیا ہے، لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ ان مقاصد کا حصول ان وسائل پر منحصر
 نہیں، اجتناب و موہبت کے علاوہ ایمان و احتساب، محاسبہ نفس، سنتوں کا تتبع، کتب حدیث و
 شمائل سے محبت و عظمت کے ساتھ اشتغال، کثرت نوافل و دعا، کثرت درود، نیت و احتساب کے
 ساتھ خدمت خلق، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت و تبلیغ، ان میں سے کوئی ایک چیز بھی
 استحضار و اہتمام کے ساتھ تقرب کا ذریعہ اور حصول نسبت کا سبب بن سکتی ہے، وسائل مختلف

لہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "صراط مستقیم" ملفوظات حضرت سید احمد شہید جمع کردہ مولانا اسماعیل شہید و مولانا عبدالحی

بخصوص حصہ سلوک راہ نبوت۔

ہو سکتے ہیں لیکن مقصود ایک ہے، شیخ الاسلام کے حالات کے مجموعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مقصود حاصل تھا، اور اسی کا اظہار یہاں مقصود ہے۔

کسی شخص کے متعلق اس کے بے تکلف حالات و اذواق، اخلاق و عادات اور کیفیات دیکھ کر اس بات کی شہادت دی جاسکتی ہے کہ وہ عارفین و محققین اور مقبولین و کاملین میں سے تھا، اس کا کوئی ظاہری مقياس اور پیمانہ اور کوئی منطقی دلیل نہیں ہوتی، اہل الشر اور عارفین کے حالات بکثرت پڑھنے اور ان کی صحبت میں رہنے سے ایک سلیم القدرت اور صحیح الذوق انسان کو ایک ملکہ اور وجدان حاصل ہو جاتا ہے جس سے وہ اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے، لیکن پھر کبھی کبھی حالات و علامات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنی دینی سطح میں عوام سے بلند اور دین کی صحیح کیفیت و اذواق اور اہل الشر کے ان علاق سے بہرہ مند ہے، مثلاً ذوق عبودیت و انابت (توجہ الی اللہ) کی ایک خاص کیفیت، عبادت کا ذوق و انہماک، ذوق دعا و ابتهال، زہد و تجرید و تحقیر دنیا، سخاوت و ایثار، قروتی اور بے نفسی، سکینت و سرور کمال اتباع سنت، صاحبین میں مقبولیت اور علمائے وقت کی شہادت، تبعین و محبین کی دینداری اور حسن سیرت وغیرہ وغیرہ ہم اس موقع پر انہی عنوانات کے ذیل میں شیخ الاسلام کے معاصرین اور مورخین کی شہادت اور ان کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔

ذوق عبودیت و انابت

ذوق عبودیت و انابت الی اللہ کی حقیقی کیفیت اس بات کی تین شہادت ہے کہ اس شخص کا باطن یقین سے معمور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے بھر پور اپنی بے بسی، بیچارگی اور مالک الملک کی قدرت و جلال کے شاہد سے پر نور ہے، یقین و مشاہدہ جب باطن میں پیدا ہو جاتا ہے، تب

الفاظ اور اعمال سے ظاہر ہوتا ہے، اس سلسلہ میں حقیقت و تکلف میں زمین و آسمان کا فرق ہے،

یہ فرق صاحب نظر اور صاحب وجدان سے چھپ نہیں سکتا۔

لیس التکفل فی العینین کالتکل

ابن تیمیہ کے واقعات بتلاتے ہیں کہ ان کو یقین و مشاہدہ حاصل تھا، اور اس نے ان کے اندر ایک فقار و اضطراب اور ایک انابت و عبودیت کی کیفیت پیدا کر دی تھی، گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں اشکال یا کسی آیت کے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی، تو وہ کسی سنان مسجد میں چلے جاتے تھے، اور پیشانی خاک پر رکھ کر دیر تک یہ کہتے رہتے کہ یا معلم ابراہیم فہمنی! (اے ابراہیم کو علم عطا کرنے والے مجھے اس کی سمجھ عطا فرما) ذہبی کہتے ہیں:-

لم أر مثله فی ابرہالہ واستغاثتم

میں نے گریہ زاری الشریعہ سے استمداد فرمایا

و کثرتہ توجہہ۔ اور توجہ الی الشریعہ ان کی نظیر نہیں دیکھی۔

وہ فرماتے ہیں:-

انہ لیتقت خاطرہ فی المسئلۃ او الشئ

کسی وقت کسی مسئلہ میں میری طبیعت بند ہو جاتی

او الحالۃ التي تشکل علی فاستغفر

ہے یا کسی معاملہ میں مجھے اشکال پیش آجاتا ہے تو میں

اللہ تعالیٰ الف مرتبہ او اکثر او اقل حتی

ایک ہزار بار استغفار کرتا ہوں، یا اس سے کم یا زیادہ

ینشرح الصدر و یجلی اشکال ما اشکل۔

یہاں تک کہ طبیعت کھل جاتی ہے اور بدلی چھٹ

جاتی ہے اور اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

اس کیفیت میں جلوت، مجمع، بازار، شور و شغب کوئی چیز مانع نہ ہوتی، فرماتے ہیں:-

واکون اذ ذلک فی السوق او المسجد

ایسی حالت میں کبھی بازار میں کبھی مسجد میں یا گلی یا در

او الدرب او المدرسۃ لا یمنعت ذلک

میں ہوتا ہوں لیکن ذکر و استغفار میں کوئی رکاوٹ نہیں

من الذکر والاستغفار لی ان أنال
مطلبی ہے۔
مطلب حاصل ہو جاتا ہے۔
پیش آتی، اور برابر مشغول رہتا ہوں بیان تک کہ

یقین اور ذوقِ عبودیت جب پیدا ہو جاتا ہے اور باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو انسان میں اپنی بے بسی و بیچارگی، اپنی تہی دستی و بے بضاعتی کا ایسا احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ آتازہ شاہ کی پرکشول گدائی لے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور خدائی کا صدقہ اور رحمت کی بھیک مانگتا ہے، اس وقت اس کے روئیں روئیں سے یہ صدا آتی ہے کہ

مفلسانیم آمدہ در کوے تو شیاً لشر از جمالِ روے تو
دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما آفریں بردست و بر بازوے تو
ابن تیمیہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ دولت فقر اور یہ عزت تزل حاصل تھی، ابن تیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اس بارہ میں ایسا حال دیکھا ہے جو کسی کے یہاں نظر نہیں آیا، وہ فرماتے تھے، نہ میرے پاس کچھ ہے نہ میرے اندر کچھ ہے، وہ اکثر یہ شعر پڑھتے۔

انا المکدی انا المکدی وهکتا کان الی وجیدی

(ہاں میں تیرے در کا بھکاری ہوں! ہاں میں تیرے در کا بھکاری ہوں! اور کوئی نیا بھکاری نہیں،

خاندانی بھکاری ہوں، اور شینی سائل میرا پ بھی تیرے در کا بھکاری تھا، اور میرا دادا بھی)

ذوقِ عبادت و انہماک

عبادت کا ذوق اور اس میں انہماک اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان کو اس کی لذت اور اس کا حقیقی ذائقہ نہ نصیب ہو، اور وہ اس کے درد کی دوا، قلب کی غذا اور روح کی قوت نہ بن جائے

اور اس کو مقام "جعلت قرۃ عینی فی الصلاة" اور "رحنا یا بلال" سے مناسبت نہ بخشی جائے ابن تیمیہ کے معاصرین اور واقفین حال اس کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کو اس دولت بیدار سے حصہ ملا تھا، اور ان کو خلوت و مناجات اور نوافل و عبادات کا خاص ذوق تھا، اور ان کا انہماک اس سلسلہ میں بہت بڑھا ہوا تھا، الکو اکب الدرئیہ میں ہے :-

وکان فی لیلہ منفرداً عن الناس

کلمہ خالیاً بربیہ عزوجل ضارحاً

الیہ مواظباً علی تلاوۃ القرآن العظیم

مکرراً لانواع التعبّات اللیلیۃ والنہاریۃ

وکان اذا دخل فی الصلاة ترتعد فرائضہ

واعضاؤہ حتی یمیل یمتہ ویسرت^{لہ}

ایسے اہل قلوب اور اہل ذوق کی طاقت اور نشاط، ذکر و عبادت سے قائم ہوتا ہے اگر اس میں فرق واقع ہو، تو ان کی قوت جواب دے جاتی ہے اور ان کو محسوس ہوتا ہے کہ فاقہ ہوا، ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

وکان اذا صلی الفجر یجلس فی مکانہ حتی

یتعالی النہار جذاً یقول ہذا غدوتی

لو لم اتعد ہذا الغد و لا سقطت

قواحی^{لہ}

اس ذوق و اہتمام کے بعد اللہ تعالیٰ انتقامت عطا فرمادیتا ہے اور ذکر و عبادت و

معمولات طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں اذہبی لکھتے ہیں :-

لہ الکو اکب ۱۵۶ لہ الرد الوافر ص ۳۷

لہ اور اذکارید منہا کیفیت و جمعیت^۱ وہ اپنے اور اذکار کی پوری پابندی کرتے تھے اور ہر حالت میں جمعیت خاطر کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

زہد و تجرید و تحقیر دنیا

زہد اور دنیا کی تحقیر کی سچی کیفیت اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ دنیا کی حقیقت پوری طرح منکشف اور ان الدار الآخرة لہی الحيوان اور ما عند اللہ خیر و انقی کا حال پوری طرح طاری نہ ہو جائے اور یہ یقین اور معرفت صحیحہ اور تعلق بالشر کے بغیر ممکن نہیں ان کے معاصرین نے ان کے زہد و تجرید اور فقر اختیار کی کا جا بجا تذکرہ کیا ہے ان کے رفیق درس اور ہم عصر شیخ علم الدین البرزالی (م ۷۳۸ھ) فرماتے ہیں :-

وجری علی طریقۃ واحدة من
اختیار الفقر والتقلل من الدنیا
ورد ما یفتح بہ علیہ^۲
شروع سے آخر تک ان کی حالت کیسا رہی کہ
انہوں نے ہمیشہ فقر کو ترجیح دی دنیا سے بقدر ضرورت
اور برائے نام تعلق رکھا اور جو ملا اس کو واپس کر دیا۔

جب کسی کا حال بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو غنائے قلب کی دولتِ سرمدی سے نوازتا ہے تو اس کو کسریٰ و قسیر کی سلطنت پہنچ معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری سمجھتا ہے اس وقت وہ بخود ہی کے عالم میں کہتا ہے

من دلق خود بافسر شاہان نمی دہم
از رنج فقر درد دل گنجے کہ یا فتم
من فقر خود بک سلیمان نمی دہم
این رنج را براحت شاہان نمی دہم
اس کے مقام سے بے خبر کبھی اس کے متعلق بدگمانی کرتے ہیں کہ وہ سلطنت پر طمع کی

نگاہ ڈالتا ہے اور وہ ان کی بے خبری اور بدزوقی پر ماتم کرتا ہے کہ اس دولت جاوید کے بعد بھی اس ملک فانی پر نگاہ کی جاسکتی ہے؟! ابن تیمیہ کا یہی حال تھا، الملک الناصر نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ بہت سے لوگ آپ کے مطیع ہو گئے ہیں اور آپ کے دل میں سلطنت پر قبضہ کرنے کا خیال ہے! شیخ نے بے اطمینان کے ساتھ بلند آواز سے جس کو تمام حاضرین نے سنا جواب دیا:۔

انا فعل ذلك؟ والله ان ملكك و
 ملك المغل لا يساوي عندي فلاناً
 میں کیا کروں گا؟ خدا کی قسم تمہاری اور تماروں کی
 سلطنت مل کر بھی میری نگاہ میں ایک پیسے کے برابر نہیں۔

سخاوت و ایثار

اہل الشرا اور اخلاق نبوی کی میراث میں حصہ پانے والوں کی خاص صفت، سخاوت و ایثار ہے، ابن قیم نے زاد المعاد میں "المرشیح" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شرح صدر کی دولت اور ایمان و یقین کا نتیجہ سخاوت و ایثار ہے اس لئے جس کو اس دولت سے حصہ ملے گا، سخاوت و ایثار اس کا شعار ہوگا، شیخ الاسلام کے معاصرین و احباب ان کی سخاوت کے بے حد معترف اور ثنا خواں ہیں "الکواکب الدرریہ" میں ہے "وهو احد الاجواد الاغنیاء الذین یضرب بہم المثل" (وہ ان معدودے چند اہل سخاوت میں سے ہیں جن کی سخاوت ضرب المثل ہے) الحافظ ابن قیم نے الشرا العمری جو ان کے معاصر ہیں، اس سخاوت کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

كانت تأتيه القناطير المقنطرة من
 الذهب والفضة والخيل المسومة
 والانعام والحرف فيهب ذلك باجمعهم
 ان کے پاس ڈھیروں سونا چاندی، اعلیٰ اصیل
 گھوڑے، جانور الملک و اموال آتے وہ سب کا
 سب اٹھا کر دوسروں کو دے دیتے یا اہل ضرورت

وَيَضَعُ عِنْدَ أَهْلِ الْحَاجَةِ فِي مَوْضِعِهِ لَا
 يَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا لِيَهْبَهُ وَيَلْيَحْفَظَ إِلَّا لِيَذْمَهُ^{۱۵}
 کے پاس رکھواتے اور صرف دوسروں کو دینے کے لئے
 لیتے اور صرف عطا کرنے کے لئے اٹھا رکھتے۔

ان کی سخاوت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ اگر دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو کپڑا اتار کر دے دیتے۔۔

كَانَ يَتَصَدَّقُ حَتَّىٰ إِذَا الْمَرْجُودُ شَيْئًا
 نَزَعَ بَعْضُ شَيْءٍ بِهِ فَيَصِلُ بِهِ الْفُقَرَاءَ^{۱۶}
 وہ صدقہ کرتے تھے جب کچھ پاس نہ ہوتا تو اپنا کولہ پڑا
 ہی اٹھا کر دے دیتے اور اہل حاجت کی کار بر آری کرتے۔

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں:-

وَكَانَ يَفْضَلُ مِنْ تَوَقُّعِ الرَّغِيْفِ
 وَالرَّغِيْفِيْنَ فَيُوَثِّرُ بِذَلِكَ عَلَىٰ نَفْسِهِ^{۱۷}
 کھانے سے ایک روٹی دو روٹیاں بچا لیتے اور
 اپنے اوپر ایشا کر کے دوسروں کو دے دیتے۔

ایشا کا ایک نازک مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ فراخ دلی بلکہ عفو
 واحسان اور اس سے آگے بڑھ کر دعا و خیر خواہی کے ساتھ پیش آئے، یہ مقام ان ہی لوگوں کو حاصل
 ہوتا ہے جو انانیت اور حظوظ نفس سے بہت آگے بڑھ چکے ہوں اور ان پر نعامے الہی کی ایسی
 بارش ہو اور سکینت و مسرور اس درجہ کا حاصل ہو کہ وہ ان سب مخالفتوں کو ان کے مقابلہ میں بیچ
 اور پرکاش سمجھتے ہوں اور جن کے اندر اپنے دشمنوں اور مخالفین کے لئے بھی خیر طلبی و رحم کا جوش پیدا
 ہوتا ہو اور پرگزر چکا ہے کہ شکر میں جب وہ دوسری بار رہا ہوئے تو سلطان نے تنہائی میں ان سے
 ان قضاة کے قتل کے بارے میں فتوے لینا چاہا جنہوں نے جاشگیر کی حمایت کی تھی اور سلطان کی
 معزولی کا فتویٰ دیا تھا، اور یہ بھی کہا کہ انہوں نے آپ کے خلاف شورش برپا کی اور آپ کو تکلیف
 پہنچائی، اس کے جواب میں ابن تیمیہ نے ان لوگوں کی بڑی مدح و توصیف کی، اور پرنس و رافضیوں میں
 سلطان سے ان کی سفارش کی اور اس کو ان کے قتل کے ارادہ سے باز رکھا، ان کے سب سے بڑے

حریف و مد مقابل قاضی ابن مخلوف مالکی کا یہ مقولہ بھی گذر چکا ہے کہ ہم نے ابن تیمیہ جیسا عالی ظرف و فراخ حوصلہ نہیں دیکھا کہ ہم نے تو ان کے خلافت سلطنت کو آمادہ کیا، لیکن ان کو جب قدرت حاصل ہوئی تو ہم کو صاف معاف کر دیا، اور اٹھے ہماری طرف سے وکالت و مدافعت کی۔

ان کے تلمیذ رشید اور ہر وقت کے ساتھی حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ وہ اپنے دشمنوں کے لئے دعائے خیر کرتے تھے، میں نے نہیں دیکھا کہ وہ ان میں سے کسی کے لئے بددعا کرتے ہوں، میں ایک روز ان کے سب سے بڑے حریف اور ایک ایسے صاحب کی خبر وفات لے کر آیا جو عداوت اور ان کو ایذا پہنچانے میں سب سے آگے تھے، انہوں نے مجھے جھڑکنے یا اور منہ پھیر لیا، انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھی، پھر فوراً ان کے مکان پر گئے، ان کی تعزیت کی اور فرمایا کہ مجھے ان کی جگہ پر سمجھنا جس چیز کی تم کو ضرور پڑے گی میں تمہاری اس میں مدد کروں گا، اسی طرح ان سے ایسی ملاحظت و دجھائی کی باتیں کہیں جن سے وہ نہایت مسرور ہوئے اور ان کو بڑی دعائیں دیں اور ان کو اس پر سخت استعجاب ہوا۔

عفو و احسان اعداء و مخالفین کے ساتھ شفقت و مرحمت کا یہ مقام مالی ایشیا سے بہت بلند اور آگے کا مقام ہے، یہ وہ مقام ہے جو صدیقین و خواص اولیاء کو ملتا ہے، ابن تیمیہ اس مقام پر فائز تھے، اور گویا زبان حال سے وہ کہتے تھے، جو اسی مقام کے کسی صاحب حال شاعر نے فارسی میں کہا ہے۔

ہر کہ مارا پار نبود ایزد اور ایار باد
ہر کہ مارا پار نبود ایزد اور ایار باد
ہر گلے کز باغ عمرش بشگند بے خار باد
ہر گلے کز باغ عمرش بشگند بے خار باد

فروتنی و بے نفسی

فروتنی و بے نفسی اہل اللہ کی خاص صفت اور وہ مرتبہ کمال ہے جو ہزار کرامتوں سے بلند اور

ہزار فضیلتوں سے بالاتر ہے، یہ مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب خودی مٹ جاتی ہے اور نفس کا کامل تزکیہ ہو جاتا ہے، شیخ الاسلام کو اپنے کمالات علمی اور عروج دینی و دنیاوی کے ساتھ یہ کمال بھی حاصل تھا، ان کے اقوال پتہ دیتے ہیں کہ وہ بے نفسی و لہیت اور مصمم نفس اور انکار ذات کے درجہ علیا پر پہنچے ہوئے تھے ابن قیم فرماتے ہیں کہ وہ اکثر کہتے تھے کہ مالی شیء، دلامنی شیء، ولا فی شیء، اگر کوئی ان کے منہ پر ان کی تعریف کرتا تو فرماتے :-

وَاللّٰهُ اِنِّى اِلَى الْاَنِّ اَجِدُ اِسْلَامِى كُلِّ
 حِدَاىِ قَسْمِ مِیْلِ یَحْمِیْ تَمَّکَ بَرَابَرِ اِنِّیْ اِسْلَامِى کِى تَجْدِیْکَ تَارِہْتَا
 وَتِیْمَہِ وَاِسْلَمْتِ بَعْدَ اِسْلَامِیْ جِدًّا
 ہوں اور ابھی تک نہیں کہہ سکتا کہ کامل طور پر مسلمان ہوں
 کبھی کوئی تعریف کرتا تو یوں بھی فرماتے کہ "انا رجل ملۃ لارجل دولۃ" (میں امت کا ایک عام آدمی ہوں، سلطنت و حکومت کا آدمی نہیں۔)

بے نفسی اور عبودیت کے اس درجہ پر پہنچ کر آدمی کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنا نہ کسی پر کوئی حق سمجھتا ہے، نہ اس کا کوئی مطالبہ کرتا ہے، نہ اس کو کسی سے شکایت ہوتی ہے، نہ اپنے نفس کا انتقام لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا، ابن قیم فرماتے ہیں :-

سمعت شیخ الاسلام ابن تیمیۃ قدس
 اللہ روحہ، یقول العارف لا یری لہ
 علی لحدیثاً ولا یشہد لہ علی غیرہ فضلاً
 ولذلک لا یعاتب ولا یطالب ولا
 یضارب۔
 میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیۃ قدس اللہ روحہ سے سنا
 ہے کہ فرماتے تھے کہ عارف اپنا کسی پر کوئی حق نہیں
 سمجھتا، اور نہ یہ جانتا ہے کہ اس کو کسی پر کوئی فضیلت
 حاصل ہے، اسی لئے نہ وہ کسی کی شکایت کرتا ہے،
 نہ مطالبہ کرتا ہے، نہ مار پیٹ کرتا ہے۔

ان کے حالات سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ حدیث دیگران میں وہ اپنا ہی حال

بیان کر رہے ہیں۔

سکینت و سرور

اس ایمان و یقین اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس صحیح تعلق اور مخلوق سے آزادی اور قلب کی وارستگی اور بے تعلقی کے بعد انسان کو وہ سکینت و سرور حاصل ہوتا ہے کہ اس زندگی ہی میں اس کو جنت کا مزہ آنے لگتا ہے، شیخ الاسلام نے (جیسا کہ ابن قیم نے نقل کیا ہے) خود ایک بار فرمایا کہ۔۔۔

ان فی الدنیا جنة من لم یدخلها الم

دنیا میں (مومن کے لئے) ایک ایسی جنت ہے کہ جو اس میں

یدخل جنة الاخرة۔^۱

یہاں داخل نہیں ہوا آخرت کی جنت بھی محروم رہے گا۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے مخلص بندوں کو اس زندگی میں بھی "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" کی دولت عطا فرماتا ہے اور وہ اس کا نمونہ (بقدر وسعت دنیا) یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں، شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ دولت حاصل تھی، خود بھی ایک بار جوش میں آکر فرمایا۔۔۔

ما یصنع اعدائی لی ان جنتی وبتانی

میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں، میری جنت اور

فی صدری ان رحمت فہی معی

میرا باغ میرے سینے میں ہے جہاں جاؤں گا وہ

لا تفارقنی۔^۲

میرے ساتھ ہے۔

یہ نسبت سکینت و رضا زندگی میں اور بعد وفات ان کے ساتھ رہی، ابن قیم نے لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ان کو خواب میں دیکھا، میں نے ان سے بعض اعمالِ قلبیہ کا ذکر کیا، اس پر شیخ نے فرمایا۔۔۔

اقاانا فطر لقی الفرح والسرور۔^۳

بھائی میری نسبت تو فرحت و سرور کی ہے۔

۱۔ الرد الوافر ص ۳۶ ۲۔ الوابل الصیب ص ۶۶ ۳۔ افاشة اللہقان۔

ابن قیم لکھتے ہیں:-

وهكذا كانت حاله في الحياة يبيد وذلك
على ظاهره وينادي به عليه حاله
یہی حالت ان کی زندگی میں تھی کہ ان کے چہرہ پر
فرحت و مسرور کے آثار نظر آتے تھے اور ان کی
کیفیت اس کا اعلان کرتی تھی۔

کمال اتباع سنت

اس مقام (قبولیت و صدیقیت) کی ابتداء اتباع سنت سے ہے اور اس کی انتہا بھی
کمال اتباع سنت پر ہے، حدیث و سنت کے ساتھ ابن تیمیہ کا شغف و انہماک ان کے مخالفین
کو بھی تسلیم ہے، لیکن شغف و انہماک محض علمی و نظری نہ تھا، علمی اور ظاہری بھی تھا، ان کے معاصرین
شہادت دیتے ہیں کہ مقام رسالت کا جیسا ادب و احترام اور اتباع سنت کا جیسا اہتمام ابن تیمیہ
کے یہاں دیکھا کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا، حافظ سراج الدین البزار قسم کھا کر کہتے ہیں:-

لا والله ما رأيت احدا اشد تعظيما
لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولا
احرص على اتباعه ونصره ما جاء به
منه
خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا
ادب و احترام کرنے والا اور آپ کے اتباع اور
آپ کے دین کی نصرت کی حرص رکھنے والا ابن تیمیہ
سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

یہ چیز ان پر اتنی غالب اور ان کی زندگی میں نمایاں تھی کہ دیکھنے والوں کا قلب شہادت
دیتا تھا کہ اتباع کامل اور سنت کا عشق اس کا نام ہے علامہ عماد الدین الواسطی فرماتے ہیں:-

ما رأينا في عصرنا هذا من تعبد النبي
هم نے اپنے زمانہ میں ابن تیمیہ ہی کو ایسا پایا کہ نبوت محمدی

المحمدية ويستفهم اقواله وافعاله
 الا هذا الرجل يشهد القلب الصمير ان
 كانوران کی زندگی میں اور سنتوں کا اتباع ان کے
 اقوال و افعال میں عیاں تھا، قلب سلیم اس کی شہادت
 دیتا تھا کہ حقیقی اتباع اور کامل پیروی اس کا نام ہے۔
 هذا هو الاتباع حقيقة.

صالحین میں مقبولیت اور علمائے وقت کی شہادت

کسی انبوه اور عوام کی بھیڑ کا کسی شخص کی تعریف کرنا مقبولیت عند الشراستقامت اور
 علوم ترتیب کی دلیل نہیں، دلیل اس کے زمانہ کے اہل صلاح و استقامت اور اہل علم اور اہل بصیرت کی
 شہادت اور توصیف ہے، نیز یہ کہ اس کے پیروں، اس سے محبت و تعلق رکھنے والوں اور اس کے پاس
 اٹھنے بیٹھنے والوں میں صلاح و سداد، حسن اعتقاد، تقویٰ و احتیاط اور آخرت کی فکر و اہتمام پایا جائے،
 اور وہ اپنے انبائے زمانہ سے اپنی دینداری اور سلامت روی میں ممتاز ہوں، ابن تیمیہ کا معاملہ یہی تھا کہ
 اس زمانہ کے ممتاز ترین اہل صلاح و رشد اور اصحاب علم و نظر ان کی عظمت و فضیلت، صحت اعتقاد و
 سلامت عقیدہ کے قائل و معترف اور ان کے مدح تھے اور ان کے مخالفین میں بڑی تعداد حکومت کے متسلین
 اور انبائے دنیا کی تھی، جو جاہ طلبی کے مرض اور دولت و عزت کے خواہاں تھے، صاحب کو اکب لکھتے ہیں:

قالوا ومن امعن النظر بصيرته لحرير
 عالمنا من اهل اى بلد شاء موافقاه
 الا و بلا من اتبع علماء بلد لا للكتاب و
 السنة و اشغلهم بطلب الآخرة و الرغبة
 لوگ بیان کرتے ہیں کہ جو ذرا غور سے کام لے گا وہ
 دیکھے گا کہ ان کا جو موافق جس شہر میں بھی ہے وہ اس
 شہر کے علماء میں سب سے زیادہ کتاب و سنت کا تبع
 اور طلب آخرت میں مشغول اور سب سے زیادہ اس کا

اہ علماء العینین مہ ۱۷۸ اس کلیہ سے وہ حضرات مستثنیٰ ہیں جن کو کوئی غلط فہمی تھی، بیان کا اختلاف خالص علمی و اصولی

تھا، و ما من عام الا وقد خص منه البعض

فہا وابلغہم فی الاعراض عن الدنیا
والاہمال لہا ولا یبری عالمًا مخالفًا منخرفًا
عہ الا وہو من اکبرہم نعمة فی جمع الدنیا
والکثرہم ریاء اوسمعة والله اعلم۔
حریص اور دنیا سے بے پروا، اور اس کی طرف
غیر متوجہ نظر آئے گا، اس کے برخلاف ان کا جو مخالف
نظر آئے گا وہ دنیا کا حریص، بواہوس ریاء کا اور
شہرت کا طالب دکھائی دے گا۔ والشر اعلم۔

علامہ ذہبی کے یہ الفاظ بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں :-

واخیف فی نصر السنة المحفوظة حتی
اعلی الله تعالی منارہ وجمع قلوب
اہل التقوی علی محبتہ والدعاء لہ۔
سنت کی نصرت کے جرم میں ان کو بہت ڈرایا
دھمکا گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سرخرو
اور معزز کیا، اور اہل تقویٰ کے قلوب کو ان کی
محبت اور دعا کے لئے مجتمع کر دیا۔

فراست و کرامت

ہر چیز کے کشف و کرامت نہ بزرگی و مقبولیت کا جز ہے نہ اس کی دلیل محققین نے صاف
لکھ دیا ہے کہ "الاستقامة فوق الکرامة" اور یہ مسئلہ اب کسی بحث کا محتاج نہیں لیکن یہ بھی واقعہ
ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے مقبول بندوں کو بطریق انعام یہ دولت بھی عطا فرماتا ہے اور
ان کے ہاتھوں یا زبان سے ایسے واقعات کا ظہور ہوتا ہے جو ان کی مقبولیت و وجاہت کے
مؤیدات و آثار میں سے ہوتے ہیں، اہل سنت کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ کرامات الاولیاء حق اور
قرآن و حدیث میں اس کے متعدد شواہد و واقعات ہیں اور خود شیخ الاسلام کی کتابوں میں اس
مسئلہ کی تقریر اور اس حقیقت کا اثبات ہے۔

لہ الکواکب الدرہ ص ۱۶۱ ج ۲ جلاء العینین ص ۶

ان واقعات کی شہادت جو بطریق کرامت و خرق عادت پیش آئے ان کے تلامذہ و احباب و معاصرین نے دی ہے اور تآخیرین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اس قدر شہور اور کثرت منقول ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں، علامہ عینی صاحب "عمدة القاری شرح البخاری، تقریظ الرد الوافر" میں لکھتے ہیں :-

وهذا الامام مع جلالة قدره في العلوم
انہی علمی عظمت و کمال کے ساتھ ان سے ایسی کرامات
نقلت عنه على لسان جمر غفير من الناس
کا بھی صدور ہوا ہے جس کو ایک جم غفیر نے نقل کیا
کرامات ظہرت منه بلا التماس له
ہے اور ان میں شبہہ کی گنجائش نہیں۔

انہی کرامات کا ایک شعبہ "فراست صادقہ" ہے جو اکابر مومنین و اولیاء متقین کو حاصل ہوتی ہے اس فراست کے عجیب و غریب واقعات نقل کئے جاتے ہیں، حافظ ابن قیم نے "مدارج السالکین" اور دوسری کتابوں میں اس فراست کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں، "مدارج السالکین" میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

ولقد شاهدت من فراسة شيخ الاسلام
میں نے شیخ الاسلام کی فراست کے عجیب و غریب
امور اعجبية ومالم نشاهد منها اعظم
واقعات کا مشاہدہ کیا ہے اور جو واقعات میرے
واعظم ووقائع فراتہ تستدعی
مشاہدہ میں نہیں آئے (بلکہ میں نے معتبر لوگوں کی
زبانی سنے ہیں) وہ اور بڑھ چڑھ کر ہیں ان کی فراست
مفراً منخماً۔

کے واقعات کے نقل کرنے کے لئے ضخیم کتاب چاہئے۔

مسئلہ وحدۃ الوجود، فنا بقا معرفت، اعمال قلبیہ وغیرہ پر انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علمی طور پر بھی ان منازل سے گزرے ہوئے تھے، اور اس سلسلہ میں ان کو "اذواق عالیہ" اور "احوال صحیحہ" حاصل تھے اور جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں وہ محض عام ذہانت، قوت علم یا

زورِ قلم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان کے تجربات و مشاہدات ہیں، ان مسائل و مباحث میں بعض مرتبہ ان کا کلام اور تحقیقاتِ محققین صوفیہ اور مجتہدینِ فنِ سلوک (مثلاً مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ مینری اور امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی) کے کلام و تحقیقات سے مل جاتی ہیں، رسالۃ العبودیۃ میں فنا کے اقسام اور اس کے مراتب و مقامات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فنا کی تین قسمیں ہیں، ایک فنا کا مقام وہ ہے جو انبیاء و اولیاءِ کاملین کو حاصل ہوتا ہے، ایک وہ مقام ہے جو ان اولیاء و صالحین کو حاصل ہوتا ہے جو کمال و ترقی کے اس درجہ پر نہیں ہوتے ایک مقام منافقین و مجرین اہل تشبیہ کا ہے، پہلا مقام یہ ہے کہ ماسوی الشریعہ سے ایسی فتاوت حاصل ہو جائے کہ صرف الشریعہ کے لئے محبت اور الشریعہ کی عبادت، الشریعہ پر توکل، اور الشریعہ ہی کی طلب رہ جائے، ماسوا کا کوئی گذر نہ رہ جائے، شیخ بایزید بظامی کا یہ فقرہ جو منقول ہے کہ "لا اريد الا ما يرضي" (میں نہیں چاہتا اگر وہی جو وہ چاہتا ہے) کا یہی مطلب لینا چاہئے، یعنی میری مراد وہی ہے جو خدا کا غشا و مرضی ہے، اور اس سے مراد دینی ارادہ ہے، عبادت کا کمال یہی ہے کہ اس کے اندر اسی کا ارادہ اسی کی محبت اور اسی سے رضامندی رہ جائے جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ فرمائے اور جس سے وہ راضی ہو، اور جس کو وہ پسند فرمائے، اور اس سے مراد وہ اوامر الہی ہیں جن میں امر و جوب یا استحباب ہو، یہ بلائکہ انبیاء و صالحین کا مقام ہے، جس کو یہ مقام حاصل ہو، اس کو قلبِ سلیم کی دولت حاصل ہے، "إِلَّا مَن آتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ" علماء نے اس کی یہی تفسیر کی ہے کہ وہ غیر الشریعہ کی عبادت یا غیر الشریعہ کے ارادے یا غیر الشریعہ کی محبت سے پاک ہو، اس کا نام فنا رکھا جائے یا نہ رکھا جائے یہی اسلام کی ابتداء و انتہا اور یہی دین کا باطن و ظاہر ہے۔

فنا کی دوسری قسم یہ ہے کہ ماسوا کے شاہدے سے بالکل استغناء و غیبت کٹی ہو جائے، یہ ایک

مقام ہے جو بہت سے سالکین کو پیش آتا ہے، ان کے قلوب کا ذکر و عبادت اور محبت الہی

کی طرف ایسا انجذاب اور ایسی زور کی کشش ہوتی ہے کہ ان کے قلوب ماسوا کے مشاہدے کی تاب نہیں لاسکتے، اور اپنے مقصود کے سوا کچھ دیکھ نہیں سکتے، غیر اللہ کا ان کے دل میں گذر بھی نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا احساس تک باقی نہیں رہتا، اس مقام میں جس طرح اس کشش اور انجذاب کو دخل ہے، اسی طرح کسی درجہ میں ان کے قلوب کے ضعف کو بھی دخل ہے، قرآن مجید میں ہے: "وَاصْبِرْ خُورًا مُمُوسَىٰ ذَرِغَاتٍ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهٖ لَوْلَا اَنْ رَبَّنَا عَلٰی قَلْبِهَا" مفسرین نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کا دل سولہ حضرت موسیٰ کے خیال و یاد کے ہر چیز سے خالی ہو گیا، یہ بات اکثر ان لوگوں کو پیش آتی ہے، جن پر اچانک کسی محبت یا خوف یا امید کا حملہ اور غلبہ ہوتا ہے، اس وقت ان کا دل سوائے اس محبوب یا دشمن یا مطلوب کے ہر چیز سے سادہ اور خالی ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات اس محبت یا خوف یا طلب میں ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ اس کے سوا کسی چیز کا احساس باقی نہیں رہتا، جب کسی ایسے شخص پر چوٹنا کے اس مقام پر ہے، اس حال کا پورا پورا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ اس موجود کے استغراق سے خود اپنے وجود سے بے خبر ہو جاتا ہے، اس ایک شہود کے شہود کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنا شہود نہیں رہتا، اس ایک مذکور کے ذکر کا ایسا تسلط ہو جاتا ہے کہ اپنا ذکر و فکر بالکل جا تا رہتا ہے، ایک کی معرفت ایسی طاری ہو جاتی ہے کہ اپنی معرفت باقی نہیں رہتی، اس وقت اس ایک وجود کے سوا تمام موجودات اس کی نظر میں معدوم اور فانی ہو جاتے ہیں، جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی محبت یا معرفت میں یہ مقام حاصل ہو جائے اس کو تمام مخلوقات معدوم اور فانی نظر آنے لگتی ہیں، اور صرف اللہ تعالیٰ کا وجود باقی رہ جاتا ہے، اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ مخلوقات حقیقتاً معدوم اور فنا نہیں ہوتیں، بلکہ اس شخص کے شہود اور ذکر میں فنا اور کم ہو جاتی ہیں، اور وہ ان کے اور اک یا شہود سے فانی ہو جاتا ہے، جب اس چیز کا غلبہ ہو جاتا ہے،

اور محب میں ایسا ضعف پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی قوت تمیز جواب دینے لگتی ہے تو بعض اوقات وہ اپنے کو عین محبوب سمجھنے لگتا ہے، واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص دریا میں کود پڑا، اس کا عاشق کھڑا دیکھ رہا تھا، وہ بھی اس کے پیچھے دریا میں کود پڑا، محبوب نے کہا کہ میں تو دریا میں کودا تھا، تم میرے پیچھے کیوں کود پڑے، اس نے کہا کہ تمہاری محبت میں مجھے اپنا ہوش نہ رہا، یہاں تک کہ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ تم اور میں ایک ہی ہوں۔

اس مقام میں پہونچ کر بہت سے لوگوں کے قدم کو لغزش ہوئی ہے، انہوں نے خیال کیا کہ یہ اتحاد ہے اور محب محبوب سے مل کر ایک ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اصل وجود میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا، یہ بالکل غلط ہے، خالق کے ساتھ کوئی چیز بھی مل کر ایک نہیں ہو سکتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی چیز بھی کسی چیز سے مل کر ایک نہیں ہو سکتی، دو چیزوں میں اتحاد کلی اسی وقت ہو سکتا ہے، جب وہ دونوں چیزیں بدل جائیں، یا بگڑ جائیں یا ان کے اتحاد سے ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے، جو نہ وہ ہوتی ہے، نہ یہ ہوتی ہے، جیسے پانی اور دودھ، پانی اور شراب مل کر ایک تیسری چیز بن جاتی ہے، البتہ ارادہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں اتحاد ہو سکتا ہے، دو ہستیاں ارادے میں پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں متحد ہو سکتی ہیں، ایک جس سے محبت کرے، دوسرا بھی اس سے محبت کرے، ایک جس سے بغض رکھے، دوسرا بھی اس سے بغض رکھے، ایک جس چیز کو پسند کرے، دوسرا بھی اس کو پسند کرے، اسی طرح ایک جس سے دشمنی کرے، دوسرا بھی اس سے دشمنی کرے، لیکن وہ فناء کے کلی جس میں دوسری موجودات بالکل معدوم ہونے لگیں، اور ان کا شہود و احساس بھی باقی نہ رہے، یہ ایک ناقص مقام ہے، البکر و عمر جیسے اکابر اولیاء اور ہاجرین و انصار میں سے جن کو سبقت اور اولیت حاصل تھی، وہ اس فناء میں مبتلا نہیں ہوئے، جب وہ اس سے بالاتر تھے، تو انبیاء کرام کا کیا ذکر، اس طرح کے اذواق و حالات صحابہ کرام کے بعد کے لوگوں کو پیش آئے ہیں، ان کے

قلب پر بعض مرتبہ ایسی ایمانی کیفیات وارد ہوئیں کہ ان کو عقل و ہوش اور تمیز باقی نہیں رہی صحابہ
 رضی اللہ عنہم بڑے کامل الاحوال، بڑے قوی القلب تھے، ایمانی کیفیات کے وقت نہ تو ان کی
 عقلیں معطل ہوتی تھیں، نہ ان میں حجاب، ضعف، شکر و بے خودی، فنا، یا مستی، دیوانگی کی کیفیات
 پیدا ہوتی تھیں، اس سلسلہ کی ابتدا دو تابعین میں ہوئی، اور بصرہ کے متراض اور کثیر العبادت لوگوں کو
 یہ حالات پیش آئے، ان میں سے بعض بعض لوگ قرآن مجید سن کر بے ہوش ہو جاتے، بعض کو موت بھی
 واقع ہوئی جیسے ابو جہیر، نابینا، زرارہ بن ابی اوفی، قاضی بصرہ، اسی طرح مشائخ صوفیہ کو بھی فنا
 اور شکر کی ایسی کیفیتیں حاصل ہوئیں کہ ایسی حالت میں ان میں عقل و تمیز باقی نہیں رہی، اکثر ایسی
 حالت میں ان کی زبان سے ایسے کلمے بھی نکل جاتے جو ہوش میں آنے کے بعد ان کو صریحاً غلط معلوم
 ہوتے، شیخ بازید بسطامی، شیخ ابوالحسن نوری اور شیخ ابوبکر شبلکی کو یہ چیزیں پیش آئیں، اور ان سے
 ایسے واقعات نقل کئے جاتے ہیں، لیکن ابوسلیمان دارانی، معروف کرخی، فضل بن عیاض، بلکہ
 جنید بغدادی وغیرہ سے اس طرح کی باتیں منقول نہیں، ایسے احوال میں بھی ان کی عقل اور قوت تمیز
 ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی تھی، اور وہ اس طرح کے فنا و شکر میں مبتلا نہیں ہوتے تھے، ان کا ملین
 کے ذہن میں سوا اللہ کی محبت اور اس کے ارادے کے کچھ نہیں ہوتا، ان کا علم اتنا وسیع اور وہ
 ایسے صاحب تمیز ہوتے ہیں کہ ان کو اشیاء اور امور اپنی اصل حالت اور صورت میں نظر آتے ہیں،
 بجائے اس کے مخلوقات ان کے لئے معدوم یا غیر مشہود ہو جائیں، وہ اللہ کے حکم و ارادے کے ساتھ
 قائم، اس کی مشیت کے تابع اور سخر نظر آتی ہیں، بلکہ تسبیح و اطاعت میں مشغول، اس طرح یہ
 شاہدہ ان کی بصیرت اور زندگی بڑھاتا ہے، اور ان کی معرفت، اخلاص، توجید و عبادت میں
 اضافہ کرتا ہے، یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے دعوت دی، اور یہی مومنین و محققین اور
 عارفین و کاملین کا مقام ہے، اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے امام و سرگروہ ہیں، اور

ان میں سب اکمل و اعلیٰ ہیں، اس لئے جب آپ کو معراج ہوئی، اور آپ نے وہاں آیات الہی کا مشاہدہ کیا اور آپ سے ہم کلامی اور سرگوشیاں ہوئیں، پھر جب آپ اس عالم میں تشریف لائے تو آپ کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا، اور نہ کسی نے اس کا اثر محسوس کیا حالانکہ حضرت موسیٰ پر ایسے مواقع میں ایک بے خودی اور بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔

ایک اور حالت ہے جس کو کبھی کبھی کبھی فنا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ آدمی اس بات کی شہادت دے کہ خدا کے سوا کوئی چیز بھی موجود نہیں، اور یہ کہ خالق کا وجود ہی مخلوقات کا وجود ہے، اس لئے رب و عبد کے درمیان کوئی فرق نہیں، یہ ان اہل ضلال و اسحاق کا فنا ہے جو حلول و اتحاد میں مبتلا ہو جاتے ہیں، صاحب استقامت مشائخ میں اگر کوئی کہتا ہے کہ مجھے اللہ کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا، یا میں غیر اللہ کی طرف نہیں دیکھتا، یا اسی طرح کے کلمے، تو اس سے مراد یہ ہو کر تی ہے کہ مجھے اس کے سوا کوئی رب نظر نہیں آتا، یا مجھ کو اس کے سوا کوئی خالق یا اس کے سوا کوئی مدبر یا اس کے سوا کوئی معبود نہیں نظر آتا، یا میں محبت سے یا خوف کے ساتھ یا امید و رجاء کے ساتھ اس کے سوا کسی پر نظر نہیں ڈالتا، اس لئے کہ قاعدہ یہی ہے کہ آنکھ ہمیشہ اس کو دیکھتی ہے جس سے قلب متعلق ہوتا ہے جس شخص کو کسی چیز سے محبت ہو یا امید ہو یا اس کا خوف ہو، وہ اسی طرف متوجہ رہے گا، اگر اس کے دل میں اس کی محبت یا امید یا خوف یا بغض یا قلب کے تعلق کی کوئی ایسی بات نہیں ہے، تو قلب میں اس کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ ہی پیدا نہ ہوگا، اور نہ وہ اس کی طرف نگاہ اٹھائے گا، اور نہ وہ اس کو دیکھے گا، اور اگر کبھی اس پر نظر پڑے گی تو محض اتفاقاً اور محض نگاہ جیسے کوئی شخص کسی دیوار کو یا کسی ایسی چیز کو دیکھتا ہے جس سے اس کا قلب متعلق نہیں، مشائخ صاحبین کبھی کبھی خالص توحید اور اخلاص کامل کے متعلق کلمات ارشاد فرماتے ہیں، ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ غیر اللہ کی طرف ملتفت ہی نہ ہو اور نہ

ماسوا پر محبت یا خوف یا امید کے ساتھ نظر ڈالے بلکہ قلب تمام مخلوقات سے بالکل خالی اور فارغ ہو، ان کی طرف وہ اللہ کے نور کے ساتھ نظر کرے، حق ہی کے ذریعہ وہ سنی، حق ہی کے ذریعہ وہ دیکھے، حق ہی کے ساتھ وہ ہاتھ اٹھائے اور حق ہی کی قوت سے وہ چلے، جس سے اللہ کو محبت ہے اس سے وہ محبت رکھے، جس سے اللہ کو بغض ہے اس سے وہ بھی بغض رکھے، جس کو اللہ دوست بنائے اس کو وہ بھی دوست بنائے، جس سے اللہ دشمنی کرے اس سے وہ بھی دشمنی کرے، ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرے اور اللہ کے معاملہ میں ان سے نہ ڈرے، یہی وہ قلب سلیم، حنیفی موحداً، مسلم، مومن ہے جس میں انبیاء مرسلین والی معرفت، تحقیق و توحید پائی جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے جس پر انبیاء کے پیرو فائز ہوتے ہیں اور یہی فناء ہے، اس مقام کے فائزین کی اللہ تعالیٰ نے مدح و توصیف کی ہے اور ان کو اولیاء متقین، حزب مفلحین اور جند غالبین میں شمار کیا ہے۔

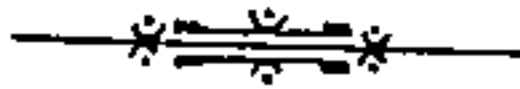
باقی فناء فی الوجود والی قسم (توحید و جود یا وحدۃ الوجود) تو وہ قرامطہ جیسے آل فرعون کی تحقیق و توحید کی معرفت ہے، مشائخ و صاحبین میں سے کسی کی بھی یہ مراد نہیں تھی، مخلوقات میں سے میں جس چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہوں اور ہی رب الارض والسموات ہے، یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے، جو پرے درجہ کا گمراہ ہو اور فساد عقل یا فساد اعتقاد میں مبتلا ہو یا جنون اور اکھا میں سے کسی کا شکار ہو، تمام مشائخ جودین میں مقتدا کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ سب اسی مسلک پر متفق ہیں جو اس امت کے سلف اور پیشواؤں کا مسلک تھا کہ خالق سبحانہ و تعالیٰ مخلوقات سے بالکل الگ ایک وجود رکھتا ہے، نہ تو اس کی مخلوقات میں اس کی ذات کا کوئی جز ہے اور نہ اس کی ذات میں اس کی مخلوقات کا کوئی جز، وہ سب اس پر متفق ہیں کہ قدیم کو حادث سے الگ اور خالق کو مخلوق سے ممتاز سمجھنا چاہئے، اس بارہ میں ان کے جو اقوال و ارشادات منقول ہیں، اس مختصر سے مضمون میں ان کی گنجائش نہیں، انھوں نے یہ بھی بتلایا ہے کہ قلوب کو کبھی کبھی ایسے امراض

و شہادت پیش آتے ہیں اور بعض لوگوں پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ ان کو مخلوقات کے وجود کا مشاہدہ ہوتا ہے اور وہ قوت تیز کی کمزوری یا فقدان کی وجہ سے ان کو خالق الارض و السموات سمجھنے لگتے ہیں جیسے ایک شخص آفتاب کی ایک شعاع دیکھتا ہے اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی وہ آفتاب ہے جو آسمان میں ہے۔

یہاں پر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ خالق و مخلوق میں تفریق کے دو مقام ہیں، ایک مقام وہ ہے کہ بندہ تفریق کا مشاہدہ کرے اور کثرت اس کو پریشان کرے اس کا قلب اس کثرت و تفریق کی وجہ سے انتشار میں رہے وہ قلب نظر کے انتشار میں گرفتار رہے کبھی محبت کبھی خوف اور کبھی رجاء کی وجہ جو ان مخلوقات کے ساتھ قائم ہو جاتی ہے اس کو کیسوئی اور توحید حقیقی حاصل نہ ہو جب انسان اس تفریق سے جمع کی طرف اور کثرت سے وحدت کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس قلب کو جمعیت اور اس وحدۃ لاشریکہ کی توحید و عبادت کی لذت حاصل ہوتی ہے اور اس کا قلب مخلوقات کی طرف متوجہ رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف کلیۃً ملتفت ہو جاتا ہے اس کی محبت اس کا خوف اس کی امید اس کی استعانت سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہے اس حالت میں بعض اوقات اس کے قلب میں مخلوقات کی طرف نظر کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی جس کے ذریعہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان امتیاز کرے اس کو حق تعالیٰ کی طرف التفات کلی اور خلق کی طرف اعتراض کلی حاصل ہوتا ہے ہم نے فنا کی جس دوسری قسم کا اوپر ذکر کیا ہے یہ حالت بھی اس سے ملتی جلتی ہے لیکن اس کے بعد تفریق کا ایک دوسرا مقام ہے جو اس سے بلند و برتر ہے وہ یہ کہ بندہ مشاہدہ کرے کہ مخلوقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم اس کے امر کے تابع اور اس کے ارادہ سے مستحضر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے سامنے وہ ان کی کثرت کو معدوم دیکھے وہ یہ مشاہدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مصنوعات کا رب الا خالق اور مالک ہے ایسی حالت میں کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ

کی طرف کیسے ہوتا ہے اور اس کو اخلاص و محبت، خوف ورجا، استعانت و توکل علی اللہ، حبت
 فی اللہ و بغض فی اللہ کی جیسی کیفیات حاصل ہوتی ہیں، وہ خالق و مخلوق کے درمیان فرق کو بھی
 صاف صاف دیکھ رہا ہوتا ہے اور ان دونوں کے درمیان صاف صاف تمیز کرتا ہوتا ہے
 وہ مخلوقات کے تفرق و کثرت کو بھی دیکھتا ہوتا ہے اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوتا ہے کہ
 اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب اس کا مالک اور خالق ہے (ان اللہ رب کل شیء وخالقہ
 وانه هو اللہ لا الہ الا هو) یہی صحیح اور مستقیم شہود ہے اور یہی "لا الہ الا اللہ" کی تحقیقی شہادت ہے
 ان کی تصنیفات میں اس طرح کی تحقیقات اور علوم صحیحہ بہت ہیں، حافظ ابن قیم نے مدارج
 السالکین میں ان کی تحقیقات و کیفیات کا بہت سا ذخیرہ جمع کر دیا ہے ان کے انہی معارف و
 احوال کو دیکھ کر ملا علی قاری نے استاد و شاگرد کے متعلق لکھا ہے :-

ومن طالع شرح منازل السائرين	جو شخص منازل السائرين کی شرح (مدارج السالکین)
تبتين له انهما كانا من اكابراهل	کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ ابن تیمیہ
السنۃ والجماعۃ ومن اولياء هذہ	ابن تیمیہ اہل سنت و الجماعت کے اکابر اور امت
الامۃ	محمدی کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔



لہ رسالۃ العبودیہ فی تفسیر قولہ تعالیٰ "یا ایہا الناس اعبدوا ربکم" ۳۵-۳۸ شامل مجموعہ رسائل مطبوعہ حنیہ مصریہ۔

۱۴۴۰ھ مزناة شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۲۴

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا تجدیدی اصلاحی کام

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت میں جو اہم کارنامہ انجام دیا، وہ اگرچہ بہت سے علمی و علمی شعبوں اور پہلوؤں پر حاوی ہے، لیکن اس کو ان چار حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے، جو ان کی تاریخ اصلاح و تجدید میں خصوصی اہمیت رکھتے ہیں، یہ چار اہم شعبے حسب ذیل ہیں:-

۱۔ عقیدہ توحید کی تجدید اور شرکانہ عقائد و رسوم کا ابطال۔

۲۔ فلسفہ و منطق اور علم کلام کی تنقید اور کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی ترجیح۔

۳۔ غیر اسلامی ملل و فرق کی تردید اور ان کے عقائد و رسوم و اثرات کا مقابلہ۔

۴۔ علوم شریعت کی تجدید اور فکر اسلامی کا احیاء۔

عقیدہ توحید کی تجدید اور شرکانہ عقائد و رسوم کا ابطال

امام ابن تیمیہ کے زمانہ میں شرکانہ عقائد و رسوم

غیر مسلم اور عجمی اقوام کے اختلاط، اسمعیلی و باطنی حکومت کے نفوذ و اثر، نیر جابل اور گمراہ

صوفیوں کی تعلیم و عمل سے عام مسلمانوں میں شرکانہ عقائد و رسوم کا رواج ہو چلا تھا، بہت سے

مسلمان اپنے دینی پیشواؤں، مشائخ طریقت اور اولیاء و صالحین کے بارے میں اسی طرح کے

غایبانہ اور مشرکانہ خیالات اور عقیدہ رکھنے لگے تھے جو یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و مسیح اور اپنے اجار اور رہبان کے متعلق رکھتے تھے بزرگان دین کے مزارات پر جو کچھ ہونے لگا تھا وہ ان سب اعمال و رسوم کی ایک کامیاب نقل تھی جو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور مقدس شخصیتوں کی قبروں پر ہوتے تھے اہل قبور سے صاف صاف استعانت و استغاثہ کا معاملہ ہونے لگا تھا ان سے فریاد اور ان کی دہائی دینے سوال و دعا کرنے کا رواج ہو گیا تھا ان کی قبور پر بڑی بڑی مسجدیں تعمیر کرنے اور خود قبور کو سجدہ گاہ بنانے ان پر سال بسال میلہ لگانے اور دور دور سے سفر کر کے وہاں آنے کا عام دستور تھا اساتوین صدی کے آخر میں یہ غلو اور عقیدہ اور عمل کا فساد جس حد تک پہنچ گیا تھا اس کا کچھ اندازہ ان اقتباسات سے ہو سکتا ہے جو خود شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تصنیفات اور تحریروں سے ماخوذ ہیں ان اقتباسات میں انہوں نے کسی جواب کے سلسلہ یا کسی بحث کے ضمن میں اپنے زمانہ کی بعض گمراہیوں کا ذکر کیا ہے اور اس سے ان کے زمانہ کے دینی انحطاط اور قلب اسلام پر جاہلیت کے حملہ کی شدت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے:-

”بہت سے لوگوں نے مردے کو بالکل خدا کا درجہ اور اس زندہ پیر کو جو اس کی قبر کا مجاور یا اس کا جانشین ہے پیغمبر کا مرتبہ دے رکھا ہے وہ مردے سے اپنی کار بر آری اور شکل کشائی کا مطالبہ کرتے ہیں انہوں نے اپنے اس زندہ پیر یا بزرگ کو یہ مرتبہ دے رکھا ہے کہ جس چیز کو وہ حلال کر دیں وہی حلال اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دیں وہی حرام ہے انہوں نے درحقیقت اپنے حساب سے اللہ تعالیٰ کو خدائی کے منصب اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے مرتبہ سے سبکدوش کر دیا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نو مسلم یا ان کا پیر و عقیدت مندی کی بنا پر آتا ہے اور صاحب مزار سے کسی بادشاہ کے ظلم کو دفع کرنے یا کسی اور مطلب کی کار بر آری کے لئے دعا کرتا ہے تو یہ مجاور اندر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے حضرت صاحب سے عرض کر دیا حضرت صاحب نے پیغمبر صاحب سے

فرمایا، پیغمبر صاحب نے اللہ تعالیٰ تک پہنچایا، اللہ تعالیٰ نے فلاں بادشاہ کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ
 (خبردار فلاں آدمی پر زیادتی نہ ہونے پائے) کیا یہ کھلا ہوا مشرکین و نصاریٰ کا دین نہیں ہے؟ اس میں
 تو اتنی غلط بیانی اور ایسا جہل صریح ہے جس کو ہر شرک اور ہر نصرانی بھی گوارا نہیں کر سکتا، اور
 وہ بھی اس فریب میں نہیں آسکتے، یہ مجاور لوگ جس طرح بے تکلف نذر و نیاز اور ان قبروں کے پڑھانے
 کھاتے ہیں، وہ قرآن مجید کی اس آیت کی پوری تفسیر و تصویر ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَثُرُوا تَتَّقُوا
 وَالرُّهْبَانَ إِن يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ" (اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ
 کے بہت سے علماء و مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔)

کھلی قبر پرستی

ان جہلا میں سے بہت سے لوگ صاف صاف قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں بعض بعض لوگوں
 کو اس طرح دعا کرتے ناگیا ہے کہ حضرت میری مغفرت فرمادیجئے مجھ پر رحم کھائیے "بعض آدمی قبر کو
 سامنے رکھ کر اور کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قبر تو خواص کا قبلہ ہے اور کعبہ عوام کا
 یہ بھی ان لوگوں کا مقولہ ہے جو عبادت و زہد میں ممتاز ہیں اور جن کے سیکڑوں ہزاروں مرید و متقین
 اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے شیخ کے پیروؤں میں سب سے بہتر ہوں، اس شخص کا اپنے شیخ کے بارے میں قول
 ہے، بعض ایسے شیوخ اور مفتدا بھی ہیں جو بڑی ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں جب مریدان کے ہاتھ پر
 توبہ کرتا ہے تو وہ سب سے پہلے ان کو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ شیخ کی قبر پر جا کر چلے کھینچے جیسے کہ بت پرست
 اپنے اپنے بتوں پر آسن جمائے بیٹھے ہوتے تھے ان قبر پرستوں میں بہت سے لوگوں کو ان قبروں کی
 پرستش میں وہ رقت و خشوع، دعا کی کیفیت اور حضور قلب حاصل ہوتا ہے جو ان کو مساجد میں حاصل

نہیں ہوتا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فِي بُيُوتِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا اللَّهَ مَعًا" (ترجمہ۔ ان گھروں (مساجد) میں جن کے لئے اللہ کا حکم ہے کہ بلند کئے جائیں اور ان میں اس کا نام لیا جائے)

خدا سے بے خوفی اور صاحبِ مزار سے خوف و خشیت

"ان لوگوں کا اعتقاد اور قبور سے تعلق اتنا بڑھا ہوا ہے کہ وہ بے تکلف کباڑ اور منہیات کا ازنگا کرنے رہتے ہیں، لیکن جب وہ مزار کا گنبد یا کلس دیکھ لیتے ہیں تو زک جلتے ہیں، ایک دوسرے سے کہتا ہے، خبردار یہ گنبد کا کلس نظر آ رہا ہے، ان کو اس کلس کے نیچے دفن ہونے والے انسان کا تو خیال و خطرہ ہوتا ہے، اور اس خدا کا ذرا بھی لحاظ نہیں ہوتا جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، اور جس کے حکم سے چاند گھٹتا اور بڑھتا ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی بحث کرے تو اپنے حریت کو ان بزرگوں کے جلال اور قدرت سے ڈراتے ہیں، بالکل جس طرح مشرکین نے ابراہیم علیہ السلام کو ڈرایا تھا، قرآن شریف میں ہے:-

اور اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا، اس نے کہا	وَمَا جَاءَهُ قَوْمَهُمْ قَالَ اتَّخَذُوا لِي فِي اللَّهِ وَقَدْ
کیا تم مجھ سے اللہ کے لیکہ ہونے میں جھگڑتے ہو اور اس نے	هَدَانِي وَلَا أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ بِهِ إِلَّا أَن يَأْتِيَنَّ
میری رہنمائی کی ہے اور میں تم شریک کرتے ہو میں ان کو	رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا
نہیں ڈرتا، مگر یہ کہ میرا رب مجھے کوئی تکلیف پہنچانا	تَتَذَكَّرُونَ ۚ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ
چاہے میرے رب نے علم کے لحاظ سے سب چیزوں پر	وَلَا تَخَافُونَ أَنتُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَكُمْ
احاطہ کر رکھا ہے کیا تم سوچتے نہیں ہو اور میں تمہارے	يُنزِلُ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا نَّافِئًا فَا تَتَّقُونَ الْفَرِيقَيْنِ
شرکیوں سے کیوں ڈروں حالانکہ تم اس بات سے	أَخِئْتُ بِالْأَمْنِ إِنَّ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ الَّذِينَ

اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلِيْسُوْا اِيْمَانُهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ
لَهُمُ الْاٰمَنُ وَهُمْ مُّسْتَدۡوِنٌ ۝

نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو اس چیز کو
جس کی اللہ نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری اگر تم کو کچھ سمجھ

ہے تو بتاؤ دونوں جماعتوں میں سے امن کا زیادہ
مستحق کون ہے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے
ایمان میں شرک نہیں ملایا، امن ان ہی کے لئے ہے
اور وہی راہِ راست پر ہیں۔

اللہ اور شعائر اللہ سے استہزاء و استخفاف

یہ قبر پرست توحید اور خدائے واحد کی عبادت کا مذاق اڑاتے ہیں، اور جن خدا کو چھوڑ کر
اپنا شقیح اور کار ساز بنا رکھا ہے، ان کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ
حج بیت اللہ اور حجاج کی تحقیر کرتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ائمہ اور شیوخ کی
زیارت حج بیت اللہ سے افضل ہے، یہ عقیدہ اہل تشیع اور بہت سی کہلانے والوں میں بھی
پایا جاتا ہے، کچھ لوگ مساجد اور نماز پشچگانہ کی تحقیر کرتے ہیں، اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے شیخ کی
دعا اس سے افضل و اعلیٰ ہے، یہ عقیدہ ان شیعوں میں ابھی تک موجود ہے، جو یونس قسی کی طرف
اپنی نسبت کرتے ہیں، ان کی اس گیت سے اندازہ ہوگا۔

تَعَالُوْا نَحْرِبِ الْحَبٰۤمِ
وَنَكْسِرِ الْمُنٰۤبِرِ
وَنَحْرِقِ الْمَصْحَفِ
وَنَجْعَلُ فِیْہِ خُمَارَہٗ
وَنَجْعَلُ مِنْہِ طٰنِبَارَہٗ
وَنَجْعَلُ مِنْہِ زَمَارَہٗ

ونتف من لحيۃ القاضی ونجعل منه اوتارہ

مشرکین کی بیباکی و شوخ چستی

”ان کی بیباکی کا حال یہ ہے کہ بے تکلف جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں، لیکن اپنے شیخ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتے، ان میں بعض بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو رزق میرے پیر کی طرف سے نہ ملے وہ مجھے قبول نہیں، ان میں سے بعض بکری ذبح کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ”میرے آقا کے نام سے“ بعض صاف صاف کہتے ہیں کہ ان کے شیخ انبیاء و مرسلین سے افضل تھے، ان میں سے بعض ان کے متعلق الوہیت کا اعتقاد رکھتے ہیں، جیسے کہ نصاریٰ حضرت مسیح کے متعلق رکھتے تھے، جب وہ اپنے شیخ کا ذکر کرتے ہیں تو بڑی تعظیم و تکریم سے کرتے ہیں، اور ان کی الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں، انھوں نے اپنے اپنے بزرگوں کی طرف سے بڑے بڑے شعر بنا رکھے ہیں، جن میں صاف صاف خدائی کا دعویٰ ہے، اور بڑی بڑی سن ترانیاں ہیں، کوئی کہتا ہے کہ موسیٰ، طور پر بھی سے ہم کلام ہوئے تھے، اور میری ہی شجلی دیکھ کر بیہوش ہو گئے تھے، کوئی کہتا ہے کہ عرش پر میں نے ہی چیخ ماری تھی، جو عالم میں شور مچ گیا، اور

سات سمندر میری ہی سمیت سے تلاطم میں ہیں؟

بزرگوں کی الوہیت کا اعتقاد

”بہت سے جہلاء و مشرکین پیغمبروں اور بزرگان دین کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہی دنیا کا

اور اس میں شراب کی دوکان قائم کریں	آدھم لوگ مسجد کو: ویران کریں	لے
اس سے ساز و مزامیر بنائیں	اور منبر کو توڑ کر.....	
اس سے بانسری بنائیں	اور قرآن کو پھاڑ کر.....	
اس سے اس کے تانت بنائیں	اور قاضی کی داڑھی اکھاڑ کر	

انتظام کرتے ہیں، پیدائش اور رزق کی ضرورتوں کا پورا کرنا، مصیبتوں کا دور کرنا ان ہی کا کام ہے، یہ قطعاً مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہو سکتا، نصاریٰ بھی صرف حضرت مسیح کے متعلق ایسا اعتقاد رکھتے ہیں، اس لئے کہ وہ اتحاد و حلول کے قائل ہیں، اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کے متعلق بھی ان کا اعتقاد نہیں باوجودیکہ وہ پرلے درجہ کے جاہل ہیں۔

بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جس شہر یا بستی میں کسی بزرگ کا مزار ہوتا ہے، اسی کی برکت سے ان کو رزق ملتا ہے، ان کی مدد ہوتی ہے اور دشمنوں سے حفاظت ہوتی ہے، اور ملک محفوظ رہتا ہے جس شخص سے ان کو اعتقاد ہوتا ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ فلاں شہر کا پاسبان ہے، مثلاً سیدہ نفیہ مصر و قاہرہ کی پاسبان ہیں، فلاں و فلاں بزرگ دمشق وغیرہ کے محافظ ہیں، فلاں و فلاں بغداد وغیرہ کے پہریدار ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ ان ہی صاحبین و انبیاء کی قبروں کی برکت سے ان شہروں اور بستیوں سے بلا دفع ہوتی ہے۔

ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب دشمن نے دمشق کا رخ کیا تو یہ (قبر پرست) بزرگوں سے فریاد کرنے کے لئے مقابر و مزارات کی طرف روانہ ہوئے جن سے ان کو اس خطرہ کے دفع کرنے کی امید تھی اور بعض شعراء نے کہا:۔

یا خائفین من التتر لودوا بقبرابی عمر
اے تاتاریوں سے ڈرنے والو ابو عمر کی قبر کی پناہ میں آ جاؤ
دوسرے نے کہا:۔

عودوا بقبرابی عمر ینجیکم من الضرر
ابو عمر کی قبر سے پناہ حاصل کرو تم کو وہ تکلیف سے نجات دیں گے

۱۔ الرد علی البکری ص ۳۲ ۲۔ الرد علی الاخوانی ص ۵۲ ۳۔ الرد علی البکری ص ۲۴۴-۲۴۸

مشاہد کا فتنہ

اس اولیا پرستی اور قبر پرستی کا قدرتی و لازمی نتیجہ یہی ہے کہ مساجد کے مقابلہ میں مشاہد کی اہمیت بڑھ جائے اور وہ "زیارت گاہ خلائق" اور عوام و جہاں کا قبلہ حاجات بن جائیں چنانچہ عالم اسلام کے چہرے پر ان مشاہد و مزارات کا جال بچھ گیا، ہزاروں لاکھوں صحیح اور جلی قبر بن گئیں، امراء و سلاطین نے بڑی فراخ دلی اور جوصلہ مندی سے ان کے لئے املاک زمین و وقت کی ان مزاروں و بزرگوں کی جگہوں پر سرفیلک عمارتیں اور طلائی گنبد تعمیر ہوئے، مجاورین، جاروب کشوں، اور خادموں کی ایک مستقل قوم اور امت وجود میں آئی، دھوم دھام اور بڑے تزک احتشام کے ساتھ ان کی طرف سفر کار و اراج ہوا، اور بڑے بڑے قافلے و درواز مقامات سے اس طرح سفر کر کے جانے لگے کہ حجاج کے قافلوں کے ہمسریاں سے کچھ بڑھے ہوئے نظر آنے لگے، مساجد سے عام مسلمانوں کی توجہ ہٹ کر مشاہد کی طرف ہو گئی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں مشاہد و مزارات نے دینی زندگی میں پوری مرکزیت اور مرجعیت اختیار کر لی تھی اور وہ بیت اللہ کے حریف و رقیب بن گئے تھے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تصنیفات و تخریروں سے پتہ چلتا ہے کہ مشاہد کا فتنہ کتنا بڑا پکڑ چکا تھا، اور جاہل و اہل غرض مسلمانوں کو اس سے کتنا تعلق ہو گیا تھا، اس فتنہ کے طاقت پکڑنے اور وسیع ہونے میں اس بات کو بھی بڑا دخل تھا کہ باطنی سلطنت نے صدیوں بڑے کدو فر سے مغرب اقصیٰ سے مصر و شام تک حکومت کی تھی، اہل رخص و تشیع کو شروع سے مساجد سے زیادہ مشاہد سے اور حرمین سے زیادہ نجد و کربلا و شہد سے تعلق رہا ہے، امام ابن تیمیہ کی ولادت سے پیشتر اگرچہ مصر کی "فاطمی" سلطنت ختم ہو چکی تھی، لیکن اس کے ذہنی و تہذیبی

لہ یہ عام طور پر فاطمی سلطنت کے نام سے معروف ہے، یہ درحقیقت عبیدیوں کی سلطنت ہے، ملاحظہ ہو تاریخ دعوت

وعدیمت حصہ اول ص ۲۲۹ دوسرا ایڈیشن۔

اثرات ابھی باقی تھے، خاص طور پر شام میں بڑی تعداد میں شیعہ و اسماعیلی موجود تھے جن کی صحبت کا اثر عام اور جاہل مسلمانوں پر پڑ رہا تھا، پھر غلط قسم کے تصوف نے جس میں بزرگوں کے مزارات و مشاہد خاص اہمیت اور تقدس رکھتے تھے اور ان پر سالانہ اجتماعات (عرس) وغیرہ کا رواج ہو چلا تھا، ان مشاہد و مزارات کو اور زیادہ چمکادیا تھا، اور اب وہ شرک و بدعات کا ایک بڑا ذریعہ بن گئے تھے، امام ابن تیمیہ ان مشاہد و مزارات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

مشاہد و مزارات کا حج

کچھ لوگ ہیں جو قبروں کا حج کرتے ہیں کچھ لوگوں نے اس سفر کے ادب و احکام پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں جن کا نام انھوں نے مناسک حج المشاہد رکھا ہے، چنانچہ ایک شیعہ عالم ابو عبد اللہ محمد بن نعمان الملقب بالمقید کی اسی نام کی مستقل تصنیف ہے جس میں ایسی بہت سی بے سرو پا روایات اہل بیت کی طرف منسوب کی ہیں جن کا بے اصل ہونا اہل نظر سے مخفی نہیں، کچھ لوگ بڑی دھوم دھام کے ساتھ مشائخ کے قبور کی زیارت کے لئے سفر کر کے جاتے ہیں اگرچہ وہ اس کو مناسک یا حج تو نہیں کہتے، لیکن دونوں میں کوئی فرق نہیں، ان میں سے بعض بعض لوگ جب قسم کھاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وحی النبی الذی تمجیہ اللطایا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حج کا ذکر کرتے ہیں، بیت التریک طرف حج کا ذکر نہیں کرتے، بعض حجاج کا حج سے بڑا مقصد قبر مبارک کی زیارت ہوتی ہے نہ کہ حج بیت اللہ۔

حج بیت التریک

بعض بعض لوگ مقابر کے حج کو حج بیت التریک ترجیح دیتے ہیں، بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر

فلاں بزرگ کی قبر کی زیارت دو مرتبہ یا تین مرتبہ کر لی جائے تو ایک حج بن جائے گا، بعض کسی بزرگ کے مزار کو میدان عرفات قرار دیتے ہیں اور حج کے زمانہ میں سفر کر کے وہاں جاتے ہیں اور اسی طرح وقوف کرتے ہیں، جیسے مسلمان میدان عرفات میں کرتے ہیں، اور مغرب و مشرق میں ایسا ہوتا رہتا ہے، بعض لوگوں کے اعتقاد میں اس مقدس مقام یا اپنے بزرگ کی قبر کا سفر حج سے بھی افضل ہے ایک مرید نے جس نے سات حج کئے تھے، دوسرے مرید سے کہا کہ شیخ کی قبر کی زیارت ان سات حج کے بدلے میں فروخت کرتے ہو؟ اس نے اپنے پیر سے مشورہ کیا، اس نے اس سے کہا کہ اگر تم نے یہودا کر لیا تو تم بڑے گھلٹے میں رہو گے ان میں بعض کو کہتے سنا گیا ہے کہ جو شیخ کی قبر کے سات پھرے کر لے، اس کو ایک حج کا ثواب ملے گا۔

مساجد کی ویرانی و کس مہر سی اور شاہد کی رونق و اہتمام

ان میں سے بہت سے لوگ مساجد کو ویران رکھتے ہیں اور شاہد کو بڑا آباد و پر رونق، ان کی مسجد جو نماز پجکانہ کے لئے بنائی گئی ہے، بالکل ویران اور بے چراغ نظر آتی ہے، غریب بل محلہ اگر درمی فرش کا انتظام کر دیں تو کر دیں ورنہ یہ بھی نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی سرائے ہے جس کا کوئی پران حال نہیں اس کے مقابلہ میں مزار و مقبرہ کا حال یہ نظر آتا ہے کہ پردے اس پر پڑے ہوئے ہیں، سونے چاندی سے اس کو مرصع کیا گیا ہے، سنگ مرمر کا فرش ہے، صبح و شام نذر و نیاز آرہی ہے، کیا یہ اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کی کھلی ہوئی تحقیر اور شرک کی علامت نہ تعظیم نہیں ہے، یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صاحب مزار کی دعا اور اس کی دہائی اللہ کے گھر میں اللہ سے مانگنے اور اس کے نام کی دہائی دینے سے زیادہ مؤثر و مفید ہے، اس لئے قدرتی طور پر خدا کے گھر (مسجد) کے مقابلہ میں اس گھر کو ترجیح حاصل ہوئی، جو مخلوق سے دعا کے لئے بنایا گیا ہے، اگر مسجد کے لئے بھی کوئی وقف ہے اور مزار کے لئے بھی

کوئی وقت ہے تو مزار کا وقت ان کے نزدیک زیادہ اہم اور تمہیں نشان ہوگا، اور مسجد سے بڑھا ہوگا، اس بارے میں وہ شرکین عرب کے قدم بہ قدم ہیں جن کا حال اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں اس طرح بیان کیا ہے۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ
نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِرِزْقِهِمْ وَمِنْ
لِشْرِكائِنَا مَا كَانَ لِشْرِكائِهِمْ قَلِيلٌ إِلَى
اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ
سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝

اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصہ
اس کے لئے مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے
ہیں کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اور یہ ہمارے شرکوں کا ہے سو جو
حصہ ان کے شرکوں کا ہے وہ اللہ کی طرف نہیں جاسکتا
اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شرکوں کی طرف جاسکتا

ہے، کیسا بڑا فیصلہ کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ ساتویں اور آٹھویں صدی میں باوجود اس کے کہ طاقتور اسلامی سلطنتیں قائم تھیں اور بڑے بڑے ائمہ فہم کبار محدثین و فقہاء موجود تھے، بڑے بڑے مدارس اور علمی مرکزوں کا وجود تھا، عوام و جہلاکن اعتقادی اور عملی گمراہیوں میں مبتلا تھے، اور جس درجہ کے مشرکانہ عقائد و اعمال مسلم معاشرہ اور عام مسلمانوں کے مزاج میں درخور پائے گئے تھے، عوام اور جہلاء سے قطع نظر بہت سے علماء اور فقہاء بھی ان عقائد و اعمال کے بارے میں بہت سے شبہات میں گرفتار تھے اور ان کی تحریروں اور فتاویٰ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شرک و توحید کے بارے میں ان کا ذہن بھی اتنا صاف اور کیسوی نہیں تھا، جتنا ایک ایسے شخص کا ہونا چاہئے جس نے عقیدہ توحید کو براہ راست قرآن و حدیث سے اخذ کیا ہے، اور جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت اور صحابہ کرام کے دلیغیر و برکت کے نمونے اور اقوال و اعمال ہیں، اس طبقہ کے طرز فکر کا اندازہ جو اپنے زمانہ کے رسوم مروجہ اور عادات قدیمہ سے متاثر تھا، امام ابن تیمیہ کے معاصر شیخ علی بن یعقوب البکری اور الاخوانی کی ان تحریروں

سے ہوتا ہے جس کی تردید میں امام ابن تیمیہ نے وہ دو مبسوط کتابیں لکھیں جن کے اقتباسات اور پیش کیے گئے۔

امام ابن تیمیہ کا اصلاحی کام اور شرکانہ عقائد کی تردید و مخالفت

امام ابن تیمیہ نے ان شرکانہ اعمال و رسوم کے خلاف جہاد و تجدید کا علم بلند کیا، اور عوام کی رضامندی و ناراضگی نیز خواص کا عوام کے قہر و عتاب سے بالکل بے نیاز ہو کر موجودہ اعمال و رسوم اور شرکانہ عقائد و خیالات کی تردید کی اور ان عقائد و تخیلات پر ہمیشہ چلایا، جو اس شرکانہ طرز عمل کی بنیاد تھے۔

ان مزارات پر عوام کے ہجوم اور شرکانہ اعمال و رسوم کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ عوام ان اصحاب مزارات سے اپنے مقاصد و اغراض کے لئے دعا کرتے تھے ان کے نام کی دہائی دیتے تھے ان کی پناہ میں آتے تھے امام ابن تیمیہ نے اپنی تحریروں میں صاف صاف لکھا کہ دعا غیر اللہ سے بالکل جائز نہیں اور یہ شرک صریح ہے جو مسلمانوں کی بہالت یا غیر مسلم اقوام کی مخالفت سے مسلمانوں میں داخل ہو گیا ہے "الرد علی البکری" میں لکھتے ہیں:-

غیر اللہ سے دعا و استغاثہ کی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور اس کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد یقینی اور یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی امت کو کسی مردے یا غیر یا صالح آدمی سے دعا کرنے کی اجازت نہیں دی، نہ استغاثہ کے طور پر نہ استغاثہ کے طور پر، اسی طرح آپ کی امت کے لئے کسی مردہ یا زندہ کا سجدہ کرنا جائز نہیں اور اسی طرح کے وہ اعمال جو عبادات میں شامل ہیں، ہم کو

لہ تلخیص کتاب الاستغاثہ المعروف بالرد علی البکری مطبوعہ سلفیہ مصر ۱۳۲۶ھ اور کتاب الرد علی الاضالی و استغاثہ

نیارۃ خیر البریۃ زیارۃ الشریعۃ ایضاً مطبوعہ سلفیہ ۱۳۲۶ھ آخر الذکر کتاب اول الذکر کے حاشیہ پر ہے۔

خوب معلوم ہے کہ آپ نے ان تمام امور سے منع فرمایا ہے، اور یہ سب اس شرک میں داخل تھے جس کو اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے، لیکن چونکہ پچھلے زمانہ میں جہالت بہت عام ہو گئی اور تعلیمات نبوت اور آثار رسالت سے واقفیت بہت کم تھی، اس لئے بہت سے علماء نے اس وقت تک ان جہلا کی تکفیر کرنے سے احتیاط کی ہے، جب تک کہ ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور دین کے احکام واضح نہ ہو جائیں۔

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں:-

”میت سے اپنی ضرورت کا سوال یا اس سے استغاثہ جیسا کہ بہت جگہ رواج ہے شریعت محمدی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، یہ بھی درحقیقت بت پرستی کی ایک قسم ہے اسی لئے ان دعا کرنے والوں کے سامنے کبھی کبھی شیاطین صاحب مزار کی صورت میں یا کسی غائب کی شکل میں آتے ہیں، جیسا کہ بت پرستوں کو اکثر ایسا پیش آتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے

”بت پرستی کی ابتداء قبروں ہی سے ہوئی۔“

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:-

”کسی میت یا غائب سے سوال خواہ وہ پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر ان اعمال میں سے ہے، جن کی حرمت پر تمام ائمہ مسلمین متفق ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ نے نہ تو اس کا حکم دیا، اور نہ صحابہ و تابعین میں سے کسی نے ایسا کیا، اور نہ ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اس کو پسند کیا، جو دین اس وقت پہلے سامنے ہے اور محفوظ چلا آ رہا ہے اس سے بدابتر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرون خیر میں بالکل اس کا رواج نہیں تھا، اگر کوئی شخص کسی شکل میں یا مصیبت میں گرفتار ہوتا یا اس کو کوئی ضرورت پیش آتی تو وہ کسی گذشتہ بزرگ یا پیغمبر کا نام لے کر کہتا یا سیدی فلان انانی حبیب (حضور والا

میں آپ کے ذمہ میں ہوں) میں نے آپ کا دامن پکڑا ہے، یا فلاں بزرگ میری ضرورت پوری کر دیجیے، جیسے کہ اس زمانہ کے بعض مشرکین اپنے ایسے بزرگوں کا نام لے کر کہتے ہیں، جو یا تو انتقال کر چکے ہیں یا وہاں موجود نہیں ہوتے، نہ کہیں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی یا کسی اور پیغمبر کی قبر شریف کے پاس یا قبر شریف سے فاصلہ پر دہائی دی ہو، صحابہ کرام کے مشرکین و کفار کے ساتھ بڑے بڑے معرکے ہوئے اور بار بار وہ ان کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے، بڑے گھمسان کارن پڑا، اور بعض اوقات بڑی پریشانی پیش آئی، اس کے باوجود ان میں سے کسی نے نہ کسی نبی کی دہائی دی، اور نہ غیر نبی کی، اور نہ خدا کو کسی مخلوق کی قسم دی، نہ یہ حضرات انبیاء اور غیر انبیاء کی قبور پر دعا کرنے کے لئے جاتے، نہ نماز پڑھنے کے لئے، امام الکواکب اور بعض علماء نے تو اس کو بھی ناپسند کیا ہے کہ کوئی شخص قبر انور کے پاس کھڑے ہو کر بھی اپنے لئے دعا کرے، اور انہوں نے تصریح کی ہے کہ یہ ان بدعات میں سے ہے، جن کا عہد سلف میں شروع نہیں ملتا؛ اپنے مشہور رسالہ التوسل والوسیلہ میں لکھتے ہیں:-

• ملائکہ اور انبیاء سے (ان کے انتقال کے بعد یا ان کی غیر موجودگی میں) دعا کرنا، ان سے مانگنا، ان کی دہائی دینا، اور ان سے یا ان کے مجسموں سے سفارش چاہنا ایک نیادین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا، اور نہ کسی نبی کو اس کے ساتھ مبعوث فرمایا، اور نہ کوئی آسمانی کتاب اس کی تائید میں نازل فرمائی؛

غیر اللہ سے دعا کی حرمت کی حکمت

اس کتاب میں وہ ایک جگہ اس حرمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-
 "اللہ تعالیٰ نے باوجود اس کے کہ بیان فرمایا ہے کہ ملائکہ ہمارے لئے دعا و استغفار کرتے ہیں، ہم کو

ملائکہ سے دعا کرنے کی ممانعت فرمائی، اسی طرح انبیاء و صالحین اگرچہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے، وہ زندوں کے لئے بھی دعا کرتے ہیں، لیکن کسی کو خود ان سے دعا کرنا جائز نہیں اور نہ سلف سے ایسا منقول ہے، اس لئے کہ فعل ذریعہ بن جاتا ہے، شرک اور ان کی مستقل پیشکش کا بخلاف اس کے اگر زندگی میں ان سے کچھ مانگا جائے، یا سوال کیا جائے تو وہ شرک تک نہیں پہنچاتا دوسری بات یہ ہے کہ ملائکہ اور انبیاء و صالحین انتقال کے بعد زندوں کے لئے جو کچھ دعا و استغفار کرتے ہیں، وہ ایک کوینی امر ہے جس میں دوسروں کے سوال و دعا کا کوئی دخل نہیں، برخلاف زندگی کے کہ اس میں سائل کا سوال کرنا مشروع ہے، انتقال کے بعد وہ ان چیزوں کے مکلف نہیں رہتے۔^۱

اہل قبور سے دعا کرنے والوں کی قسمیں اور صورتیں

ایک دوسری جگہ وہ قبر پر دعا و سوال کرنے والوں کی قسمیں اور حالات لکھ کر الگ الگ حکم بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:-

”جو شخص کسی پیغمبر یا مرد صالح کی قبر کے پاس آتا ہے، یا کسی ایسی قبر کے پاس جس کے متعلق اس کا خیال ہے کہ یہ کسی پیغمبر یا مرد صالح کی قبر ہے (حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے) وہاں سوال و سجدہ کرتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ اس سے اپنی ضرورت کا سوال کرتا ہے مثلاً اس سے اپنے یا اپنے جانوروں کے مرض کا ازالہ، یا اپنے قرض کی ادائیگی، یا اپنے دشمن سے انتقام یا اپنی یا اپنے گھر والوں اور جانوروں کی صحت کی درخواست کرتا ہے، اور اسی طرح کے وہ امور جن پر خدا کے سوا اور کسی کو قدرت نہیں تو یہ کھلا ہوا شرک ہے، ایسے شخص سے توبہ کرانی چاہئے، اگر وہ توبہ کر لے تو خیر ورنہ قتل

کر دیا جائے۔

اگر وہ کہتا ہے کہ میں ان صاحب مزار سے یا اس پیغمبر یا ولی سے اس لئے سوال کرتا ہوں کہ اس کو میرے مقابلہ میں خدا سے زیادہ تقرب حاصل ہے یہ ان امور میں میری سفارش کر دے اس لئے میں اللہ کے لئے یہاں اس کو وسیلہ بناتا ہوں جیسے کہ سلطان کے یہاں اس کے خواص و عوام کو وسیلہ بنایا جاتا ہے تو یہ عمل مشرکین و نصاریٰ کا سائل ہے اس لئے کہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ اپنے اجبار و رہبان کو صرف شفیع بناتے ہیں اور ان سے اپنے اغراض و مقاصد کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش چاہتے ہیں اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے متعلق اطلاع دی ہے کہ وہ کہتے ہیں "مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ" (ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ وہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں۔ الزمر-۳)

اور ارشاد ہوتا ہے:-

کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں
کہہ دو کیا اگرچہ وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور
بے عقل رکھتے ہوں کہہ دو ہر طرح کی حمایت اللہ ہی کے
اختیار میں ہے آسمانوں اور زمین پر اسی کی حکومت
ہے پھر اسی کی طرف تم لوٹنا ہے جاؤ گے۔

اَمْ اَتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلُ
اَوْ لَوْ كَانُوا الْاٰیْمٰنُوتِ سَيِّئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ
قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا لَّهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَّالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ
(سورہ زمر-۲۳-۲۴)

اور ارشاد ہوتا ہے کہ:-

تمہارے لئے نہ اس کے سوا کوئی کارساز ہے نہ
سفارشی پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔

مَا لَكُمْ مِّنْ دٰۤیْنٍ مِّنْ قَوْلِیْ وَلَا تَنْفِیْ
اَفَلَا تَحْذَرُوْنَ ۝ (السجدہ-۴)

اسی طرح ارشاد ہے:-

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ
ایسا کون ہے جو اس کی اجازت کے سوا اس کے
(البقرہ - ۲۵۵) یہاں سفارش کر سکے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس بزرگ یا صاحبِ مزار سے فعل کو طلب نہ کیا جائے، نہ اس سے دعا کی جائے، اس سے صرف یہ درخواست کی جائے کہ وہ حصولِ مقصد کے لئے دعا کر دے، جیسے کسی زندہ انسان سے کہا جاتا ہے کہ میرے لئے دعا کر دیجئے اور جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کہا جاتا ہے کہ میرے لئے دعا کر دیجئے اور جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دعا کی درخواست کرتے تھے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ زندہ انسان کے معاملہ میں تو یہ جائز اور مشروع ہے، باقی ایک فوت شدہ مرد صالح یا پیغمبر کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اس سے دعا کی درخواست کرنا شریعت میں نہیں آیا، یہ کوئی مشروع فعل نہیں کہ ہم کسی بزرگ یا پیغمبر سے انتقال کے بعد یہ کہیں کہ ہمارے لئے دعا کر دیجئے یا اپنے رب سے ہمارے لئے یہ مانگ دیجئے، اور نہ کسی صحابی یا تابعی سے ایسا ثابت ہے، اور نہ کسی امام کا یہ مثلہ ہے، نہ اس کے ثبوت میں کوئی حدیث ہے، اس کے برخلاف صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قحط پڑا تو انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کرائی اور ان کو وسیلہ بنایا اور کہا اے اللہ! جب ہم پہلے قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے نبی کو وسیلہ بناتے تھے اور تو بارش نازل فرماتا تھا، اب ہم اپنے پیغمبر کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو بارانِ رحمت بھیج، چنانچہ بارش ہوئی انھوں نے اس ضرورت اور مصیبت کے وقت یہ نہیں کیا کہ قبر النور کے پاس آئیں اور عرض کریں کہ یا رسول اللہ! ہمارے لئے دعا کر دیجئے، اور بارش بھجوائیے، ہم آپ سے فریاد کرتے ہیں کبھی کسی صحابی نے اس طرح نہیں کیا، یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ زائر یوں کہے کہ اے اللہ فلاں شخص کے طفیل جس کا تیرے یہاں

بڑا مرتبہ ہے یا فلاں کی برکت سے یا بجز مرتب فلاں و فلاں مجھے فلاں چیز عطا فرما میرے ساتھ
ایسا معاملہ فرما تو یہ بہت سے لوگوں کا معمول ہے لیکن ایسا کرنا کسی صحابی یا تابعی یا سلف میں سے
کسی نے منقول نہیں ہے کہ وہ اس طرح دعا کرتے ہوں، بعض علماء اور اکابر نے اس کی صحت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اجازت دی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی حیات میں تھا، ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔

زندہ ہستی سے بھی کسی ایسی چیز کا مطالبہ جو اسبابِ نیاوی سے ماورا ہو جائز نہیں

امام ابن تیمیہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ کسی فوت شدہ بزرگ یا پیغمبر اور صاحبِ مزار سے
سوال و طلب اور دعا کرنا جائز نہیں بلکہ کسی زندہ انسان سے بھی کسی ایسی چیز کا مطالبہ جو اسبابِ نیاوی
سے ماوراء اور قدرتِ کئی فیکون سے متعلق ہو، یا ان امور سے تعلق رکھتی ہو جو صرف خدا کی قدرت
اور ارادہ سے ہو سکتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے، ان کے نزدیک ناجائز
اور شرک ہے، اپنے رسالہ "زیارة القبور" میں فرماتے ہیں:۔

"بندہ کا مطلوب اگر ان امور اور معاملات سے تعلق رکھتا ہے جن پر صرف خدا کو قدرت حاصل
ہے، اس کا غیر اللہ سے طلب کرنا خواہ وہ بادشاہ ہو، خواہ نبی، خواہ پیر یا بزرگ، خواہ زندہ ہو یا مرد
جائز نہیں، مثلاً اپنی یا جانوروں کی بیماری سے صحت طلب کرے، یا بخیر کسی معین جہت کے اپنے
قرعہ کی ادائیگی چاہے، اگر والوں کی عافیت اور دنیا و آخرت کی بلاؤں کا دفع ہونا یا دشمن پر

لہ رسالہ زیارة القبور مشمولہ مجموع رسائل ۱۰۶-۱۱۲ باختصار۔

توسل کے بارے میں امام ابن تیمیہ کا سلک شہور و معلوم ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ان کی مستقل تصنیف "قائدہ

جلیلہ فی التوسل والوسیلہ" لیکن اکثر ائمہ و علماء اس بارے میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔

فتح قلب کی ہدایت، گناہوں کی مغفرت جنت میں دخول، جہنم سے چھٹکارا، علم کا حاصل ہو جانا قرآن کا پڑھ جانا، قلب کی درستی، اخلاق کی آراستگی، نفس کا تزکیہ وغیرہ وغیرہ، یہ سب امور ہیں جو صرف خدا سے طلب کئے جاسکتے ہیں، یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص کسی بادشاہ یا سفیر یا پیر سے یہ کہے (خواہ وہ مردہ ہو یا زندہ) کہ میرے گناہ بخش دیجئے، مجھے میرے دشمن پر فتح دیجئے، میرے مرض کو شفا دیجئے، مجھے عافیت عطا کیجئے، یا میرے گھر والوں اور میرے جانوروں کو سلامتی عطا ہو، اور اسی طرح کی دعائیں اور فرمائشیں، اگر کوئی شخص کسی مخلوق سے ان باتوں کا سوال کرے گا، خواہ وہ کوئی ہو، تو وہ مشرک ہے اور انہی مشرکین کی جنس میں سے ہے، جو ملائکہ اور انبیاء کی عبادت کرتے تھے، اور ان کے بتوں اور صورتوں کی پرستش کرتے تھے، جو ان کی شکل پر انھوں نے بنا رکھی تھیں اور جیسے نصاریٰ حضرت مسیح اور ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم سے دعا کرتے تھے۔

واسطہ کی حقیقت

اس سلسلہ میں ایک بحث واسطہ کی پیدا کی جاتی ہے اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی ولی بزرگ اور مرد صالح سے دعا کرنے یا سفارش کرانے کے مخالف ہیں ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ واسطہ کے منکر ہیں، حالانکہ نبی خلق اور خالق کے درمیان واسطہ ہے اور اس کے بغیر خدا تک پہنچنا امر محال ہے، امام ابن تیمیہ نے واضح طریقہ پر اس کا جواب دیا ہے اور بتلایا ہے کہ واسطہ کے دو مفہوم ہیں، ایک مفہوم برحق اور متفق علیہ ہے اور اس پر بنا لے دین کی بنیاد ہے، ایک مفہوم باطل ہے بنیاد اور اختراعی ہے، انھوں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ الواسطہ بین الخلق والحق کے نام سے لکھا ہے اس میں ارشاد فرماتے ہیں:-

رسول کے واسطے ہونے کا اگر مفہوم یہ ہے کہ مخلوق کے لئے ایک ایسا واسطہ ضروری ہے جو اللہ کا حکم اور اس کا نشاء خلق خدا کو بتلاتا ہے تو یہ سراسر حق ہے اس لئے کہ خلق خدا کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضیات احکام، منہیات کے معلوم کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں اپنے دوستوں و مقبول بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں رکھی ہیں اور اپنے دشمنوں کے لئے جس عذاب کا وعدہ کیا ہے وہ ان کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا، کون سے اسماء و صفات اللہ تعالیٰ کی ذات بے چوں و بے چگوں کے شایان شان اور مناسب ہیں، اور کون سے نامناسب، عقل تنہا اس کی معرفت سے عاجز و درماندہ ہے، یہ سب حقائق اور علوم صحیحہ محض انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت و تعلیم کے لئے بھیجا ہے، یہ ایک ایسا بنیادی مسئلہ ہے جس پر نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام اہل ملل یہود و نصاریٰ تک کا اتفاق ہے، وہ سب خلق و خالق کے درمیان اس طرح کے وسائل کے قائل ہیں، یہ وسائل خدا کے وہ پیغمبر ہیں جنہوں نے اللہ کی طرف سے احکام و اطلاعات پہنچائیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ

فرشتوں اور آدمیوں میں سے اللہ تعالیٰ اپنا پیغمبر چاہتا ہے۔

(سورہ حج - ۷۵) کے لئے چن لیتا ہے۔

جو ان واسطوں کا منکر ہے، وہ باتفاق تمام اہل ملل و ادیان کافر ہے۔

اور اگر واسطہ کا مفہوم یہ ہے کہ حصول منافع و دفع مضرت کے لئے ایک ایسے واسطہ کی ضرورت ہے، مثلاً ایک ایسی شخصیت ضروری ہے جو زرق، نصرت اور بھولے بھٹکے کو راستہ بتلائے، میں خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ ہوا، لوگ اس سے ان سب چیزوں کا سوال کریں اور وہ خدا سے لے کر کے دے، اور لوگ اسی سے امید باندھیں تو یہ پرلے درجہ کا شرک ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی

تکفیر فرمائی ہے، کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے اولیاء و شفعاء کو اختیار کر رکھا تھا، جن کے ذریعہ سے وہ منافع حاصل کرتے تھے اور مصزات سے بچتے تھے۔

عوام و جہلاء اور بہت سے خواص کا لعوام نے یہاں تک غلو کیا تھا کہ صرف حضرات انبیاء اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں، بلکہ عام اولیاء و صاحبین کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ بنا رکھا تھا، اور دعا و استعانت، توکل و رجاء سب کا تعلق انہی سے قائم کر رکھا تھا، امام ابن تیمیہ ان کے بارے میں یہی تفریق کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:-

”انبیاء علیہم السلام کے علاوہ علم دین کے جو ائمہ اور شیواہیں ان کے بارے میں بھی یہی تفصیل ہے کہ جو شخص ان کو رسول اور امت کے درمیان واسطہ مانتا ہے، وہ رسول کے احکام و مسائل کے مبلغ اور معلم اور امت کے مربی و مقتدی ہیں، اور نمونہ عمل تو یہ بات بجا اور درست ہے، یہ ائمہ و علماء اگر کسی مسئلہ پر اجماع کر لیں تو ان کا اجماع حجت قطعی ہے، اس لئے کہ یہ سب گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتے اور اگر کسی مسئلہ میں ان کا اختلاف ہو تو اس کو وہ اس میں اللہ و رسول کی طرف رجوع کریں گے، اس لئے کہ ان میں سے کوئی شخص انفرادی حیثیت سے علی الاطلاق معصوم نہیں ہے، ان میں سے ہر ایک کے کلام میں تحقیق کا کچھ حصہ لیا جاسکتا ہے اور کچھ ترک کیا جاسکتا ہے، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے، جو بالکل معصوم ہے اور جن کا کوئی حکم و ارشاد قابل ترک نہیں۔

اور اگر کسی شخص کا یہ خیال ہے کہ یہ بزرگان دین اور ائمہ و علماء اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان اسی طرح سے واسطہ ہیں، جیسے بادشاہ اور رعیت کے درمیان حاجب و دربان ہوتے ہیں کہ یہی خدا تک اس کی مخلوق کی ضرورتیں پہنچاتے ہیں اور اللہ انہی کے توسط سے اپنے بندوں کو ہدایت اور رزق عطا فرماتا ہے، مخلوق ان سے سوال کرتی ہے اور وہ خدا سے سوال کرتے ہیں، جیسے

بادشاہوں کے حاجب و زبان رعیت کی ضرورتیں ان سے طلب کرتے ہیں، لوگ براہ راست بادشاہ سے سوال نہیں کرتے اس کو بے ادبی سمجھتے ہیں، وہ ان حاجبوں سے سوال کرتے ہیں اس لئے کہ ان سے طلب کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے، کیونکہ وہ بادشاہ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، اور طالب تناقریب نہیں ہوتا، اور جو شخص اس نوعیت کے وسائل کا قائل ہے اور اس معنی میں بزرگان دین اور علماء و صلحاء کو واسطہ مانتا ہے، وہ کافر و مشرک ہے، اس سے توبہ کرانی واجب ہے، اگر توبہ کر لے تو خسرو زہ قتل کر دیا جائے، یہ درحقیقت تشبیہ میں گرفتار ہیں، کیونکہ انھوں نے مخلوق کو خالق کا مشابہ سمجھ رکھا ہے اور اللہ کے ہمسرا اور نظیر ٹھہرا رکھے ہیں!

مشاہد بدعتِ قلیبہ میں

امام ابن تیمیہ ان مشاہد اور زیارت گاہوں کے سخت مخالف ہیں، جو پورے عالم اسلام میں شرک و بدعت، فسق و فجور اور انواع و اقسام کے منکرات کا مرکز بن گئی تھیں، اور جنھوں نے عالم اسلام میں ایک فتنہ عظیم کی شکل اختیار کر لی تھی، اور کہتے ہیں کہ یہ شریعت کی صریح مخالفت اور پچھلے زمانہ کی ایک مکروہ بدعت ہے "الرد علی البکری" میں فرماتے ہیں:-

یہ مسجدیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں، جن کو مشاہد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ ایک بدعت ہے، جو لوگوں نے اسلام میں پیدا کی ہے، ان کی طرف سفر کر کے جانا بھی ایک رواج ہے جس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں، اسلام کی ابتدائی تین صدیوں میں جن کی خیر و فضیلت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے، ان کا وجود نہ تھا، بلکہ صحیح احادیث میں آپ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اس سے ڈرایا، اور منع فرمایا، بخاری کی حدیث ہے کہ "لعمریہ ایہود والنصارى اتخذوا قبورا بنیاء ہم مساجد" (اللہ

یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبور کو مساجد بنایا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا تو قبر مبارک کو کھلے میدان میں کر دیا جاتا، لیکن آپ کو یہ ناپسند تھا کہ اس کو مسجد بنایا جائے، اسی طرح سے یہ بھی صحیح حدیث ہے کہ آپ نے وفات سے پانچ روز پہلے فرمایا۔

من کان من قبلكم قالوا تمخذون القبور

مساجداً الا فلا تمخذوا القبور مساجد

فالی انھا کم من ذلک

اس سے روکتا ہوں۔

اس سے روکتا ہوں۔

گے چل کر فرماتے ہیں:۔

جب مسلمانوں نے تشریح فتح کیا تو وہاں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر ان کو ٹی اہل شہر وہاں بارش کی دعا کرتے تھے اور پانی مانگتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی، آپ نے لکھا کہ دن کو تیرہ قبریں کھودو، اور رات میں ان کو ان میں سے کسی ایک میں دفن کر دو تاکہ لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں، اور ان سے بارش کا سوال نہ کریں حقیقت یہی صحابہ کرام کا طریق تھا، اسی لئے صحابہ و تابعین کے زمانہ میں سرزمین اسلام میں ایک مسجد بھی ایسی نہیں پائی جاتی تھی، جو کسی قبر پر تعمیر کی گئی ہو، اور نہ کہیں کوئی مشہد تھا، جس کی زیارت کی جائے، نہ حجاز میں، نہ یمن میں، نہ شام میں، نہ مصر، عراق، خراسان میں؛

ایک دوسری کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”قبور کی طرف حج کر کے جانے والوں اور ان کو عبادت گاہ اور مساجد اور میلہ کی جگہ بنانے والوں کا صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں سراغ نہیں لگتا، اسلام میں نہ کوئی ایسی قبر اور مشہد تھا، جس کی طرف حج کر کے جایا جائے، یہ تین صدیوں کے بعد کی پیداوار ہے بدعت کی

خاصیت ہی یہ ہے کہ اس میں جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہوتی ہے اسی قدر دیر میں اس کا ظہور ہوتا ہے، شروع میں وہ بدعات ظاہر ہوتی ہیں، جن کی مخالفت اتنی واضح اور جلی نہیں ہوتی۔

مشاہد کے موجد باطنی و روافض ہیں

ان کی تحقیق ہے کہ ان مشاہد و مزارات کی بدعت اور دعوت روافض اور باطنیہ نے شروع کی اور ان کے بارے میں حادثہ و ضح کیس اس لئے کہ ان کو حقیقی دھپسی اپنے ائمہ کے مزارات و مشاہد سے ہے فرماتے ہیں:-

”سب سے پہلے جنہوں نے ان مشاہد کی زیارت کے لئے سفر کرنے کی فضیلت میں حدیثیں وضع کیں وہ روافض و غیرہ دوسرے اہل بدعت تھے جن کا دستور یہ ہے کہ مساجد کو ویران کرتے ہیں اور مشاہد کو جن میں شرک، کذب اور ایک نئے دین کی اختراع ہوتی ہے، پر رونق اور آباد رکھتے ہیں اور توفیر و تعظیم کرتے ہیں، کتاب و سنت میں مشاہد کے بجائے مساجد کا جا بجا تذکرہ ملتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ أَمْرِي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ
عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوا مُخْلِصِينَ لَهُ
الْيَقِينَة (سورہ اعراف- ۲۹)

کہہ دو میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور
ہر نماز کے وقت اپنے منہ پیدھ کر دو اور اس کے
خالص فرمان بردار ہو کر اسے پکارو۔

وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ
أَحَدًا (سورہ جن- ۱۸)

اور بیشک مسجدیں اللہ کے لئے ہیں پس تم اللہ کے
ساتھ کسی کو نہ پکارو۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ

اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور آخرت

کے دن پر ایمان لایا۔

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (سورہ توبہ - ۱۸)

اور ان سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں

وَلَا تَبَاشِرُوهُمْ وَأَنْتُمْ عَلَيْكُمْ فِي الْحَيْدِ

متکلف ہو۔

(سورہ بقرہ - ۱۸۷)

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اشتر کی

وَمَنْ أَنْظَمَ مَعَنَ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ

مسجدوں میں اس کا نام لینے کی مانعت کر دی۔

فِيهَا اسْمُهُ (سورہ بقرہ - ۱۱۴)

نیز صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ ارشاد فرماتے تھے ان من کان قبلكم كانوا يتخذون القبور

مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فالي انما لكم عن ذلك (تم سے پہلے جو لوگ تھے یہود

و نصاریٰ وہ قبروں کو مساجد بنا لیا کرتے تھے، دیکھو یاد رکھنا قبروں کو مسجد نہ بنانا میں تم کو اس سے

منع کرتا ہوں)

اکثر مشاہد و مزارات جعلی ہیں

امام ابن تیمیہ کی تحقیق ہے کہ ان مشاہد اور شہور زیارت گاہوں میں سے اکثر جعلی اور فرضی ہیں، وہ اس سلسلہ میں کسی اچھی بات لکھتے ہیں کہ چونکہ مشاہد و مزارات کے جاننے اور پہچاننے پر شریعت کا کوئی دار و مدار نہیں ہے، اور یہ اس دین میں داخل نہیں ہے جس کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ ضمانت کی ہے اس لئے اس میں کثرت سے جعل اور فرضی ہوا ہے اور بہت سے مزارات اور مشاہد محض بے حقیقت اور بے اصل ہیں اور مخلوق کی مخلوق ان کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:-

مشاہد میں سے بہت سے محض جعلی ہیں اور بہت سے

وکتیر من المشاہد کذب وکثیر منها

مشکوٰۃ میں اس سلسلہ میں لوگ کہوں اس قدر غلط فہمیوں

مشکوٰۃ فیہ وسبب ذلك ان معرفة

لہ الروعی الاخوانی ص ۴۹

لشاهد لیت من الدین الذی تنقل

کا شکار ہوئے اس کا راز یہ ہے کہ شاہد کی شناخت

اللہ بحفظہ لعدم حاجتہم الی معرفۃ

اور معرفت اس دین کا کوئی حصہ نہیں جس کے محفوظ

ذکر۔

رہنے کی اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری لی ہے کیونکہ اہمیت

کو ان معلومات اور تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے

اور اس پر دین کا کوئی کام موقوف نہیں ہے۔

مشاہد و مزارات پر حصول مقصد کے افسانے

اس سلسلہ میں ایک بڑا فتنہ پھیل رہا تھا کہ ان مشاہد اور زیارت گاہوں میں بڑے بڑے مریضوں کو شفا ہوتی ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں، لوگ اس سلسلہ میں اپنے ذاتی تجربے اور شاہدے بیان کرتے تھے، امام ابن تیمیہ کو اللہ تعالیٰ نے رسوخ فی الدین اور ایمان و یقین کا جو مقام عطا فرمایا تھا، اس کی بنا پر وہ ان افواہوں اور دعویوں سے متاثر ہونے والے نہیں تھے اور قطعیات دین اور مخصوصا کتاب و سنت کو ان روایات و بیانات کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتے تھے انھوں نے اپنی خداداد فراست اور دینی فہم سے کام لیا اور ثابت کیا کہ یہ سب تو بہات اور بے اصل باتیں ہیں، اس سلسلہ میں زیادہ تر جانوروں کے شفا یاب ہونے کے واقعات بیان کئے جاتے تھے، امام ابن تیمیہ نے اس کی جو وجہ بیان کی ہے، وہ بہت عجیب و غریب اور بصیرت افروز ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں :-

لہ الذی علی البکری ص ۱۱۱ مزارات و شاہد کے بکثرت جعلی ہونے کے متعلق امام ابن تیمیہ نے جو کچھ لکھا ہے، تاریخ و تحقیق

سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، مثال کے طور پر قاہرہ میں سیدنا حسینؑ کے سر مبارک کا دفن، مدفن سیدہ زینبؑ، مدفن سیدہ سکینہؑ،

نبھ میں حضرت علیؑ کا دفن، دمشق میں ازواج مطہرات کے دفن اور ہندوستان کے بعض بعض مشہور مزارات مثلاً لاہور میں

حضرت سید علیؑ بھویری مروت بہ داتا گنج بخش کا مزار تاریخی اعتبار سے مشکوک ہے۔

قاہرہ میں ایک گروہ عبیدیہ (مشہور بغاطیین) کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ وہ اولیائے صاحبین میں سے تھے، میں نے جب ان سے کہا کہ وہ تو منافق و زندقہ تھے، اور ان میں سب سے کم اور بکے درجے کے وہ تھے جو رافضی تھے، تو ان کو بڑا تعجب ہوا، اور وہ کہنے لگے کہ ہم تو ایسے گھوڑوں کو جن کے پیٹ میں درد ہوتا ہے، ان کے مشاہد و مزارات پر لے جاتے ہیں، اور وہ وہاں اچھے ہو جاتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ یہ تو ان کے کفر کی سب سے بڑی دلیل ہے، میں نے بعض سائیسوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ تم شام اور مصر میں جب گھوڑوں کے پیٹ میں درد ہوتا ہے تو ان کو کہاں لے جاتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم شام میں ان قبروں کے پاس لے جاتے ہیں جو اسماعیلیوں کے علاقہ میں ہیں، جیسے "علیقہ اور منقیہ" وغیرہ اور مصر میں ہم عیاشیوں کی ایک خانقاہ میں لے جاتے ہیں، اور عبیدیوں کی قبر پر میں نے کہا کیا تم ان کو صلحاء مسلمین کی قبروں کے پاس بھی لے جاتے ہو، مثلاً حضرت لیث بن سعد امام شافعی، ابن القاسم وغیرہ؟ انھوں نے کہا نہیں، میں نے ان عقیدتمندوں سے کہا کہ لو سنو، یہ ان گھوڑوں کو کفار و منافقین کی قبروں کے پاس لے جاتے ہیں، اور ان کو شفا ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر قبر میں غذا ہوتی ہے، اور جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ چوپائے اور بہائم مردوں کی آوازیں سنتے ہیں، تو جب یہ گھوڑے اس قسم کی آوازیں سنتے ہیں گھبرا جاتے ہیں، اور اسی گھبراہٹ اور ہمت سے ان کے پیٹ پانی ہو جاتے ہیں، اور وہ پاخانہ کر دیتے ہیں، اس لئے کہ ہمت و دہشت سے اکثر اسہال ہو جاتا ہے، ان کو اس پر بڑا تعجب ہوا، میں اکثر لوگوں سے یہی سبب بیان کرتا تھا، اور مجھے علم نہیں تھا کہ کسی اور نے بھی یہ بات لکھی ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ بعض علماء نے یہی سبب بیان کیا ہے:

مشکرین کے لئے شیطا طین کا تمثیل

خود صاحبین اور اولیاء کی قبروں پر حصول مقصود اور کامیابی کے جو واقعات بیان کئے جاتے

ہیں، نیز صاحب مزار کی زیارت، گفتگو وغیرہ کے واقعات نقل کئے جاتے ہیں، امام ابن تیمیہ اس کی دوسری وجہ بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

”بعض لوگوں نے اپنے شیخ کی دہائی دی، اور ان کو ان کی صورت نظر آئی، اور بعض اوقات انھوں نے ان کا کوئی کام بھی کر دیا، اس سے ان کو یہ عقیدہ ہوا کہ شیخ خود آئے یا یہ کوئی فرشتہ تھا، جو ان کی صورت میں ظاہر ہوا، اور یہ ان کی کرامت ہے، اس سے اس کا مشرکانہ عقیدہ اور راسخ اور غلو اور ترقی کر جاتا ہے، اس کو معلوم نہیں کہ اس طرح کی باتیں اور معاملات شیاطین بت پوجنے والوں کے ساتھ بھی کرتے رہتے ہیں، وہ ان بت پرستوں کے سامنے اکثر ظاہر ہوتے ہیں، اور بعض غیبی باتیں ان کو بتلاتے ہیں، اور ان کے بعض مطلب بھی پورے کر دیتے ہیں، لیکن یہ سب امور دورِ اخیر کی پیداوار ہیں، چونکہ خیر القرون میں کوئی وجود نہ تھا؛

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

”شیاطین اکثر اس شخص کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، جن کی دہائی دی جائے، مجھ سے بہت سے شیوخِ طریقت کے متعلقین نے یہ واقعات بیان کئے اور ایک جماعت کثیر نے مجھ سے نقل کیا کہ انھوں نے بعض زندہ انسانوں اور بعض مردوں سے فریاد کی تو انھوں نے اسی طرح کے واقعات دیکھے، یہ بات پورے طور پر عیاں ہو گئی کہ شیاطین انسانوں کو اپنے مقدر بھر گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر وہ شخص دینِ اسلام سے نا آشنا ہوتا ہے تو اس کو کھلے مشرک اور خالص کفر میں مبتلا کر دیتے ہیں، اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اللہ کا ذکر نہ کرے، شیطان کا سجدہ کرے، اس کے لئے قربانی پیش کرے، اور اس کو مردار کھانے اور خون پینے کا حکم دیتے ہیں اور کھلی بے حیائیوں کے ارتکاب پر آمادہ کرتے ہیں، یہ ان شہروں میں بکثرت ہوتا ہے، جہاں یا تو محض کفر پایا جاتا ہے، یا کمزور اسلام، نیز ان اسلامی شہروں میں جہاں کے لوگوں کا ایمان ضعیف ہوتا ہے، چنانچہ مصر و شام میں بھی ایسا ہوا،

اور تارلیوں کے قبول اسلام سے پہلے تو ان میں بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے جس قدر اسلام کی ان میں اشاعت ہوتی گئی اس کی حقیقت سے وہ آشنا ہوتے گئے اسی قدر شیاطین کے اثرات کمزور پڑتے گئے۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ صرف صاحبین کے ساتھ ہی یہ معاملہ پیش نہیں آتا، بلکہ تبارہ پرستوں کو ایسی باتوں سے سابقہ پڑتا ہے اور ان کو اس طرح کے احساسات اور فتوحات حاصل ہوتے ہیں، فرماتے ہیں:-
 "جو لوگ کو اکب سے دعا کرتے ہیں، ان پر ایسی صورتیں نازل ہوتی ہیں، جن کو کو اکب کی روحانتہ کہتے ہیں، حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے، جو اس کے شرک کی بنا پر اس کو گمراہ کرنے کے لئے نازل ہوتا ہے جیسے کہ بعض اوقات شیاطین بتوں اور مورتیوں کے اندر گھس جاتے ہیں، اور بعض اوقات لوگوں سے باتیں کرتے ہیں، اور بعض اوقات مجادروں اور پوجا پاٹ کرنے والوں کو دکھائی دیتے ہیں، اور دوسروں کو بھی دکھائی دیتے ہیں۔"

امام ابن تیمیہ کا اصلاحی کارنامہ اور اس کے اثرات

ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں جس کی مردم خیزی و مردم آفرینی کا تذکرہ کتاب کے شروع میں گزر چکا ہے، اگرچہ اکابر علماء و شیوخ سے معمور تھی، اور تصنیف و تالیف و عطا و ارشاد اور دعوت و تبلیغ کا کام پوری قوت سے جاری تھا، اس میں شبہہ کی گنجائش نہیں کہ علماء سے راہنہ اور کتاب و سنت کے حاملین نے اس شرک عریج اور جاہلیت و تینہ کو کسی طرح گوارا نہیں کیا ہوگا، اور زبان و قلم سے ضرور اس کی مخالفت کی ہوگی لیکن ایسے علماء کے بار جنہوں نے اس صورت حال کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور اپنے گرانقدر علمی مشاغل و مباحث کے باوجود اس فتنہ کبریٰ کے مقابلہ کے لئے میدان میں آئے اور

عوام کو خطاب کیا اور اس شرک صریح کی تردید و مخالفت کو اپنا موضوع اور مقصد زندگی بنا لیا تو نہیں تھے، یا تاریخ کے منظر عام پر نہیں ہیں، یا ان کی بہت ممتاز اور بلند شخصیت نہیں تھی اور انھوں نے اس موضوع پر کوئی ایسا وسیع علمی ذخیرہ یادگار نہیں چھوڑا، جو ان کی شخصیت اور اصلاحی کارنامہ کی یاد تازہ کرتا ہے، درحقیقت اس فتنہ عالم آشوب کے مقابلہ اور عقیدہ توحید کی ترویج و تشریح اور احیاء و تجدید کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی جیسی طاقتور اور بلند شخصیت کی میزان شرکانہ عقائد و رسوم کے تفصیلی جائزہ اور احتساب اور مدلل و پرزور تردید کی ضرورت تھی، جو مسلم معاشرہ پر حاوی ہوتے جا رہے تھے، توحید کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ تاویل اور عوام کی رعایت کے ساتھ نہیں چل سکتی اس کے لئے تو انبیاء علیہم السلام کی واشگاف تقریر اور فیصلہ کن اور غیر مبہم طرز خطاب کی ضرورت ہے، جو بالکل "فرقان" کی شان رکھتا ہو، امام ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ میں نیابت انبیاء کا فرض انجام دیا، اور "فَأَصْدَعُ بِمَا تُوْمَرُوا بِهِ مِنْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ" پر عمل کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان عقائد و رسوم میں جو بہالت غیر مسلموں کے اختلاط و صحبت اور فرقی ضالہ اور اہل غرض کے اثر سے پیدا ہو گئی تھی، ایک عام تزلزل پیدا ہو گیا، اسلام کا عقیدہ توحیدہ جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد اور ان کی دعوت کا نقطہ مرکزی ہے ایک بار پھر نکھر کر اور متعجب ہو کر سامنے آ گیا "لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيْتِي وَيَبْعَثَ مِنِّي" امام ابن تیمیہ کے اصلاحی کارناموں میں سے اگر صرف یہی ایک کارنامہ ہوتا تو ان کے مقام تجدید اور دعوت و عزیمت کے ثبوت کے لئے کافی تھا۔

ان کی کتابوں کے اثر سے ان کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ایسے ارباب دعوت و عزیمت پیدا ہوتے رہے، جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ کے شرکانہ عقائد و رسوم اور جاہلیت و ثنیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور "الَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّذِينَ آمَنُوا" کا آوازہ اس بلند آہنگی سے بلند کیا کہ عالم اسلام کے دشت و جبل اس سے گونج اٹھے۔

فلسفہ و منطق و علم کلام کی تنقید

اور

کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی تزیح

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا دوسرا علمی و اصلاحی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے زمانہ میں فلسفہ و منطق و علم کلام کی مفصل تنقید کا فرض انجام دیا، اور ان کے مقابلہ میں مدلل طریقہ پر کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی برتری ثابت کی، ان کے اس کارنامہ کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ فلسفہ و منطق کو اس وقت عالم اسلام میں کیا مقام اور ذہن و افکار پر کیا تسلط حاصل تھا، اور انھوں نے کس ماحول میں یہ کارنامہ انجام دیا۔

فلسفہ یونان کا عالم اسلام پر اثر و اقتدار

یونانی فلسفہ و منطق کی کتابوں کے ترجمہ کا کام خلیفہ منصور کے زمانہ (تقریباً ۷۵۰ھ) سے شروع ہو گیا تھا، معتزلہ نے ان کتابوں کا مطالعہ اور ان سے استفادہ کیا تھا، ان کی کتابوں میں فلسفہ یونان کی اصطلاحات کا استعمال اسی زمانہ سے شروع ہو گیا تھا، لیکن علوم یونان کا اصل فروغ امامون کے زمانہ سے شروع ہوا، امامون نے ترجمہ کی تحریک کی شاہانہ سرپرستی کی، وہ بذات خود یونانی علوم کا بڑا قدردان

اور تریس تھا، صاعدانڈسی نے طبقات الامم میں لکھا ہے کہ اس نے شاہان روم سے حکماء یونان کی کتابوں کی فرمائش کی، انھوں نے افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس، اقلیدس، اور بطلمیوس وغیرہ کی تصنیفات تحفہ بھیجیں اور مامون نے بڑے اہتمام سے ان کا ترجمہ کرایا، اور لوگوں کو ان کے مطالعہ کی ترغیب دی اس کے زمانہ میں ان کتابوں کا عام چلن ہو گیا، اور فلسفہ نے عروج حاصل کیا، اس کی قدر دانی کی وجہ سے ذہین و ذکی نوجوانوں اور اہل علم نے ان مضامین پر عبور پد کیا، اور اپنی اپنی جنس کمال مامون کے ہنر پروردگار میں لے کر آئے اور انعام و اکرام و مراتب و مناصب کے سرفراز ہوئے، اس طرح سلطنت عباسیہ ان علوم میں رومتہ الکبریٰ کی ہمسروہم چشم نظر آنے لگی۔

ترجمہ کا یہ کام مامون کے بعد تک جاری رہا، اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک یونان کے علمی ذخیرہ کا بڑا حصہ عربی میں منتقل ہو چکا تھا۔

اس علمی ذخیرہ میں اگرچہ افلاطون اور دوسرے حکماء یونان کی تصنیفات و تحقیقات بھی تھیں لیکن شاید ترجمین (جو زیادہ تر نستوری اور یعقوبی، عیسائی اور جندیابور اور حران کے علماء فلسفہ تھے) کے ذاتی رجحان کی وجہ سے یا اس بنا پر کہ ارسطو کا زمانہ قریب تر ہے اور اس کی تصنیفات میں فلاسفہ متقدمین کے مباحث زیادہ تدون و مرتب ہیں، ارسطو کی کتابوں نے عالم اسلامی کے علمی و درسی حلقوں میں زیادہ قبولیت و رواج حاصل کیا، اور بالآخر وہی فلسفہ یونان کا نائیدہ اور وکیل اور عالم اسلام میں فلسفہ کا رمزا و نشان کر رہ گیا، عالم اسلام کی بدقسمتی تھی کہ حکماء یونان میں سے اس کے حصہ میں وہ فلسفی عالم آیا جو بہت سے اسباب و وجوہ کی بنا پر (جن میں سے بعض کی تفصیل امام ابن تیمیہ کے بیانات و انتقادات میں آئے گی) ادیان سماوی کی روح اور دینی مفاہیم و تصورات و حقائق سے زیادہ بعید و نا آشنا اور مادی فکر و نظر کا پرچوش حامی و داعی ہے۔

۱۔ طبقات الامم ص ۱۱۱ ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، فہرست ابن ندیم، طبقات الاطباء (ابن ابی اصیبعہ) اخبار الکملہ، نقلی غرہ

فلسفہ کا دورِ تقلید

ابتداء میں عالم اسلام کے علماء نے فلسفہ نے ارسطو کے فلسفہ و منطق کو آنکھ بند کر کے قبول کرنے سے انکار کیا، اور اس کو تنقید و تحقیق سے بالاتر اور مستغنی نہیں سمجھا، بہت سے علماء نے اس کی تردید میں کتابیں لکھیں اور اس کے فلسفیانہ و منطقی مباحث پر آزادانہ و ناقدانہ نظر ڈالی، اور جو چیز ان کو مخدوش اور کمزور نظر آئی، بر ملا اس کا اظہار کیا، اس سلسلہ میں ابتدا میں معتزلہ پیش پیش تھے، ان میں سے نظام اور ابو علی جبائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، تیسری صدی میں حسن بن موسیٰ نو بختی نے کتاب الآراء والدیانات لکھی، اور اس میں ارسطو کی منطق کے بعض اہم مسائل کا رد کیا، چوتھی صدی میں امام ابو بکر باقلانی نے ذائقہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں فلسفہ کا رد لکھا، اور یونانیوں کی منطق پر اہل عرب کی منطق کی ترجیح ثابت کی، پانچویں صدی میں علامہ عبد الکریم شہرستانی (صاحب الملل والنحل) نے برقلس اور ارسطو کے رد میں ایک کتاب لکھی اور قواعد منطق کے موافق ان پر دلائل کا نقص کیا، اسی صدی کے آخر میں امام عزالی فلسفہ کے رد مقابل ہوئے اور انھوں نے تہافتہ الفلاسفہ کے نام سے وہ کتاب لکھی جس سے سو برس تک فلسفہ کے ایوان میں تزلزل رہا، چھٹی صدی میں ابوالبرکات بغدادی نے اس سلسلہ کو بڑی ترقی دی اور المعتبر کے نام سے ایک معرکہ الآراء کتاب لکھی جس میں کثیر مسائل میں ارسطو کے خیالات کو غلط ثابت کیا، اس صدی میں امام رازی نے مشکوٰۃ فیہ اور اشاعرہ کا ویل بن کر فلسفہ کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ لیکن عالم اسلام کا وہ علمی حلقہ جو فلسفہ یونان کا اصل عالم بردار اور ترجمان سمجھا جاتا تھا، ارسطو کی شخصیت و عظمت سے محروم تھا، اور ایک طرح اس کو تنقید و تحقیق سے بالاتر سمجھتا تھا، زمانہ کے ساتھ ساتھ علماء فلسفہ کی ارسطو کی ذات کے ساتھ یہ گرویدگی اور شیفتگی بھی بڑھتی جا رہی تھی اور فلسفہ کے حلقوں

۱۔ تفصیل تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول میں ملاحظہ ہو۔

میں ارسطو رفتہ رفتہ تقدس و عظمت کے مقام پر فائز ہوتا جا رہا تھا، ہر بعد کا فلسفی اپنے پیشرو سے اس عظمت و تقدس میں فائق اور مقدم نظر آتا ہے، ابو نصر فارابی (م ۳۳۹ھ - ۴۵۰ھ) افلاطون و ارسطو کی نسبت لکھتا ہے:-

وكان هذان الحكيمان هما مبدعان
للغلة ومنتان لادائنها و اصولها
و متممان لادانها و فروعها، و عليهما
المعول في قليلها و كثيرها.
یہ دونوں حکیم فلسفہ کے موجد اور اس کے مبادی
و اصول کے بانی و مرتب ہیں، اور فلسفہ کے
مسائل و مباحث میں تمام تر انہی دونوں پر
بنیاد ہے۔

بوعلی سینا (م ۴۲۸ھ) فارابی سے بھی زیادہ ارسطو کی عظمت کا قائل اور کلمہ گو ہے، وہ منطق الشفاء میں لکھتا ہے کہ ارسطو کو اتنا زمانہ ہوا لیکن آج تک اس کے ان مسائل و تحقیقات پر کچھ اضافہ ہو سکا ہے۔
بوعلی سینا کے بعد فلسفہ کے حلقہ نے ابن رشد (م ۵۹۵ھ) سے بڑا عالم اور وکیل پیدا نہیں کیا، ارسطو کی عظمت و تقدس میں اس کا قدم بوعلی سینا سے کبھی آگے ہے، اور اگر اس موقع پر تصوف کی اصطلاح میں (دخل در معقولات نہ ہوتو) یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس کو ارسطو کی ذات میں فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل ہے، اس کا ایک سوانح نگار اس کی اس خصوصیت کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے:-

اما تجید ابن رشد لارسطو
فلامدله فیکاد یولمه، وقد
وضع له اوصافاً تجعله فوق
درجات الکمال الانسانی عقلاً و فضلاً
ولو کان ابن رشد یقول
بتعدد الالهة لیجعل ارسطو
ارسطو کی عظمت و تقدس کے سلسلے میں ابن رشد
اتنا آگے ہے جس کی کوئی انتہا نہیں بیان تک کہ
وہ اس کو خدا بنانے کی حد تک پہنچ گیا اور عقل
و فضل کے اندر انسانی کمال کے درجات سے بھی
بہت اونچے اس کے اوصاف بیان کئے اور اگر
ابن رشد تعدد الہہ کا قائل ہوتا تو وہ ارسطو کو

یہ اجماع بین رای حکمیین ہے مضمون فلسفہ یونان اور اسلام از مولانا شبلی نعمانی الندوہ جلد ۱، بحوالہ منطق الشفاء۔

ساتویں صدی میں فلسفہ کے حلقہ میں نصیر الدین طوسی (م ۶۷۲ھ) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے جن کو فلسفہ کے مدرسے حلقہ نے محقق طوسی کے لقب سے یاد کیا ہے یہ وہ زمانہ تھا کہ تاتاریوں کے حملے اور بغداد کے سقوط نے عالم اسلام کو بے ہوا بنا رکھا تھا، اور ایک عام علمی زوال پورے عالم اسلام پر سایہ فگن تھا، اس وقت نصیر الدین طوسی ہی (جو ہلاکو خاں کے مقرب و معتمد تھے) یونانی علم و فلسفہ کے علم بردار تھے، انہی کے شاگردوں نے (جن میں قطب الدین شیرازی اور ان کے ہم نام قطب الدین رازی خاص طور پر نامور ہیں) درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام سنبھالا اور انہی سے ایران کے اس طرزِ تعلیم کی بنیاد پڑی جس میں فلسفہ و منطق کو مرکزی مقام حاصل تھا، نصیر الدین طوسی اس کتب فکر سے تعلق رکھتے تھے جو ارسطو کو عقلِ کل کا درجہ دیتا تھا، اور اس کی تحقیقات کو حرفِ آخر سمجھتا تھا، انھوں نے امام رازی کے مقابلہ میں ارسطو کے فلسفہ کی زور شور سے حمایت و مدافعت کی تھی، اور ارسطو کے فلسفہ میں نئی جان ڈال دی تھی۔

فلسفہ و منطق کا علمی محاسبہ اور ابن تیمیہ کا کارنامہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نصیر الدین طوسی کی وفات سے دس برس پہلے پیدا ہوئے، ان کی علمی زندگی کا آغاز ہوا تو نصیر الدین طوسی اور ان کے تلامذہ کے اثر سے یونانی فلسفہ و منطق یعنی ارسطو کے فلسفہ و منطق کا طوطی بول رہا تھا، اس کے مسائل و مباحث کے سمجھ لینے ہی کو منتہا کے ذکاوت اور معیارِ فضیلت سمجھا جاتا تھا، کسی کو اس کے مقابلہ میں یا اس کی مخالفت میں لب کشائی کی جرأت نہ تھی، محدثین و فقہاء اس میدان کے حریف نہیں تھے، وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کی حرمت کا فتویٰ دے دیں، مگر اس سے

لہ تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق و المغرب (لطیفی جمعہ) ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ء علامہ رشید شریف جن سے زما زما بعد میں تعلیم و تکلم کا سلسلہ پھیلا

قطب الدین رازی کے شاگرد تھے، انہی کا سلسلہ ہندوستان پہنچا، جس کی ترقی یافتہ یا گری ہوئی شکل یہاں کا درس نظامی ہے۔

یہ سیلاب رک نہیں سکتا تھا، عالم اسلام کے علم و فکر پر اس کا رعب چھایا ہوا تھا، اس مرحوبیت سے ایک حلقہ میں
 (جو فلسفہ سے قریبی اور براہ راست تعلق رکھتا تھا) تشکک از ریاضیات کا دور دورہ تھا، اور سفسطائیت (حقائق
 اشیاء کا انکار) کا رجحان بھی پایا جاتا تھا، جو حلقہ اس سے براہ راست تعلق نہیں رکھتا تھا، احساس کہتری اور
 مرحوبیت کا شکار تھا، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے فلسفہ و منطق کے بے لاگ علمی محاسبے اور
 جائزے اور اس کی علمی کمزوریوں کا پردہ فاش کرنے کی ضرورت تھی، وقت کی یہ ضرورت شیخ الاسلام
 ابن تیمیہ نے پوری کی اور اس کو مستقل موضوع بنا کر یونانی فلسفہ و حکمت کی مفصل و مدلل تنقید اور
 اس کے علمی محاسبے کا کام انجام دیا، اور ایک ایسی شخصیت (ارسطو) سے حریفانہ گفتگو اور علمی مناظرہ کیا
 جس کو علماء فلسفہ، فوق البشر، ہستی اور تنقید و تردید سے بالاتر سمجھنے لگے تھے۔

ان کے کام کی نوعیت اور ان کے تنقید و محاسبہ کی حیثیت ان کا نقطہ نظر اور بنائے اختلاف
 کیا تھی؟ بہتر یہ ہے کہ اس کے لئے ان ہی کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے، ذیل میں مختلف عنوانات
 کے تحت ان کی تحریروں کے بعض خلاصے اور ان کی کتابوں کے بعض اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں
 جن سے ان کا نقطہ نظر اور طریق فکر واضح ہو جائے گا۔

طبیعیات و ریاضیات کا اعتراف

اس علمی ذخیرہ کے بارے میں جو فلاسفہ یونان و ارسطو کی طرف منسوب تھا، ان کی رائے بہت معتدل
 اور متوازن ہے، وہ طبیعیات، ریاضیات اور الہیات میں فرق کرتے ہیں، اور اپنے پیشرو امام غزالی کی طرح
 طبیعیات اور ریاضیات کے بہت سے مسائل کی صحت و معقولیت کا اقرار اور اس بارے میں علماء
 یونان کی ذہانت کا اعتراف کرتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

ان فلاسفہ کی طبیعات میں جو گفتگو اور بحث ہے اس کا

نعم لم یف فی الطبعیات کلام غالب مجید

وہو کلام کثیر و واسع، ولہم عقول عرفوا بہا ذلک و ہم قد یقصدون الحق لا یظہر علیہم العناد۔
 بزاحصہ اچھا ہے اور ان کا یہ کلام خاما وسیع اور مفصل ہے ان باتوں کو سمجھنے اور معلوم کرنے کے لئے وہ اچھا داعی رکھتے تھے بہت مباحث میں وہ حق کے جو یا اور طالب نظر آتے ہیں اور خدا اور زبردستی سے کام نہیں لیتے۔

وہ ایک جگہ صاف اعتراض کرتے ہیں کہ طبیعیات و ریاضیات وغیرہ فلاسفہ یونان کا اصل موضوع اور ان کے غور و فکر کا میدان ہے، فرماتے ہیں:-

لکن لہم معرفة جيدة بالامور الطبيعية وهذا بحر علمهم وولاء تفرغوا و فیہ ضیعوا زمانہم۔
 امور طبیعیہ سے ان کی واقفیت اچھی خاصی ہے درحقیقت یہی ان کا دائرہ فکر اور فنِ خاص ہے اور اسی میں انہوں نے اپنے اوقات کا بیشتر حصہ صرف کیا۔

یونان کے علم ریاضی کے متعلق وہ "الرد علی المنطقیین" میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں:-

فہذا الامور امثالہا ما یتکلم فیہ الحساب امر معقول مما یشترک فیہ ذوا العقول وما من احد من الناس الا یعرف منہ شیئا فانہ ضروری فی العلم ضروری فی العمل ولہذا اتملوا بہ فی قولہم الولحد نصف الاثنین ولا یریب ان قضایا کلیة واجبة القبول لا ینتقض البتہ۔
 ریاضی کے یہ مسائل جن سے اہل حساب بحث کرتے ہیں ایسے معقول مسائل ہیں جن پر تمام اہل عقول اتفاق ہے اور ہر شخص اس سے کچھ نہ کچھ واقف رکھتا ہے اس لئے کہ وہ علم اور عمل دونوں کے لئے ضروری ہے اس سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے کہ الواحد نصف الاثنین اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے سب قضایا کلی ہیں واجب القبول ہیں اور ان پر کوئی نقض وارد نہیں ہو سکتا۔

لہ الرد علی البکری ص ۱۳۳ ۱۳۴ تفسیر سورۃ الاخلاص ص ۵۷ ۵۸ الرد علی المنطقیین ص ۱۳۳

اختلاف کا اصل میدان فلسفۃ الہیات

امام ابن تیمیہ کو فلسفۃ یونان کے جس دائرہ سے اصل اختلاف ہے وہ الہیات کا دائرہ ہے، الہیات کے بارے میں وہ فلسفۃ یونان کی بے بضاعتی اور بے باگی اور فلاسفۃ یونان کی ناکامی و بے حالی اور ان کے جہل مرکب میں مبتلا ہونے پر بار بار زور دیتے ہیں، ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ فلاسفۃ یونان کا فن اور ان کے غور و فکر اور بحث و نظر کا میدان نہ تھا، انہوں نے اس دائرہ میں قدم رکھ کر اپنے حدود سے تجاوز کیا ہے اور اپنی تحقیق و تضحیک کا سامان بہم پہنچایا ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

للمتفلسفة فی الطبعیات خوض	فلسفہ سے اشتغال کرنے والے فنِ طبعیات میں غور و فکر
وتفصیل تمیز و اہم بخلاف الالہیات	تفصیل سے کام لیتے ہیں اور ان کا امتیاز نظر آتا ہے
فانہم من اجہل الناس بہا و ابعدهم	لیکن الہیات میں وہ جاہل محض اور حق سے بالکل
عن معرفة الحق فیہا، و کلام ارسطو	نا آشنا معلوم ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں ارسطو سے جو کچھ
معلمہ فیہا قلیل کثیر الخطاء	منقول ہے وہ ہے بہت تھوڑا اور غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔

ایک دوسری جگہ طبعیات میں ان کی واقفیت کا اعتراف کرتے ہوئے "الہیات" میں ان کی نامرادی و تہی رتی کا ذکر کرتے ہیں:-

واما معرفة الله تعالى فحظهم منها	جہاں تک اللہ تعالیٰ کی معرفت کا تعلق ہے اس کے
بمخوس جدا و اما ملائکته و کتبہ	بارے میں فلاسفہ بڑے محروم اور نامراد نظر آتے ہیں،
ورسلہ فلا يعرفون ذلك التیہ ولم	یہے ملائکہ، الشریک کتابیں اور اس کے رسول تو اس کا
یتکلموا فیہ لابنقی و لا یاثبات وانما	ان کو قطعاً علم نہیں ہے اور اس بارے میں ان سے

تکلموا فی ذلك متأخرون وهم الداخلون
فی الملأی

نفیاً اور اثباتاً کوئی چیز منقول نہیں ہے اس
بارے میں درحقیقت تاخرین فلاسفہ نے گفتگو کی

ہے جن کا مذاہب اریان سے تعلق رہا ہے۔

امام ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ فلسفہ یونان کے اصل ارکان و اساطین کو خود بھی اس کا اعتبار ہے کہ ان کو اس علم کے حصول کے ذرائع اور مقدمات و مبادی حاصل نہیں اور اس بارے میں یقین تک پہنچنا ان کے لئے بہت مشکل ہے وہ لکھتے ہیں:-

بل قد صرح اساطین الفللفة بأن
العلوم الالهية لا سبيل فيها الى
اليقين وانما يتكلم فيها بالاحرى
والاخلاق فليس لهم فيها الا الظن
(وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا)^۱

ان لوگوں نے جو فلسفہ میں ستون کا درجہ رکھتے ہیں اس کا
صراطِ حق سے کہا ہے کہ علوم الہیہ میں یقین تک پہنچنے
کا کوئی راستہ نہیں ان مسائل میں جو کچھ کہا جائے گا،
اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ہوگی کہ یہی لگتی ہوئی
بات ہے یا زیادہ مناسب بات ہے اس سے یہ بات
واضح ہوتی ہے کہ فلاسفہ کے پاس الہیات میں
ظن و تخمین کے سوا کچھ نہیں اور جیسا کہ قرآن مجید
میں کہا گیا ہے کہ ظن و تخمین کبھی حق کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

یونانی الہیات اور پیغمبروں کے علوم و تعلیمات کا تقابل

ایک جگہ وہ فلاسفہ یونان کے الہیات کے بارے میں اقوال و قیاسات پر تبصرہ کرتے ہوئے
ان لوگوں پر تعجب کرتے ہیں، جو ان کو انبیاء علیہم السلام کے علوم و حقائق کے سامنے لاتے ہیں اور

ان سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں، وہ بڑے جوش و اثر سے لکھتے ہیں:-

انبیاء کے بارے میں جب معلم اول ارسطو کے کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے، اور ایک پڑھا لکھا آدمی اس کو غور سے دیکھتا ہے تو وہ اضطراباً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان فلاسفہ یونان بڑھ کر رب العالمین کی معرفت سے کوئی بے بہرہ اور نا آشنا نہیں تھا، وہ دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ یونان کی انبیاء کا پیغمبروں کے علوم و تعلیمات سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں اس کو یہ بتا ایسی ہی نظر آتی ہے جیسے کوئی لوہاروں کا فرشتوں سے یا گاؤں کے زمینداروں کا شاہان عالم سے مقابلہ کرنے لگے بلکہ اس میں بھی کسی قدر علم و عدل کا شائبہ ہے، لیکن جو فلاسفہ کا انبیاء سے مقابلہ کرتے ہیں، وہ تو سخت ظلم و جہل سے کام لیتے ہیں، اس لئے کہ گاؤں کا زمیندار بہر حال گاؤں کا منظم ہے، اور اس میں اس کو بادشاہ کے ساتھ کسی نوع کی مشابہت اور کسی جزء کی شرکت ہے، لیکن فلاسفہ و انبیاء کا حال تو یہ ہے کہ انبیاء جو کچھ لے کر آتے ہیں فلاسفہ کو اس کی مطلق خبر نہیں بلکہ وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتے، واقعہ یہ ہے کہ کفار یہود و نصاریٰ بھی ان فلاسفہ کے مقابلہ میں امور الہیہ سے زیادہ باخبر ہیں، میری مراد اس سے وحی کا وہ علم خاص نہیں ہے، جو صرف انبیاء کی خصوصیت ہے اور دوسروں کو نصیب نہیں ہے، اس لئے کہ یہ علم تو خارج از بحث ہے، میری مراد ان علوم عقلیہ سے ہے، جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید، اس کے اسماء و صفات کی معرفت، نبوت و رسالت، معاد اور ان اعمال سے ہے، جو آخرت میں سعادت کا موجب ہیں، اور جن میں سے اکثر کو انبیاء علیہم السلام نے براہین عقلیہ سے بیان کیا ہے، یہ الہی و دینی و شرعی عقلیات بھی وہ ہیں، جن کی ان فلاسفہ کو ہوا بھی نہیں لگی، اور نہ ان کے علوم میں ان کا کوئی پتہ اور نشان ہے، باقی وہ علوم و معارف اور حقائق غیبیہ جو انبیاء کے خصائص میں سے ہیں، ان کے ذکر کا تو اس سلسلہ میں کوئی موقع ہی نہیں، اور فلسفہ اور علوم نبویہ کے مقابلہ میں وہ بحث ہی میں نہیں آتے۔

فلاسفہ یونان کا جہل و انکار

علوم الہیہ میں فلاسفہ کی بے بساعتی ان کے علم و بیان کی کوتاہی اور بہت سے غیبی حقائق و موجودات کے انکار کی وجہ امام ابن تیمیہ بیان کرتے ہیں:-

”جس غیب کی انبیاء علیہم السلام خبر دیتے ہیں اور وہ کلیات عقلیہ جو تمام موجودات پر حاوی اور شامل ہوں اور جو موجودات کی صحیح تقسیم کرتی ہیں ان سے فلاسفہ بالکل نا آشنا ہیں اس لئے اس پر اسی کو قدرت ہو سکتی ہے جو موجودات کی تمام انواع کا احاطہ کر سکے اور ان فلاسفہ کا حال یہ ہے کہ یہ صحت حساب اور اس کے بعض لوازم سے واقف ہیں اور یہ بہت تھوڑے موجودات کی واقفیت ہے اس لئے کہ جن موجودات کا انسانوں کو مشاہدہ نہیں ہے وہ ان موجودات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ کثیر اور وسیع ہیں جن کا ان کو مشاہدہ ہوتا ہے اسی بنا پر جن لوگوں کا علم فلاسفہ کی معلومات تک محدود ہے جب وہ انبیاء، ملائکہ، عرش، کرسی، جنت، جہنم وغیرہ کا ذکر سنتے ہیں اور وہ اس بات کے قائل ہوتے ہیں کہ موجود وہی ہے جو ان کو معلوم ہے اور ان کی معلومات کے دائرہ سے باہر موجودات کا وجود نہیں تو وہ حیران رہ جاتے ہیں اور اپنی معلومات کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے کلام کی تاویل کرنے لگتے ہیں اگرچہ یہ سرے سے کوئی دلیل نہیں ہے اور ان کو ان موجودات کے نہ ہونے کا کوئی ثبوت علم نہیں اس لئے کہ کسی چیز کے وجود کا علم نہ ہونا الگ چیز ہے اور کسی چیز کے معدوم ہونے کا علم ہونا الگ چیز ہے یہ ضروری نہیں کہ جو میں معلوم نہیں وہ معدوم بھی ہو، وہ جب ان غیبی حقائق کا انکار کرنے لگتے ہیں تو ان کا انکار ایسا ہی ہوتا ہے کہ جیسے کوئی طبیب جنات کے وجود کی اس بنا پر نفی کرے کہ فن طب میں جنات کا کوئی ثبوت..... نہیں ہے، حالانکہ فن طب میں جنات کے وجود کا انکار بھی نہیں ہے اسی طرح سے تم دیکھو گے کہ جس شخص کو کوئی فن آتا ہے اور اس میں وہ عوام کے مقابلہ میں کچھ امتیاز رکھتا

تو وہ اپنی تاواقفیت سے ان چیزوں کی نفی کرنے لگتا ہے جو اس کے فن سے خارج ہیں واقعہ یہ ہے کہ لوگوں نے چیزوں کے ماننے اور اقرار کرنے میں اتنی ٹھوکر نہیں کھائی، جتنی نہ ماننے میں اور انکار کرنے میں جس چیز کی حقیقت سے انسان پوسے طور پر واقف نہیں ہے اس کو جھٹلانے اور اس کے وجود کے انکار کرنے کا رجحان انسانوں میں بہت قدیم اور عام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

بَلْ كَذَّبُوا بِالَّذِي مَخْطُوبًا يَعْلَمُهُ وَلَمَّا
 انكارنے ان چیزوں کو جھٹلایا جن کا ان کو پورا علم
 حاصل نہیں تھا، حالانکہ ابھی تک ان پر ان کی پوری
 یَاتِيهِمْ تَأْوِيلُهُ۔

(سورہ یونس-۳۹) حقیقت منکشف نہیں ہوئی۔

بنت پرست و ستارہ پرست یونان

یونان قدیم کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو طبیعیات و ریاضیات اور علوم و آداب کا یہ عظیم سرمایہ عطا کرنے والا ملک جس نے ہزاروں برس تک دنیا کی عقلی و فکری قیادت کی ہے اپنی تاریخ کے بیشتر حصہ میں بنت پرست اور ستارہ پرست واقع ہوا تھا اور صد ہا تو بہتات و خرافات میں گرفتار تھا جدید تاریخ نے یونان کے علم الاصنام اور اس کے قومی دیوی مالا کو بے نقاب کر دیا ہے اور اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ یونان قدیم میں دیوتاؤں اور دیویوں اور ستاروں کے معبدوں اور ہیاکل کا ایک جال بکھرا ہوا تھا، یونان کا جو فلسفہ عالم اسلام میں ترجمہ ہو کر آیا اور پھر اس کے ذریعہ یورپ تک پہنچا وہ اسی پرستی اور ستارہ پرستی کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے، یونانی فلاسفہ نے اپنے مذہبی اعتقادات اور مشرکانہ تصور فلسفہ کی ہیبت اصطلاحات میں منتقل کر دیا اور مسلمان علماء نے فلسفہ نے جو یونان کی مذہبی تاریخ سے واقف نہیں تھے ان کو علمی حقائق سمجھ کر اپنے غور و فکر کا موضوع بنالیا، اور ان کو ثابت کرنے کے درجے ہوئے امام ابن تیمیہ کی یہ بڑی شرف نگاہی اور ذہانت ہے کہ انھوں نے کئی صدی پہلے اس نکتے کو

فانش کیا، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

اما قدماء اليونان فكانوا مشركين من اعظم
الناس شركاً وحرماً، يعبدون الكواكب
والاصنام ولهذا عظمت عنايتهم
بعلم الهيئة والكواكب لاجل عبادتها
وكانوا يبنون لها الهياكل^۱
جہاں تک قدائے یونان کا معاملہ ہے تو واقعہ یہ ہے کہ
وہ کئے شرک تھے اور ان کو سحر سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔
وہ ستاروں اور بتوں کی پرستش کرتے تھے، علم ہیئت
اور کواکب کی طرف غیر معمولی توجہ کرنے کا یہی راز
ہے اس لئے کہ وہ ان کی پرستش کرنا چاہتے تھے
اور ان کے لئے معبد اور مکمل تعمیر کرتے تھے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

ولهذا كان رؤسهم المتقدمون
وللتأخرون يأمرون بالشرك فالاولون
يسمون الكواكب لآلهة الصغرى
ويعبدونها باصناف العبادات كذلك
كانوا في ملة الاسلام لا يهونون عن
الشرك ويوجبون التوحيد بل
يسعون الشرك او يأمرون به
اولاً لوجبوا التوحيد^۲
ان کے متقدمین و متاخرین مشوا شرک کا حکم دیتے ہیں
متقدمین کو اکب کو آلہ صغری (چھوٹے خدا) کے
لقب سے یاد کرتے ہیں اور مختلف طریقوں پر ان کی عبادت
کرتے ہیں، مسلمانوں میں لوگوں نے ان کی پیروی اختیار
کی ان کا بھی حال یہ ہے کہ وہ شرک سے نہیں وکتے،
اور توحید کو ضروری قرار نہیں دیتے بلکہ شرک کو یا تو
جائز قرار دیتے ہیں یا کم سے کم توحید کو ضروری
قرار نہیں دیتے۔

متقدمین و متاخرین قلا سقمہ یونان کافرق

امام ابن تیمیہ کی یہ بھی ایک بڑی باریک بینی اور حقیقت شناسی تھی کہ انھوں نے یونان کے

۱۔ تفسیر سورۃ الاخلاص ص ۵۵ ۲۔ نقض المنطق ص ۷۷

فلاسفہ متقدمین اور متاخرین میں فرق کیا، ان کے نزدیک فلاسفہ متقدمین اور ارسطو کے پیشرو غیبی حقائق اور دینی مقاصد و تصورات سے زیادہ آشنا اور قریب تھے، اور ان کے اندر غیب اور غیر مادی حقائق کے انکار کا وہ رجحان نہیں پایا جاتا جو ارسطو میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

”یہ فلاسفہ جو ارسطو کے پیرو ہیں، انہوں نے ان فلاسفہ متقدمین کی پیروی نہیں کی جو فلسفہ کے ستون و ارکان تھے، وہ فلاسفہ متقدمین عالم کے حدوث کے قائل تھے، اور اس کے بھی قائل تھے، کہ اس عالم سے اوپر ایک دوسرا عالم ہے اور اس عالم علوی کی بعض ایسی صفتیں بیان کرتے تھے، جو حدیث میں جنت کے متعلق آئی ہیں، اسی طرح وہ حشر اجساد کے قائل تھے، جیسا کہ سقراط و تالیس وغیرہ اساطین فلسفہ کے کلام میں نظر آتا ہے“

ارسطو حقائق دینیہ سے بعید تر ہے

ان کے نزدیک اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ قدماء فلاسفہ کو ان ملکوں میں آنے جانے کا اتفاق ہوا جہاں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے، اور اس طرح وہ دینی حقائق سے واقف ہوئے، لیکن ارسطو کو اس کا اتفاق نہیں ہوا، وہ بعض مؤرخین کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:۔

”جن لوگوں نے فلاسفہ کی تاریخ و تذکرہ مرتب کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ فلسفہ کے ابتدائی ارکان (پیتاغورث، سقراط، افلاطون) شام وغیرہ ارض انبیاء کی طرف آمد و رفت رکھتے تھے اور نظام حکم وغیرہ سے اور حضرت داؤد، سلیمان کے اصحاب سے استفادہ کرتے تھے، لیکن ارسطو کو کبھی اس سرزمین کی طرف سفر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا، جو انبیاء کی بعثت سے مشرف ہوئی، نہ اس کے پاس انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا کوئی حصہ تھا، جیسا کہ اس کے پیشروؤں کے پاس تھا، اس کے پاس

ستارہ پرستی کے مذہب کا کچھ حصہ تھا، اس نے ان قیاسی تعلیمات کی بنیاد ڈالی، اور وہ ایک ایسا قانون بن گیا جس پر اس کے پیروا نگہ بند کر کے چلتے رہے۔^۱

قدیم سے عالم اسلام میں جو فلسفہ رائج اور مقبول ہوا، وہ ارسطو ہی کا فلسفہ تھا، اور وہی آخری دور میں یونان کا فلسفہ سمجھا جانے لگا، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

وَلٰكِنْ هٰذِهِ الْقَلِيَّةُ الَّتِي يَكْتُمُهَا الْفَارِسِيُّ	فلسفہ جس کی فارابی، ابن سینا، ابن رشد اور بہروردی
وَابْنُ سِينَا وَابْنُ رَشْدٍ وَالشَّهْرُورْدِيُّ	منقول وغیرہ پیروی کرتے ہیں، یہ شائین کا فلسفہ ہے
لِلْمَقْتُولِ وَنَحْوَهُ فِلْسَفَةُ الْمَثَانِيْنِ وَهِيَ الْمَنْقُولَةُ	اور یہ تمام تراجم ارسطو سے منقول ہے جس کو معلم اول
عَنْ اَرِسْطُوَالَّذِي يَمُوْنُهُ الْمَعْلَمُ الْاَوَّلُ	کے نام سے فلاسفہ یاد کرتے ہیں۔

یونانی فلسفہ میں خدا کی حیثیت

ارسطو کے اس فلسفہ میں خدا کی ہستی اور اس کا تصور محض وجود ذہنی بن کر رہ جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

فَاذْ اَنْصُورَ الْعَاقِلِ اَقْوَالُ الْمَحْتِ التَّصَوُّرِ	جب ایک صاحب عقل ان کے اقوال پر غور کرتا
تَبَيَّنَ لَهٗ اَنْ هٰذَا الْوَاحِدُ الَّذِي اَثْبَتُوْهُ	ہے جو خدا کی ہستی کے متعلق ہیں تو اس پر یہ بات
لَا يَتَصَوَّرُ وِجُودَهُ اِلَّا فِي الْاَذْهَانِ	واضح ہو جاتی ہے کہ جس واحد کو ان فلاسفہ نے ثابت
لَا فِي الْاَعْيَانِ	کیا ہے اس کے وجود کا تصور صرف ذہن میں ہو سکتا

ہے خارج میں کہیں اس کا وجود نہیں۔

فلاسفہ نے خدا کے افعال و صفات کی نفی و انکار میں جس مبالغہ سے کام لیا ہے اور اس کو جس طرح صفات کمالیہ اور ان تمام محاسن اور اختیارات سے محروم ثابت کیا ہے جو ادنیٰ مخلوقات

۱۔ نقض المنطق ص ۱۱۱ ۲۔ الرد علی ابی بکر ص ۲۰۶ ۳۔ تفسیر سورۃ الاخلاص ص ۲۷

نبوت کے مفہوم سے بالکل نا آشنا ہیں جب انبیاء کے کرام کا پڑچا ہوا، تو ان کے قسبین نے اس کو بھی ان فلاسفہ کے اصول سے ثابت کرنا چاہا جس کو نبوت کا کوئی اندازہ اور انبیاء کے کرام سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔
ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

”ان گروہوں میں نبوت کے مفہوم و حقیقت سے سب سے زیادہ بعید فلسفہ یونان کے پیرو (مفلسفہ) اور باطنیہ اور ملاحدہ ہیں ان کے نزدیک نبوت کی بنیاد وہ قدر مشترک ہے جو تمام انسانوں کے درمیان پایا جاتا ہے اور وہ خواب ہے حقیقتہً ارسطو اور اس کے قسبین کے یہاں نبوت پر کوئی بحث نہیں ملتی، فارابی نے نبوت کو محض خواب کی ایک قسم قرار دیا ہے اس لئے وہ اور اس کے ہم خیال فلسفی کو نبی پر ترجیح دیتے ہیں ابن سینا کے نزدیک نبوت کا پایہ اس سے کچھ بلند ہے اس نے نبی کی تین خصوصیتیں قرار دی ہیں ایک یہ کہ اس کو علم بغیر تعلم کے حاصل ہوتا ہے اس کا نام اس کے نزدیک قوت قدسیہ ہے اور اس کی حقیقت اس کے نزدیک وہی ہے جو قوت حدسیہ کی ہے دوسرے یہ کہ وہ اپنے نفس میں کسی معلوم چیز کا تخیل قائم کرتا ہے اور اس کو اپنے اندرون میں کچھ نورانی صورتیں نظر آنے لگتی ہیں اور وہ اپنے باطن میں کچھ آوزیں سننے لگتا ہے جیسے کوئی سولے والا نیند کی حالت میں کچھ صورتیں دیکھتا ہے جو اس سے ہم کلام ہوتی ہیں اور ان کا کلام سنتا ہے اور اس سب کا وجود صرف اس کے اندر ہوتا ہے خارج میں کوئی وجود نہیں اس طرح ان سب لوگوں کے نزدیک ایک نبی جو کچھ سنتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے اور لوگ اس کے دید و شنید میں اس کے شریک نہیں ہوتے یہ سب اس کے اندرون میں پیش آتا ہے اور اس کے باطنی مشاہدات موجودات ہیں جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں یہی بات ایسے شخص کو پیش آسکتی ہے جس کے دماغ پر کوئی اثر ہو یا ضعف اور سورا کا غلبہ ہو ان کے نزدیک نبی کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایک ایسی قوت حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ عالم کے ہپیوں میں تصرف کرتا ہے اور غریب امور اور حوادث ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے نزدیک

یہی انبیاء کے معجزات ہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک عالم میں جو حادثہ بھی پیش آتا ہے وہ قوتِ نفسانیہ یا قوتِ ملکیہ یا قوتِ طبعیہ کا نتیجہ ہوتا ہے.....

ان متفلسف کے نزدیک انبیاء کے نفوس میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے، وہ سب عقلِ فعال کا فیضان ہے۔ پھر جب انہوں نے انبیاء علیہم السلام کا کلام سنا تو انہوں نے ان کے اور اپنے اقوال کے درمیان جمع و تطبیق کی کوشش کی اس کے لئے وہ یہ کرتے تھے کہ الفاظ تو انبیاء علیہم السلام کے لیتے تھے، اور اس کی تشریح اپنے اصول کے مطابق کرتے تھے، اور اپنے مفہوم و معانی کو انبیاء علیہم السلام کے الفاظ میں ادا کرتے تھے، اس طرح وہ بحث کرتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام سے حاصل کئے ہوئے الفاظ اور اصطلاحات میں تصنیف کرتے ہیں، جس شخص کو اس کی خبر نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی مراد کیا ہے، اور ان فلاسفہ کی مراد کیا ہے، اور دونوں کے مفہوم میں کتنا بڑا فرق ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان فلاسفہ کی مراد وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی تھی، اس طرح بہت گروہ اور جماعتیں گمراہ ہوئیں، ابن سینا اور اس کے تبعین کے کلام میں یہ بات صاف نظر آئے گی؛

علمِ کلام کا نقص منکلمین کا تذبذب

امام ابن تیمیہ کی تنقید صرف فلاسفہ یونان اور ان کے مقلدین متفلسفہ اسلام ہی پر نہیں ہے، بلکہ ان منکلمین پر بھی ہے جنہوں نے اگرچہ اسلام کی طرف سے مدافعت کرنے کی کوشش کی، لیکن دینی اور غیبی حقائق کو ثابت کرنے کے لئے فلسفہ ہی کے طرز استدلال و مقدمات اور اس کی محدود اور ناقص اصطلاحات کو اختیار کیا جو اپنا خاص مفہوم رکھتے تھے، اور جن کے ساتھ خاص روایات اور تاثرات وابستہ تھے، وہ کتاب النبوات میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”ان منکلمین کا کلام خلاق و باعثِ مبداء و معاد، اور صانع کے اثبات میں نہ عقلی طور پر محققانہ اور

تشفی بخشنے ہے، نہ نقلی طور پر اور ان کو خود بھی اس کا اعتراف ہے، امام رازی نے آخر عمر میں کھلے طریقے پر اعتراف کیا ہے کہ میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ مناہج پر بہت غور کیا آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان سے نہ کسی بیمار کی شفا ہوتی ہے، نہ کسی پیاسے کی پیاس بھتی ہے، میں نے سب سے قریب تر راستہ قرآن کے راستہ کو پایا، نفی کے بارے میں ذرا اس آیت کو پڑھو: لَيْسَ كَلِمَةٍ شَيْءٌ وَلَا يُعِطُونَ بِهِ عِلْمًا اور اثبات میں ان آیات کو پیش نظر رکھو: الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ۗ ۝ إِلَهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ۗ ۝ أَمِنْتُمْ مَن فِي السَّمَاءِ ۗ ۝ آخر میں وہ کہتے ہیں کہ جو میری طرح تجربہ کرے گا وہ میری ہی طرح اس نتیجے پر پہنچے گا، اسی طرح سے غزالی اور ابن عقیل نے بھی اسی سے متی جاتی باتیں کہی ہیں اور یہی حقیقت ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”متکلمین نہ تو فطرت عقلی کے راستہ پر ٹھیک ٹھیک چلے اور نہ شریعت نبوی کے راستہ پر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو سلامت فطرت رہی اور نہ شریعت کی استقامت عقلیات میں وہ بفسطہ کی حد تک پہنچ گئے اور سمعیات میں انتہائی باریک بینی اور بیجا تعمق کی سرحد تک پہنچ گئے۔“

وہ بعض متکلمین کی اس کمزوری کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ بعض اوقات ان کے سوالات و شبہات بڑے طاقتور اور جوابات نسبتاً کمزور ہوتے ہیں، ان کے نزدیک اس سے ان لوگوں کو بعض اوقات بڑا نقصان پہنچتا ہے، جو ان کو اسلام کا وکیل و ترجمان سمجھتے ہیں اور جن کا مطالعہ انہی کی کتابوں تک محدود ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”جب یہ متکلمین نبوت کے بارے میں بحث کرتے ہیں تو اس پر ایسے سوالات وارد کرتے ہیں جو بڑے قوی اور عام فہم ہوتے ہیں اور جب جواب دینے پر آتے ہیں تو جوابات کمزور نظر آتے ہیں، ہم اس کی مثالیں بھی دے چکے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص ان کتابوں سے علم ایمان اور ہدایت

حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہی اسلام کے حامی اور اس کی طرف سے دلیل اور مناظر ہیں اور انہی نے اس کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے پھر اس کو نبوت کے ثبوت میں ان کی کتابوں میں تشفی بخش دلائل نہیں ملتے تو اس کے عقیدہ میں کچھ تذبذب اور تزلزل ہی پیدا ہوتا ہے اس سے ایمان و علم کا راستہ بند ہو گیا، اور نفاق و جہل کا راستہ کھل گیا خصوصاً ان لوگوں کے لئے جن کے معلومات مشکلمین ہی کے دلائل تک محدود ہیں۔^{۱۷۲}

متکلمین و فلاسفہ کی مشترک غلطی و کمزوری

ان کے نزدیک متکلمین و فلاسفہ نے ایک ہی طرح کی غلطی کا ارتکاب کیا اور تمام اختلافات کے باوجود ان کا طریقہ کار ایک ہے، ان دونوں گروہوں کی غلطی اور کمزوری یہ ہے کہ انھوں نے قیاس سے اس چیز کو حاصل کرنا چاہا جو قیاس سے حاصل نہیں ہو سکتی، اور فطرت و نبوت دونوں سے کشمکش اور زور آزمائی کی اس لئے ان دونوں کی تحقیقات میں غلطیاں زیادہ اور نفع کم ہے۔^{۱۷۳}

تطویل و تکلفات

متکلمین و فلاسفہ کے طرز استدلال اور دلائل کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ اس میں غیر ضروری تطویل اور تکلفات ہیں جن خائف اور مقاصد کو ان متکلمین نے ان طول تطویل دلائل و مقدمات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ اس سے زیادہ آسانی سے اختصار اور فطرت کے مطابق ثابت کئے جاسکتے ہیں، فلاسفہ و متکلمین نے ان کے ثابت کرنے کے لئے ناحق طول تطویل اور پیچیدہ راستہ اختیار کیا، وہ اپنے کسی پیشرو کا مقولہ لکھتے ہوئے اس کی مثال دیتے ہیں کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تمہارے کان کہاں ہیں اس نے اپنا

دایاں ہاتھ سر پر سے اٹھا کر بائیں کان تک شکل پہنچایا، اور کہا کہ یہ حالانکہ سیدھے طریقے پر اپنے دائیں ہاتھ سے دائیں کان یا بائیں کان کی طرف اشارہ کر سکتا تھا اس موقع پر انھوں نے کسی شاعر کا شعر لکھا ہے

اقام بعمل ایما رویتہ وشبہ الماء بعد الجهد بالماء

بہت دن تک آدمی غور کرتا رہا، اور اپنے دماغ پر زور دیتا رہا، بڑی محنت کے بعد پھر پانی کی

تعریف یہ کی کہ وہ پانی ہے!

متکلمین کے دلائل پر انحصار نہیں

ان کو متکلمین کی اس بات سے اختلاف ہے کہ ان مقاصد کو ثابت کرنے کے لئے وہی طریقہ استدلال اور وہی مقدمات ہیں جو ان متکلمین نے اختیار کئے ہیں اور ان کے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ بعض اوقات یہ طریقہ استدلال اور یہ مقدمات تو صحیح ہوتے ہیں لیکن یہ کہنا غلط ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور طریقہ استدلال اور دوسرے مقدمات نہیں ہیں اس لئے کہ مطالعہ اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا علم انسانوں کے لئے زیادہ ضروری ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دلائل اور اس کی معرفت کو بھی اسی طرح آسان اور عام بنا دیتا ہے، اس بنا پر صالح کے اثبات اور اس کی توحید کے دلائل اور نبوت کے علامات و دلائل بہت کثیر ہیں اور لوگوں کے لئے ان کی معرفت کے ذرائع اور راستے بھی بہت کثیر ہیں، ان متکلمانہ دلائل اور مقدمات کی اکثر لوگوں کو سرے سے ضرورت ہی نہیں اور ضرورت بھی عام طور پر ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے، جو ان کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے یا دوسرے طریقوں سے اعراض کرتے ہیں۔

ایک طبقہ کو فائدہ

اس کے باوجود ان کو اعتراضات ہے کہ بعض لوگوں کی ذہنی ساخت اور افتاد طبع ایسی ہوتی ہے کہ

ان کو اس طرز استدلال اور ان مقدمات کلامیہ اور منطقیہ سے فائدہ پہنچتا ہے اور اس کے بغیر ان کی تشفی نہیں ہوتی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ علم و یقین ان طریقوں پر منحصر ہے بلکہ یہ ایک مابعدی کیفیت ہے جو خاص ماحول و تربیت اور نفسیاتی احوال کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

• بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ طریقہ استدلال اس قدر دقیق و خفی ہوتا ہے اور اس کے مقدمات جتنے کثیر اور طویل ہوتے ہیں، اسی قدر اس کے لئے نفع بخش ہوتے ہیں، اس لئے کہ اس کو باریک اور میں طویل غور و فکر کی عادت پڑ چکی ہوتی ہے، جب کوئی دلیل قلیل المقدما ہوتی ہے، یا بہت واضح اور جلی ہوتی ہے تو اس کے نفس کو اس سے خوشی اور تسکین نہیں ہوتی، ایسے لوگوں کے مقابلہ میں کلامی اور منطقی طریقہ استدلال کو استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں، اس لئے نہیں کہ مطلوب کا علم اس پر موقوف ہے، بلکہ اس لئے کہ یہ اس کے حال کے مناسب ہے، کیونکہ اس طرح کے لوگوں کو جب ایسی چیزیں معلوم ہوتی ہیں جو عوام کو معلوم ہیں اور غیر ذہین لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں، تو ان کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات نہیں ہوئی، اور ان کو کوئی علمی امتیاز حاصل نہیں ہوا، وہ طبعی طور پر ایسے دقیق اور غامض مسائل کو جاننا چاہتے ہیں، جو کثیر المقدما ہوں، ایسے لوگوں کے ساتھ بیشک یہ راستہ اختیار کیا جاسکتا ہے؟

قرآن کا اسلوب استدلال زیادہ دلنشین اور پین آفریں ہے

وہ اپنی کتابوں میں بڑے تدریج سے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ مقاصد شریعت، حقائق غیبیہ اور حقائق دنیویہ کے اثبات کے لئے سب سے بہتر اور طاقتور اور دلنشین اسلوب طرز استدلال قرآن مجید کا ہے، وہ لکھتے ہیں:

• اہل کلام و فلسفہ نے مطالبہ لہیہ پر جو دلائل عقلی قائم کئے ہیں، ان کے مقابلہ میں قرآن مجید کے دلائل

کہیں زیادہ کمال اور بلوغ و موثر ہیں، پھر اس کے ساتھ وہ ان بڑے بڑے مغالطوں سے بھی پاک و صاف

ہیں جو ان فلاسفہ منطقیین کے دلائل میں پائے جاتے ہیں^۱۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

”قرآن مجید میں جو عقلی اور برہانی قیاسات اور یوہیت، الہیت، وحدانیت، خدا کے علم و قدرت، امکان معاد وغیرہ جیسے مطالب عالیہ اور معارف الہیہ کے جو دلائل مذکور ہیں، وہ شریف ترین علوم و معارف ہیں جن سے نفوس انسانی کی تکمیل ہوتی ہے“^۲۔

ذات صفا کے بارے میں قرآن اور فلسفہ کا بنیادی و اصولی فرق

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کے ذات و صفات کے بارے میں قرآن مجید اور فلسفہ کا ایک اصولی فرق بیان کرتے ہوئے انھوں نے یہ اہم علمی نکتہ لکھا ہے کہ:۔

”قرآن مجید جہاں صفات الہی ثابت کرتا ہے، وہاں تفصیل سے کام لیتا ہے اور صرف تمثیل کی نفی پر اقتصار کرتا ہے (جیسا کہ مثلاً شیخ) اور یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ ان کے یہاں اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے، اس کے برخلاف ان کے حریفوں اور مخالفین (فلاسفہ یونان) کے یہاں سارا زور نفی پر صرف ہوتا ہے اور اثبات سے وہ سرسری طور پر گذر جاتے ہیں“^۳۔

نفی صفات کا اثر پوری زندگی پر

فلسفہ یونان کا پورا دفتر ابن تیمیہ کے اس نکتہ کی تصدیق کرتا ہے، فلاسفہ نے نفی میں جس وبالغہ اور اہتمام سے کام لیا ہے، اس نے خدا کے وجود کو محض ایک ذہنی تصور اور ایک مفہوم مجہول و مجبور ہستی بنا کر رکھ دیا ہے، لیکن خدا کیا ہے؟ اور کیسا ہے؟ اس بارے میں ان کے یہاں چند لفظوں اور فلسفیانہ

۱۔ الرد علی المنطقیین ص ۲۲۲ ۲۔ ایضاً ص ۱۵۳ ۳۔ النبوات ص ۱۵۳

اصطلاحات زیادہ کچھ نہیں ملتا، اس کا نتیجہ ہے کہ یونان کے اندر اور ان تمام حلقوں میں جو یونان کے فلسفہ کے زیر اثر رہے ہیں، خدا سے کوئی حقیقی زندہ اور علی تعلق نہیں رہا ہے، اس لئے کہ اس حقیقی اور علی قلبی اور جذباتی تعلق کے لئے اسماء و صفات و افعال کی ضرورت ہے، اور فلسفہ کو ان کی نفی پر اصرار ہے دنیا کی پوری عقلی تاریخ میں کبھی انسان کو کسی ایسی ہستی سے قلبی تعلق اور وابستگی نہیں رہی ہے جس کی صفت و فعل کا اس کو کوئی علم نہ ہو، محبت، خوف، امید و رجاء، طلب و سوال سب کے لئے صفا کی ضرورت ہے، اور وہ فلسفہ یونان میں بالکل منفی ہیں، اس لئے مورخین اخلاق و ادیان کا بیان ہے کہ اہل یونان کا تعلق نہ صرف خدا کے ساتھ بلکہ مذہب کے ساتھ بالکل سطحی اور برائے نام تھا، اور اس میں کوئی روح اور گہرائی نہیں تھی، امام ابن تیمیہ نے ایک جگہ پر صحیح لکھا ہے کہ "لاکھوں نفی ایک اثبات کے قائم مقام نہیں ہو سکتے" واقعہ یہ ہے کہ نفی محض پر کسی مذہب اور زندگی کی عمارت نہیں کھڑی ہو سکتی، اور غالباً مغرب میں فلسفہ یونان اور مشرق میں بودھ مذہب ایسی وجہ سے ایک ایسی انسانی سوسائٹی کے پیدا کرنے میں ناکام رہے جس کی عمارت خدا کے تصور اور عقیدہ پر قائم ہو اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ان دونوں فلسفہ کے حلقہ اثر میں ایک طرف بت پرستی اور دوسری طرف احماد اور انکارِ خدا کا رجحان بہت جلدی دے پاؤں چلا آیا، اس لئے کہ عوام کی تشفی (جن کی فطرت میں عبادت اور خدا پرستی کے جذبات و دلیت ہوتے ہیں) ایسے فلسفہ سے نہیں ہو سکتی جس میں سارا زور دماغی ورزش اور فلسفیانہ تصورات پر ہو، اور قلب و دماغ کے لئے معرفت و محبت کی کوئی غذا فراہم نہ کی جائے۔

صحابہ کرام کا امتیاز

ان کے نزدیک اس کا نتیجہ ہے کہ صحابہ کرام کو جو نبوت کے فیض یافتہ تھے، جو معرفت و علوم حاصل ہوئے، وہ بڑے مکمل اور گہرے ہیں، اور ان میں تکلف کا نام و نشان نہیں ہے، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تلامذہ کا جو فلسفہ اور علم کلام سے متاثر تھے، مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

واصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام باوجود اس کے کہ علم نافع اور عمل صالح
 کاوامع انہم ابر الناس علما نافعاً کے اعتبار سے کامل ترین خلائق تھے تکلفات بالکل
 وعملاً صالحاً اقل الناس تکلفاً یصدہ پاک و بری تھے کسی صحابی کی زبان ایک یاد و لفظ
 عن امدھم الکلمة والکلمات من حکمت معارف کے نکل جاتے ہیں اور ان دو لفظوں کے اثر و
 الحکمة او من المعارف ما یرہدی اللہ برکت سے پوری کی پوری قوم کو ہدایت نصیب ہو جاتی
 بہ امة و هذا من من اللہ علی ہذا ہے یہ اس است پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کے
 الامة، و تمجد غیر ہم یحشون الاوراق مقابلہ میں دوسرے لوگ صفحے کے صفحے ان تکلفات
 من التکلفات والشطحات ما ہو من و خطبات سے بھر دیتے ہیں جو محض غیر ضروری بات
 اعظم الفضول المبتدعة والآراء المخترعة اور نوا ایجاد آراء و نظریات ہیں۔

منطق یونانی کا سحر اور عرب عالم اسلام پر

امام ابن تیمیہ نے فلسفہ پر اجمالی و تفصیلی تنقید کرنے اور اس کے بکثرت مسائل و مباحث کو
 خالص عقلی و استدلالی طریقہ پر رد کرنے اور ان کو کمزور و بے بنیاد ثابت کرنے کے بعد یونان کے ایڑناز
 علم منطق پر بھی ناقدانہ نظر ڈالی ہے علماء اسلام پر منطق کا سحر فلسفہ سے کچھ زائد ہی غالب تھا، اور اس کے
 ستر یا معقول و مدلل اور محکم و مسبر ہونے پر عام طور پر اتفاق تھا، ساعد قرطبی کے بیان کے مطابق تیسری
 ہی صدی میں منطق کی کتابوں کا عام رواج ہو گیا تھا، پانچویں صدی میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منطق کو
 بڑی اہمیت دی اور اس کو تمام علوم کا مقدمہ قرار دیا، اپنی معرکہ الاربع کتاب المستصفی کے مقدمہ میں لکھتے
 ہیں "ہی مقدمة العلوم کلہا ومن لا یحیط بہا فلا ثقة بعلومہ اصلاً" (منطق تمام علوم کا مقدمہ ہے اور جس کو

اس پر عبور نہیں، اس کو اپنے علوم پر مطلقاً اعتبار نہیں کرنا چاہئے) اپنی دوسری کتاب (مقاصد الفلاسفہ) میں لکھتے ہیں:-

اما المنطقیات فالکثرها علیٰ منهج المولوب
والخطا نادریها وانما یخالفون اهل الحق
فیها بالاصطلاحات والایرادات دون
المعانی والمقاصد، اذ غرضها تہدیب
طرق الاستدلالات وذلك مما یشترک
فیہ النظار۔

جہاں تک منطقی مسائل و مباحث کا تعلق ہے تو واقعہ
یہ ہے کہ ان میں اکثر درست اور ثابت ہیں اور ان میں غلطی
شاذ و نادر ہے اگر ان یونانی علمائے منطق کا اہل حق
کے کوئی اختلاف بھی ہے تو محض اصطلاح اور اعترافاً
کا ہے، معانی اور مقاصد کا نہیں، اس لئے کہ اس فن کی
غرض طرق استدلال کی درستگی اور اصلاح ہے اور

اس بارے میں تمام اہل نظر متفق ہیں۔

ساتویں صدی کے مشہور حکیم و فلسفی ابن رشد کو منطق کے بارے میں اتنا غلو اور اعتماد تھا کہ وہ اس کو
انسانی سعادت کا سرچشمہ اور معیار سمجھتا تھا، اور اس کے بغیر حقیقت تک پہنچنا اس کے نزدیک ناممکن تھا،
اس کا سوانح نگار لکھتا ہے:-

کان متھوسا بمنطق ارسطو وقال عنہ
انہ مصدر السعادة للناس وان سعادة
الانسان تقاس بعلمہ بالمنطق والمنطق
أداة تسهل الطريق الشاقۃ فی الاصول
لی المحقیقة الّتی لا یصل الیہا العامة
بل بعض العامة بفضل المنطق۔

ابن رشد کو ارسطو کی منطق سے عشق تھا، اس کے بارے
میں اس کا قول ہے کہ وہ انسانوں کے لئے سعادت کا
منبع ہے کسی انسان کی سعادت کے لئے صحیح یہاں یہ ہے کہ
وہ منطق کتنی جانتا ہے، منطق ایک ایسا آلہ اور ذریعہ ہے
جو اس حقیقت تک پہنچنے کا راستہ آسان کر دیتا ہے،
جس تک عوام تو کیا بعض خواص بھی نہیں پہنچ سکتے۔

لہ المستصفا جزء اول ص ۱۱۱ مقاصد الفلاسفہ ص ۱۱۱ تاریخ فلاسفہ اسلام محمد لطیفی جمہ ص ۱۱۱-۱۱۲

یونان کی اس منطق کے دفتر کو علماء اسلام نے ہمیشہ ادب اور احترام کے ہاتھوں لیا اور وہ اس دعاوی و مقدمات اور اصول و کلیات سے مرعوب رہے، فلسفہ تنقید اور اس کی تشریح (چیر بھیاڑ) کا کام تو طول طویل وقفوں کے بعد کسی حد تک ہوا، لیکن ہمارے علم میں کسی نے مستقل طور پر منطق یونانی کے علمی محاسبے و محاکمے کی ضرورت نہیں سمجھی اور اس موضوع پر کوئی بڑی محققانہ اور مفصل کتاب نہیں لکھی۔

منطق علوم عقلیہ کی میزان نہیں!

ابن تیمیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کو مستقل موضوع بنایا اور اس پر آزادانہ اور مجتہدانہ تبصرہ اور تنقید کی اس موضوع پر ان کا ایک مختصر اور محل کتاب "نقض المنطق" اور دوسری مفصل کتاب "الرد علی المنطقیین" ہے، آخر الذکر کتاب میں انہوں نے فنی اور علمی طور پر منطق کے قضایا، دعاوی اور حدود و تعریفات اور جزئیات و کلیات سے بحث کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ اس فن کو علماء اسلام نے جتنی اہمیت دی ہے اور اس کو جس قدر مسلم الثبوت اور حکم مجھا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، ان کو اس بات سے انکار ہے کہ وہ علوم عقلیہ کی میزان ہے اور اس پر استدلال و استنتاج کا اور علم یقین تک پہنچنے کا انحصار ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ منطق علوم عقلیہ کی میزان ہے اور اس کی رعایت و پابندی اذہن کو فکری قلعی سے پچالیتی ہے جیسے فن عروض شعر کے لئے اور نحو و تصریف عربی کے مرکب مفرد الفاظ کے لئے میزان کا درجہ رکھتے ہیں اور جس طرح آلات ہنریت اوقات کے لئے میزان ہیں۔

لیکن واقعہ یہ نہیں ہے اس لئے کہ عقلی علوم ان اسباب ادراک کے ذریعہ سے حاصل کئے جاسکتے

لہذا یہ کتاب حال میں مطبوعہ تہذیب کی طرف سے شائع ہو گئی ہے جس پر مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقدمہ ہے اس

کتاب کی ضخامت ۵۲۵ صفحات ہے، علماء فن کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی فطرت میں ودیعت کئے ہیں ان کا کسی شخص معین کے وضع کئے ہوئے
میزان پر انحصار نہیں اور جس طرح عربیت میں تقلید کے بغیر چارہ نہیں اس لئے کہ وہ ایک قوم کی عادت
جو صرف سامع سے معلوم کی جاسکتی ہے اور اس کے قوانین کا ذریعہ علم صرف استقراء ہے اس طرح عقلیات میں
تقلید نہیں چلتی اس طرح سے کیل وزن عدد و شمار اور زراعت وغیرہ میں پیمانوں وغیرہ کی ضرورت ہے۔
منطق یونانی کی وضع و ایجاد سے پہلے بھی دنیا کی قومیں حقائق اشیاء کو جانتی تھیں اور اس کی وضع
و ایجاد کے بعد بھی اکثر قومیں ہیں جو منطق کی مدد کے بغیر حقائق اشیاء کو جانتی سمجھتی ہیں اور تمام دنیا کی
قوموں کے اکثر علماء ارسطو کے ان اصول و قواعد کو سیکھے بغیر حقائق کو سمجھتے ہیں اور یہ لوگ بھی اگر اپنی حالت
پر غور کریں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ ان کے نفوس کو اس وضعی فن کے بغیر حقائق کا علم حاصل ہوتا ہے۔

بہت سی منطقی حدود و تعریفات مخدوش اور کمزور ہیں

ان کو اس سے بھی انکار ہے کہ منطقی حدود و تعریفات پورے طور پر جامع و مانع اور فنی طور پر
کامل ہیں اور ان پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

وصاروا يعظمون امر الحدود دعوى	اہل منطق حدود منطقیہ کی اہمیت میں بڑا مانع
انهم هم المحققون لذلك وان ما يذكر	کرنے لگے ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس فن کے محقق ہیں
غيرهم من الحدود وانما هي لفظية	اور یہ کہ ان کے علاوہ دوسرے علماء جو حدود بیان کرتے
لا تفيد تعريف الماهية والحقيقة	ہیں وہ لفظی ہوتی ہیں اور ماہیت اور حقیقت کو پورے
بجلاف حدودهم ويسلكون الطرق	طور پر بیان نہیں کرتیں بخلاف ان کے حدود کے اہل
الصحة الطولية والعبارات المتكلفة	اہل منطق بڑے دشوار اور طویل راتے اختیار کرتے ہیں

المهائلة وليس لذلك فائدة الا تضيق الزمان
 واتعاب الاذهان وكثرة الهذيان ودعوى
 التحقيق بالكذب والبهتان وشغل النفوس
 بما لا ينفعها بل قد يضلها عما لا بد لها
 منه واثبات الجهل الذي هو اصل
 النفاق في القلوب وان ادعوا اليه
 اصل المعرفة والتحقيق^{له}
 اور بڑی پر تکلف اور مرعوب کرنے والی عبارتیں
 استعمال کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ سوائے اٹھائیس
 وقت دعاغی تک ان کی کثرت ہذیان اور تحقیق کے دعویٰ
 اور لاف زنی کے اس کا کوئی فائدہ نہیں یہ نفوس کو
 ایسی چیزوں میں مشغول کرتے ہیں جو کچھ مفید نہیں
 بلکہ بعض اوقات گمراہی اور بہالت آفرینی کے سوا
 جو قلوب کے نفاق کا ذریعہ ہے کچھ اور حاصل نہیں
 اگرچہ ان کا دعویٰ ہے کہ معرفت اور تحقیق کا بنیاد ہے

کوہ کندن و کاہ بر آوردن

ایک جگہ وہ ثابت کرتے ہیں کہ منطق در حقیقت ایک کوہ کندن اور کاہ بر آوردن کا معاملہ ہے کہ
 محنت اور بخت بہت زیادہ اور حاصل محض بہت کم نقص المنطق میں فرماتے ہیں۔
 یہ بات واضح ہے کہ منطق کو واجب قرار دینا محض ان لوگوں کا قول ہے جو غالی اور حقیقت
 سے نا آشنا ہیں، خود ماہرین فن بھی اپنے تمام علوم میں منطق کے قوانین کی پابندی نہیں
 کرتے، بلکہ بعض اوقات کبھی تو ان کی طوالت کی وجہ کبھی غیر مفید ہونے کی بنا پر اور کبھی
 بعض قوانین کے فاسد ہونے کی وجہ سے اور کبھی ان کے اجمال اور اشتباہ کی وجہ سے
 وہ ان سے خود اعراض کرتے ہیں، اس میں متعدد ایسے مقامات ہیں، جو کوہ کندن اور
 کاہ بر آوردن کا مصداق ہیں^{۱۵۵}۔

۱۵۵ نقض المنطق ص ۱۵۵

منطق کا اثر ذہن اور قوت بیانیہ پر

ان کے نزدیک منطق سے اکثر اوقات یہ نقصان بھی پہنچا ہے کہ طبیعت کی جولانی اور زبان و خیالات کی روانی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے، چنانچہ جو لوگ قواعد منطقیہ اور منطقی اسلوب کی بڑی پابندی کرتے ہیں ان میں تولیدہ بیانی، مشکل پسندی و اغلاق اور ایک طرح کی ذہنی کچی پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ متاخرین کے متون اور پچھلے دور کی نصابی کتابیں اس کا واضح نمونہ ہیں، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

وما زال نظار المسلمین يعيبون طريق	مسلمان اہل نظر و مناظرہ شروع سے اہل منطق پر کڑی
اهل المنطق ويبتنون ما فيهما من العي	تنقید کرتے رہے کہ اس سے اشتغال کرنے والوں میں
واللكنة وقصور العقل وعجز المنطق	اکثر عیب پیدا ہوا ہے کہ بے تکلف اظہار خیال
ويبتنون انها الى افساد المنطق العقلي	نہیں کر سکتے، ان کی زبان و قلم میں ایک طرح کی بندش اور
واللساني اقرب منها الى تقويم ذلك	رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، ذہن اپنا پورا کام نہیں
	کرتا اور زبان ساتھ نہیں دیتی، اور وہ اس بات کو
	واضح کرتے رہے کہ بجائے ذہن اور زبان کی ترقی
	اور تقویت کے اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ ذہن اور
	زبان کو اس نے نقصان ہی پہنچایا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

اذا اتسعت العقول وتصورتها	قاعدہ یہ ہے کہ جب عقول و تصورات میں وسعت
اتسعت عباراتها واذا ضاقت العقول	ہوتی ہے تو عبارتوں میں بھی وسعت ہوتی ہے اور

لہ الذی علی المنطقین ص ۱۹۲

والتصورات بقى صاحبها كانه محبوس
 العقل واللسان كما يصيب اهل المنطق
 اليوناني تجده من اصنىق الناس علما
 وبيانا، واعجزهم تصورا وتعبيرا، ولهذا
 من كان منهم ذكيا اذا تصرف فى العلم
 وسلك ملك اهل المنطق طول وصىق
 وتكلف وتعنت وغايتة بيان البين
 وايضاح الواضح من العى وقد يوقعه
 ذلك فى الولىع من السفسة التى عافى
 الله بها من يملك طريقته.

واع تنگ اور تصور احمرد ہوتے ہیں تو انسان ایسا
 معلوم ہوتا ہے گویا وہ عقلی اور سانی طور پر محبوس ہے
 جیسے کہ منطق یونانی سے اشتغال کرنے والوں کو اکثر
 پیش آتا ہے، تم دیکھو گے کہ وہ اپنے علم و بیان میں بڑے
 تنگ اس اور اپنے تصور و تعبیر میں بڑے عاجز نظر آتے
 ہیں اسی لئے ان میں سے جو ذکی بھی ہوتا ہے جب علوم
 میں تصرف کرتا ہے اور اہل منطق کا راستہ اختیار کرتا ہے
 تو تطویل و تفسیق اور تکلف و مشقت سے کام لیتا
 ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ
 ایک معلوم چیز کو بیان اور ایک واضح چیز کو زیادہ واضح
 کر دے اور اس کا نتیجہ ہے کہ منطق کے اشتغال سے
 اس کے ذہن و زبان پر قفل سے پرگئے ہیں بعض اوقات
 وہ سفسطہ اور حقائق اشیاء کے انکار کے مرض میں مبتلا
 ہو جاتا ہے جس سے وہ لوگ محفوظ ہیں، جنہوں نے
 ان اہل منطق کا راستہ اختیار نہیں کیا ہے۔

بعض مستثنیات

امام ابن تیمیہ کے سامنے بعض ایسے اشخاص بھی ہیں جو یونانی علم و حکمت میں انہماک رکھنے اور ان علوم

میں درجہ امامت تک پہنچنے کے باوجود بڑے شگفتہ قلم، خوش تحریر اور ادیب تھے، مثلاً ابن سینا جس کا قصیدہ
روح عربیت کا بڑا عمدہ نمونہ اور جس کی تحریروں میں اہل حکمت کے برخلاف حلاوت و بلاغت پائی جاتی ہے،
ان کے نزدیک یہ اسلامی اور عربی ادب و لطیفیچر سے اشتغال اور علوم اسلامیہ کا فیض ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ
ابن سینا کے حالات و سوانح سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

ومن وجد فی بعض کلامہ فصاحة و بلاغة	ان فلاسفہ و اہل منطق میں سے جس شخص کے کلام میں کچھ
مکالمات فی بعض کلام ابن سینا و غیرہ فلما	فصاحت یا بلاغت محسوس ہوتی ہے جیسے کہ ابن سینا
استفادہ من المسلمین من عقولہم	کی بعض تحریروں میں نظر آتی ہے تو یہ مسلمانوں کے
والسنتہم و الافلوشی علی طریقہ ملف	عقول و آداب کے فائدہ اٹھانے کا نتیجہ ہے، ورنہ اگر
واعرض عما تعلمہ من المسلمین بکان	وہ اپنے پیروؤں کے راستہ پر چلتا رہتا اور اس نے
عقلہ و لسانہ یشہ عقولہم و السنہم	مسلمانوں سے جو علوم حاصل کئے ہیں ان سے اعراض
	کرتا تو اس کی عقل و زبان بھی ان ہی کے عقل و زبان
	کی طرح کوتاہ اور قاصر نظر آتی۔

منطق کے متعلق اجمالی رائے

ان تنقیدات اور تبصروں کے بعد اس فن کے متعلق ان کی اجمالی رائے سے خود ان کے الفاظ میں یہ ہے:

فحقہم التافع فطری لا یحتاج الیہ	منطق کا جتنا حصہ درست اور مفید ہے وہ تو فطری ہے
وما یحتاج الیہ لیس فیہ منفعة	جس کی (الکیمیاء الفطرت کی) ضرورت نہیں اور جتنے حصے
الاعرفۃ اصطلاحہم و طریقہم	کی ضرورت ہے اس کا بھی فائدہ صرف اتنا ہے کہ اہل فن کی

او خطاہم۔

اصطلاحات ان کا طریقہ استدلال یا ان کی غلطیاں

معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

میرا ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے

الی کنت دائماً أعلم ان المنطق اليونانی

فطری ذکاوت عطا فرمائی ہے، اس کو تو اس یونانی منطق

لا يحتاج الیہ الذکا ولا ینتفع بہ

کی ضرورت نہیں، اور جو اس ذکاوت کے محروم ہے اس کو

البلید۔

اس منطق سے کوئی بڑا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

منطق کا صحیح مقام اور فائدہ

منطق یونانی کے بارے میں امام ابن تیمیہ کے ان آراء و خیالات میں خواہ کسی قدر انتہا پسندی اور غلو کا رنگ نظر آئے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منطق کی عظمت و تقدیس کے اس ظلم پر جو تمام عالم اسلام پر پانچویں صدی کے بعد سے چھا یا رہا ہے، ابن تیمیہ کی تنقیدوں کا ایک ضرب لگی، اور ایسا ہونا ضروری تھا، اس کے بارے میں ہمارے درسی اور علمی حلقوں میں جس قدر غالیانہ اور مبالغہ آمیز عقیدت قائم رہی ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو منطق سے نا آشنا ہو، اس کو اس کے تمام علوم و کمالات اور فطری ذکاوت کے باوجود جاہل اور احمق سمجھا جاتا رہا ہے، اور عرصہ تک ہندوستان میں منطق و فلسفہ کو "دانشمندی" اور ان کی کتابوں کو "کتب دانشمندی" کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے، اس غلو اور عقیدت کے خلاف رد عمل بھی قدرتی امر ہے، اور اسی رد عمل سے اس بات کا امکان ہے کہ اس کے بارے میں معتدل رائے قائم کی جائے گی اور اس کو اس کا صحیح مقام دیا جائے گا، منطق ایک طرح کی ذہنی ورزش اور دماغی ریاضت ہے، اور اس میں کوئی شبہ

نہیں کہ اس سے تشبیذ ذہن کا کام لیا جاسکتا ہے اور اگر اس کو اسی حد تک رکھا جائے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا، خود امام ابن تیمیہ کو اس کا اعتراض ہے "الرّد علی المنطقیین" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

وایضاً فان النظر فی العلوم الدقیقة
یفتق الذهن ویدربہا ویقویہ
علی العلم فیضیر مثل کثرة الرمی بالنشأ
ورکوب الخیل تعین علی قوۃ الرمی
والرکوب وان لم یکن ذلک وقت
قتال، وهذا مقصد حسن۔

یہ بات بھی ہے کہ علوم و قیقہ میں غور و مطالعہ سے
ذہن کھلتا ہے اور اس کی مشق ہوتی ہے اور علم کی
طاقت حاصل ہوتی ہے بالکل جس طرح سے تیر اندازی
اور سواروں کی مشق سے نشاۃ ٹھیک ہوتا ہے اور گھوڑے
کی سواری آسان ہو جاتی ہے اور لوگ جنگ سے پہلے بھی
ان چیزوں کی مشق کرتے ہیں یہ ایک اچھا مقصد ہے۔

لیکن لوگوں نے جس طرح اس کو بجائے وسیلہ کے مقصود اور بجائے مقدمہ کے اصل علم سمجھ لیا ہے اس سے ہر منصف اور بالغ نظر کو اختلاف ہوگا۔

دینی والہی حقائق کے بارے میں منطق کی بے بسی

منطق و فلسفہ کے بارے میں ایک غلو شروع سے یہ چلا آ رہا ہے کہ جس طرح اس کے قواعد و اصول کو علوم عقلیہ میں فیصلہ کن اور حکم سمجھا جاتا ہے اس طرح سے دینی والہی حقائق کے بارے میں بھی ان سے بے تکلف کام لیا جاتا ہے اور ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا جاتا ہے امام ابن تیمیہ اس بات کو پوری طاقت سے واضح کرتے ہیں کہ اگر منطق کو ایک میزان و ترازو کا بھی درجہ دیا جائے تو اس ترازو کا کام اور اس کا دائرہ عمل بہر حال محدود رہے گا، اس ترازو پر حقائق دینیہ کو تولنا ایسا ہی ہے جیسے نگاری ایسے اور پتھر تولنے کی ترازو پر سونے چاندی اور جواہرات کو تولنا جائے "نقض المنطق" میں لکھتے ہیں:-

۱۰ اتنی بات مسلم ہے کہ لکڑی اور سیسہ اور پتھر کو تولنے کے لئے جو ترازو بنا کے گئے ہیں ان پر سونے چاندی کو نہیں تو لا جا سکتا، نبوت کا معاملہ اور انبیاء علیہم السلام جن حقائق کو لے کر آئے ہیں وہ علوم میں اس سے کہیں زیادہ رفیع اور نازک ہیں، جتنا کہ سونا مایات میں ہے، تمہاری منطق اس کے لئے کوئی میزان نہیں بن سکتی، اس لئے کہ اس میزان میں جہل و ظلم دونوں جمع ہیں یا تو وہ ان کے وزن و درجہ سے واقف نہیں اور ان کو وزن کرنے اور ان کی حیثیت بیان کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں اس لئے جاہل ہے یا وہ حق کا انکار کرتی ہے اور اس کو قبول نہیں کرتی ہے اس لئے ظالم ہے، حالانکہ وہ حق ہے جس کا طبعاً انسان کے پاس کوئی بدل نہیں اور نہ ان علوم سے کسی کو استغنا ہے اور اسی پر بنی نوع کی سعادت منحصر ہے!

اس موقع پر نامناسب نہ ہو گا کہ نویں صدی کے ایک دوسرے سلیم الطبع اور نقاد عالم ابن خلدون کا ایک قباس بھی پیش کر دیا جائے جو بالکل اس مفہوم و معنی کو ادا کرتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں مختلف اور متعدد سلیم الطبع انسان محض اپنی سلامت طبع سے کس طرح ایک حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اور ان میں خیالات و افکار کا کیسا توارد ہوتا ہے، عقل کے محدود ہونے اور حقائق دینیہ و غیبیہ کا احاطہ کرنے سے قاصر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

”عقل ایک صحیح ترازو ہے، اس کے فیصلے یقینی ہیں، جن میں کوئی جھوٹ نہیں لیکن تم اس ترازو میں امور توحید، امور آخرت، نبوت، صفات الہی اور وہ تمام امور و حقائق جو ماوراء عقل میں تول نہیں سکتے، یہ لا حاصل کوشش ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لئے ہے اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا، جو ناممکن ہے اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حوت نہیں آتا، لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے“

اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی، وہ اثر اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی، اس لئے کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے۔

منطق تفصیلی و قتی تنقید اور ابن تیمیہ کے اجتہادات و اضافات

امام ابن تیمیہ نے فن منطق پر محض اجمالی تبصرہ اور اصولی اعتراضات پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ پورے فن پر ایک ناقدرانہ اور مجتہدانہ نظر ڈالی اور اس کا عملی احتساب کیا، انھوں نے اس کے بہت سے اصول و مسلمات کے تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور ان پر خالص عقلی اور فنی حیثیت سے بحث کی، اس کی بہت سی تعریفات و حدود کو مخدوش و کمزور ثابت کیا، اور ان سے بہتر تعریفات و حدود پیش کئے، اس کے بہت سے قضایا اور ان کی ترتیب کے اختلاف کیا، قیاس کے مقابلہ میں جو ارسطو کے منطق کی اساس ہے، استفراہ کی ترجیح ثابت کی اور اس کو حصول علم و یقین کا زیادہ سہل اور محفوظ طریقہ بتلایا، اسی کے ساتھ انھوں نے منطق و فلسفہ میں کئی جدید نظریات پیش کئے، اور فن میں اضافے کئے، مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم ارد علی المنطقیین کے مقدمہ میں ان کی اس خدمت و عظمت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”اگر تم اس کتاب کا غور و فکر سے مطالعہ کرو گے تو تم کو متعدد ایسے منطقی اور فلسفی مسائل ملیں گے جن کے ابن تیمیہ موجود ہیں“ اور وہ اس وقت کے مغربی فلاسفہ کی تصنیفات و نظریات سے بالکل مطابقت رکھتے ہیں، مثلاً تمام مسلمان علماء منطق نے اس بارے میں ارسطو کی پیروی کی ہے کہ کلیات علم کی بنیاد ہیں، اور اس بنا پر انھوں نے برہانیات کو ترجیح دی ہے، اور اصول استفراہ کی تحقیر کی ہے، اس بنا پر بعض علماء فرنگ نے یہاں تک لکھا کہ مشہور انگریز منطقی عالم مل (MILL) پہلا شخص ہے جس نے استفراہ کے اصول کو مرتب کیا، اور منطق جدید کی بنیاد رکھی (حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس سے

کئی صدی پہلے امام ابن تیمیہ اس پر زور دے چکے ہیں۔

اسی طرح سے انھوں نے حقیقتِ حد، جنس، فصل، لزوم، حقیقت، علت، قیاس، استقرار، اتدلال، بالمشہورات، قیاس میں ایک مقدمہ پر اکتفا وغیرہ جیسے اہم اور پیچیدہ مباحث کو جس طرح حل کیا ہے اور محکم دلائل سے اپنے نظریات ثابت کئے ہیں، وہ ان کی ذکاوت و اجتہاد پر گواہ ہے، علت و لزوم کے بارہ میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے، بعینہ وہی نظریہ ہے جس کو مشہور فلسفی ہوم (HUME) نے اپنی کتابوں میں ثابت کیا ہے، اہل علم کو معلوم ہے کہ لزوم و علیت ان دشوار ترین مسائل میں سے ہے، جن میں دماغوں نے بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں، اور اسی سے طبائعیین (سچے کو ماننے والے) اور طحریں کی بہت سی گمراہیاں نکلی ہیں، اس کتاب میں امام ابن تیمیہ کی بہت سی جدید تحقیقات اور جدید نظریات ہیں، جو ان کی علمی عظمت اور غیر معمولی ذکاوت کی دلیل ہے؛

علوم عقلیہ میں تقلید درست نہیں ہے

امام ابن تیمیہ کو اس بات کا احساس ہے کہ لوگ ان کے ان اعتراضات اور اختلافات کو دیکھ کر یہ کہیں گے کہ یونانی علوم ایک بڑا قدیم علمی ذخیرہ ہے جس کی ترقی و تہذیب میں کئی نسلوں کے بہترین دماغوں نے حصہ لیا ہے، اور ان کو ترقی و کمال کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا ہے، اس لئے اب ان میں غلطی کا بہت کم احتمال رہ گیا ہے، اور ان پر پچھلے دور کے کسی ناقد کا تنقید اور اعتراض کرنا ایک بڑی علمی جسارت اور اضعاف وقت ہے، امام ابن تیمیہ اس مقدمہ کو تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ جب یہ علوم محض عقلی ہیں، اور ان کی بنیاد غور و فکر اور مطالعہ پر ہے تو ان میں محض تقلید کا کیا جواز ہے، خود اس کے ناقل اس کو کسی وحی و الہام پر مبنی نہیں بتاتے بلکہ اس کی بنیاد عقل پر رکھتے ہیں اس لئے ہر زمانہ کے اہل عقل کو یہ حق ہے کہ ان پر ناقدانہ

نظر ڈالے اور عقل کے ترازو پر تولے اور جو چیز خلافتِ عقل ہو اس کو بے تکلف رد کر دے اور وہ الر دلی المنطقیین میں ایک جگہ بعض شیوخِ منطق کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہ علوم وہ ہیں جن کو ہزار برس تک بہترین دماغوں نے صیقل کیا ہے اور ہر زمانہ کے اہل فضل نے ان کو قبول کیا ہے پھر اس کا جواب دیتے ہیں:۔

هب ان الامر كذلك فهذه العلوم

عقلية محضة ليس فيها تقليد لقائل

وانما تعلم بمجرد العقل فلا يجوز ان

تصح بالنقل بل ولا يتكلم فيها الا بالمعقول

المجرد فاذا دلت المعقول الصريح على

بطلان الباطل منها لم يجزده فان

اهلها لم يردوا انها مأخوذة عن

يجب تصديقها بل عن عقل محض

فيجب التمسك فيها الى موجب

العقل الصريح

فرض کرو کہ بات یوں ہی ہے لیکن یہ علوم تو خالص

عقلی علوم ہیں جن میں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں

یہ تو مجرد عقل سے معلوم کئے جاتے ہیں اور اس لئے

نقل کے ذریعہ ان کی تصحیح درست نہیں اور ان میں

خالص معقولات کی بنا پر کلام کیا جاتا ہے تو جب

معقول صریح ان میں سے کسی باطل کے بطلان پر

دلالت کرے تو اس کا مسترد کرنا جائز نہیں اس لئے

کہ خود علماء منطق نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہ کسی

ایسی ہستی یا ذریعہ سے ماخوذ ہے جس کی تصدیق واجب ہے

وہ خود کہتے ہیں کہ ان کا تعلق عقل محض سے ہے اس لئے

ان کے بارے میں عقل صریح کے موجب ہی کی طرف رجوع

کرنا صحیح اور اس کے فیصلہ کو قبول کرنا ضروری ہوگا۔

عالم اسلام کے کچھلے دور میں علوم عقلیہ کا جمود و انحطاط اور ابن تیمیہ کے مگر کی اہمیت

واقعہ بھی یہی ہے کہ معقول کو ہمیشہ معقول ہی رہنا چاہئے منقول نہیں بننا چاہئے لیکن عالم اسلام

عالم اسلام کے کچھلے دور میں علوم عقلیہ کا جمود و انحطاط اور ابن تیمیہ کے مگر کی اہمیت

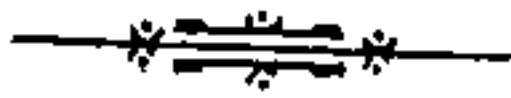
واقعہ بھی یہی ہے کہ معقول کو ہمیشہ معقول ہی رہنا چاہئے منقول نہیں بننا چاہئے لیکن عالم اسلام

واقعہ بھی یہی ہے کہ معقول کو ہمیشہ معقول ہی رہنا چاہئے منقول نہیں بننا چاہئے لیکن عالم اسلام

واقعہ بھی یہی ہے کہ معقول کو ہمیشہ معقول ہی رہنا چاہئے منقول نہیں بننا چاہئے لیکن عالم اسلام

واقعہ بھی یہی ہے کہ معقول کو ہمیشہ معقول ہی رہنا چاہئے منقول نہیں بننا چاہئے لیکن عالم اسلام

پر جب علمی و فکری زوال طاری ہوا اور دماغوں اور قوتِ فکریہ نے اپنا کام آزادی سے کرنا چھوڑ دیا
 تو تمام علمائے حکمت و فلسفہ بھی اپنے پیشروؤں کی لکیر کے فقیر بن گئے اور ان کی تحقیقات و تصنیفات
 کے ناقل و شارح بن کر رہ گئے، اور محقولات اور منقولات میں کوئی فرق نہیں رہ گیا، متاخرین کی
 بڑی سے بڑی پروا نہ تھی کہ وہ متقدمین کے کلام کی شرح کر دیں اور ان کے مطالب کو کم سے کم
 الفاظ میں ادا کر دیں، یہی مشرق کا وہ دور انحطاط ہے، جب علم و حکمت میں اضافہ، تجدید و اجتہاد
 اور تخلیقی کام کا دروازہ بالکل بند ہو گیا، یورپ میں (جس نے یونان کے منطق و فلسفہ کو مسلمانوں کے
 واسطے سے حاصل کیا تھا، اور حکماء یونان کے افکار و فلسفہ کو ابن سینا اور ابن رشد کے ذریعہ
 سمجھا تھا) کچھ عرصہ تک اس علمی میراث پر قناعت کرنے کے بعد فکر و نظر اور تحقیق و تجربہ کا کام
 آزادانہ طریقہ پر شروع ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانیوں کی منطق و فلسفہ کی بساط الٹ گئی، قیاس
 کے بجائے استقراء پر منطق کی بنیاد رکھی گئی، بالبعد الطبیعیات اور الہیات کے بجائے جن کا عملی اور علمی
 زندگی میں کچھ حاصل نہ تھا، طبیعیات پر زور دیا گیا اور اس فکری انقلاب نے نہ صرف یورپ
 کی دنیا کو بلکہ سارے عالم انسانی کو متاثر کیا، اس کے برخلاف ہمارے قدیم علمی و مدرسہ حلقوں
 میں یونانی علوم اور ان کے مشرقی شارحین اور پھر آخر میں ایرانی مصنفین کی کتابوں اور شرح و
 حواشی کو اس مضبوطی سے پکڑا گیا کہ گویا وہ العروة الوثقی اور فکر و نظر کا سدرۃ المنتہیٰ ہیں اس
 عقلی جمود و تقلید کے دشت بے نشان میں امام ابن تیمیہ کا یہ مجتہدانہ کارنامہ اور فلسفہ و منطق
 یونانی کی علمی تنقید و محاسبہ ایک سنگِ میل اور چراغِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور نئے اجتہاد و
 تفکر کا دروازہ کھولتا ہے۔



غیر اسلامی ملل و فرق کی تردید

اور

ان کے عقائد و رسوم و اثرات کا مقابلہ

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے یوں تو تقریباً تمام غیر اسلامی مذاہب و عقائد کی تنقید و تردید کی خدمت انجام دی اور ان کی عمر کا ایک بڑا حصہ اس علمی جہاد کی نذر ہوا، مشکل سے ان کی کوئی تصنیف مشکلانہ بحث و مناظرہ سے خالی ہوگی، لیکن ہم یہاں ان مذاہب و فرق میں جن کا ابن تیمیہ نے مقابلہ کیا، صرف دو (عیسائیت اور شیعیت) کو انتخاب کرتے ہیں، اس لئے کہ ان دونوں پر ان کی دو علیحدہ و معرکہ الآراء تصانیف (الجواب المصمیمین بادل دین المسیح اور منهاج السنة النبویہ فی نقض کلام الشیعہ والقدریہ) یادگار ہیں، نیز ان دونوں میں ایک لطیف مناسبت اور قدر مشترک بھی ہے، جس کا اظہار اس حدیث میں ہوا ہے، جس میں حضرت علیؓ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے: "یہلك فيك اثنان محب غالى ومبغض" (اے علی! تمہارے بارے میں دو طرح کے لوگ ہلاک ہوں گے، ایک غالی محب اور ایک مبغض رکھنے والے) اور اس لئے بھی کہ شیخ الاسلام کے زمانہ میں مذاہب میں سے صرف مسیحیت اور فرقوں میں سے صرف شیعیت (اپنی مختلف شاخوں اور اقسام کے ساتھ) دو زندہ تھریں اور طاقتور مذاہب تھے اور شاید اسی لئے امام ابن تیمیہ نے ان دونوں کو اپنی مستقل اور منفرد تصانیف کا موضوع بنایا۔

رؤ عیسائیت

عالم اسلام میں عیسائیت کی نئی تحریک

مسلمانوں کے ریاستی زوال کے ساتھ ساتھ اسلامی ملکوں میں دوسرے مذاہب و ادیان نے نئی کروٹ لی ان مذاہب و ادیان میں سب سے زیادہ جرأت و مستعدی کا اظہار مسیحیت نے کیا جس کے ماننے والوں کی بڑی تعداد اسلامی ممالک بالخصوص مصر و شام میں موجود تھی، خصوصیت کے ساتھ شام سے متصل عیسائی ممالک کا سلسلہ تھا، اور ان کی عظیم الشان عیسائی سلطنت (سلطنت قسطنطنیہ) کی سرحدیں اس سے ملتی تھیں پانچویں صدی ہجری کے آخر میں یورپ نے شام و فلسطین پر حملوں کا وہ سلسلہ شروع کیا جو جنگ صلیبی کے نام سے تاریخ میں مشہور ہیں، شام کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا اور نوٹے برس تک بیت المقدس عیسائیوں کے اقتدار و تولیت میں رہا، سلطان صلاح الدین ایوبی نے اگرچہ حلیں کے میدان میں عیسائیوں کو فیصلہ کن شکست دی تھی، اور بیت المقدس کو بازیاب کر لیا تھا، لیکن شام کے ساحل پر اب بھی ان کی ایک ریاست باقی تھی، اور عیسائی مبلغین اور علماء کے حوصلے اس فتح سے اتنے بلند ہو چکے تھے کہ وہ شام کو دوبارہ مسیحیت کے جھنڈے کے نیچے اور صلیب کے سایہ میں لینے کے خواب دیکھتے تھے، تا تاریخوں کے حلقے نے ایک طرف مسلمانوں کو نیم جان کر دیا تھا اور دوسری طرف عیسائیوں کو بڑا سہارا دیا تھا، کتاب کے پہلے حصہ میں گزر چکا ہے کہ ۱۰۹۵ء میں جب تاتاری دمشق میں فاتحانہ داخل ہوئے تو عیسائیوں نے شہر سے نکل کر ان کا استقبال کیا، اور ان کو تحائف پیش کئے، وہ صلیب کو سروں پر بلند کئے ہوئے تھے اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ دین برحق یسوع مسیح کا دین غالب آیا۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ اول ص ۲۲۲ دوسرا ایڈیشن۔

”اجواب الصیح کی تصنیف“

یوں تو مسیحی علماء اور پادری مسلمانوں سے اکثر سوال و جواب کرتے رہتے تھے اور علمائے اسلام ان کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے اور مذہب مسیحی کی کمزوریاں ظاہر کرتے رہتے تھے، لیکن امام ابن تیمیہ کے لئے اس موضوع کی طرف خصوصی توجہ کرنے کا خاص سبب یہ پیش آیا کہ قبرص (سائپرس) نے عیسائیوں کی ایک نئی مناظرہ تصنیف ملک شام پہنچی جس میں عقلی اور نقلی حثیت سے مسیحیت کا اثبات کیا گیا تھا اور مسیحی عقائد کو عقلاً و نقلاً ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی اس کتاب میں پوری قوت کے ساتھ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ رسول اللہ کی بعثت عمومی نہیں، آپ صرف عربوں کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اور مسیحی آپ پر ایمان لانے کے لئے مکلف نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب نے شام کے علمی اور دینی حلقہ میں کافی اہمیت اختیار کر لی تھی۔

اس کتاب کا جواب دینے کے لئے وہی شخص موزوں تھا جو ایک طرف فلسفہ اور علم کلام اور عقائد و فرق پر پڑی وسیع اور گہری نظر رکھتا ہو، دوسری طرف عہد عتیق اور عہد جدید کے صحیفوں (بائبل) پر اس کا پورا عبور اور مسیحیت کی تاریخ پر اطلاع ہو، اس لحاظ سے اس عصر میں امام ابن تیمیہ سے زیادہ کوئی اس کام کا اہل نہ تھا، انھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا، اور ”اجواب الصیح لمن بدل دین المسیح“ کے نام سے چار جلدوں میں ایک کتاب لکھی، چونکہ صرف اس موضوع پر بلکہ خود امام ابن تیمیہ کی تصنیفات میں ایک تمیازی مقام رکھتی ہے، اس کتاب سے ان کی وسعت نظر مطالعہ کے تنوع، مذاہب ادیان کی تاریخ سے گہری واقفیت اور صحیفہ سابقہ پر وسیع نظر کا اندازہ ہوتا ہے، اس کتاب میں انھوں نے صرف مدافعت اور صفائی پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ مسیحیت کی بنیادوں پر بھی حملہ کیا ہے، نبوت محمدی کے ثابت کرنے کے لئے انھوں نے

۱۵ اس کتاب کے مجموعی صفحات ۱۳۹۵ ہیں (۱۹۰۵ء) میں شیخ فرج اللہ زکریا اور شیخ مصطفیٰ قبانی دمشق کے اہتمام میں شائع ہوئی۔

وہی قدیم اور اصطلاحی دلائل نہیں پیش کئے ہیں، جو علم کلام اور مناظرہ فرق کی کتابوں کا قدیم شعار ہے بلکہ ایسے نئے وجوہ و دلائل پیش کئے ہیں جو زیادہ دل نشیں اور ایمان آفریں ہیں ایک منصف مزاج اور معقولیت پسند انسان کو تسلیم و اعتراف پر مجبور کر دیتے ہیں پھر اس کتاب میں مسیحیت کی تاریخ، مسیحی علم کلام، اور مسیحی علماء کی موٹنگائیوں اور تاویلات کا اتنا مواد نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارتوں اور آپ کے دلائل نبوت اور آپ کی پیشین گوئیوں کا اتنا بڑا ذخیرہ پیش کر دیا ہے، جو تنہا کسی ایک کتاب میں دستیاب نہیں ہو سکتا اور جس کے لئے بہت بڑا کتب خانہ کھنگالنے کی ضرورت ہوگی، ہمیں شہور مصری فاضل شیخ محمد ابو زہرہ کی اس رائے سے بالکل اتفاق ہے:-

وان هذا الكتاب أهدأ ما كتب ابن تيمية

امام ابن تیمیہ کی مناظرہ تصنیف میں یہ کتاب سب سے

فی الجدل، وهو وحده كما جدير بيان يكتب

زیادہ ٹھنڈی اور پرسکون ہے، یہ کتاب تنہا ان کو

ابن تيمية في سجل العلماء العاملين والائمة

باعمل علماء، مجاہد ائمہ اور غیر فانی مفکرین کا مرتبہ

المجاهدين والمفكرين الخالدين۔

دلانے کے لئے کافی ہے۔

پیش نظر مضمون میں اس کتاب پر ایک اجمالی نگاہ ڈالنی ہے اور اقتباسات کی مدد سے اس کا ایک ایسا خلاصہ پیش کرنا ہے جس سے ان کا نقطہ نظر اور اس کتاب کی روح سامنے آجائے۔

مسیحیت حضرت مسیح کی تعلیم اور رومی بت پرستی کا مجموعہ ہے

جن مسلمان علماء و مصنفین نے مسیحیت کی تردید و تنقید پر قلم اٹھایا، ان میں سے اکثر خود مسیحیت کی تاریخ سے ناواقف تھے، انھوں نے مسیحیت کو حضرت مسیح کے اقوال و حالات کا مجموعہ سمجھ کر اور ایک آسانی مذہب کا درجہ دے کر بحث کی اور اس طرح اس کو ایسا اعزاز بخشا جس کی وہ مستحق نہیں تھی، امام ابن تیمیہ

چونکہ مسیحیت کی تاریخ اور اس کے تدریجی ارتقاء و تغیرات پر نظر رکھتے ہیں، اس لئے وہ اس حقیقت کے ناواقف نہیں ہیں کہ ان کے زمانہ کی مسیحیت حضرت مسیح کی تعلیمات اور یونانیوں اور رومیوں کے مشرکانہ عقائد اور رسوم اور علم الاصنام (دیومالا) کا ایک عجیب مرکب ہے، اس لئے وہ عام ناقدین کی اس تاریخی غلطی کا شکار نہیں ہوتے، اور پوری جرأت و بیباکی کے ساتھ موجودہ مسیحیت کی تنقید کا فرض انجام دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:-

”رومی اور یونانی وغیرہ مشرک و بت پرست تھے، وہ ہیاکل علوی اور اصنام ارضی کی پرستش کرتے تھے، حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے سفر اور مبلغین کو ان کی طرف امر الہی کی دعوت دینے کے لئے بھیجا، ان میں سے بعض آپ کی زندگی میں ان ملکوں میں گئے، اور بعض آپ کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد انہوں نے ان کو اللہ کے دین کی دعوت دی، کچھ لوگوں نے اللہ کے دین کو قبول کیا، اور ایک مدت تک اس پر قائم رہے، پھر شیطان نے ان میں سے کچھ لوگوں کو یہی پڑھائی کہ وہ حضرت مسیح کے دین کو بدل دیں، انہوں نے ایک ایسا دین ایجاد کیا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے دین اور مشرکین کے دین کا مجموعہ تھا؛

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”عیسائیوں نے دو دینوں کو ملا کر ایک دین بنایا، ایک انبیاء موحدین کا دین، ایک مشرکین کا دین، ان کے دین میں ایک حصہ تو انبیاء کی تعلیمات کا ہے اور ایک حصہ ان نئے اقوال و افعال کا ہے جو انہوں نے مشرکین کے دین میں سے لے کر شامل کئے ہیں، اس طرح سے انہوں نے اقانیم کے الفاظ ایجاد کئے جن کا انبیاء علیہم السلام کے کلام میں نہیں پتہ نہیں چلتا، اسی طرح سے انہوں نے مجسم اور سایہ اڑتوں کی جگہ پر وہ بت ایجاد کئے جن کا سایہ نہیں، اسی طرح آفتاب چاند اور کوکب کی طرف نماز پڑھنے کا موسم بہار میں روزہ رکھنے کو دین میں داخل کیا، تاکہ دین شرعی اور امر طبعی دونوں کو وہ جمع کر لیں“

موجودہ مسیحیت عہد قسطنطین کی تصنیف ہے

وہ اس سے ایک قدم آگے بڑھا کر یہ کہتے ہیں کہ مسیحیت کی ابتدائی تحریف و تبدیلی کے علاوہ جو مسیحیت کے ابتدائی عہد اور پال (پولس) کے زمانہ میں ہو گئی تھی دوسری بڑی تحریف اور تبدیلی قسطنطین کے زمانہ میں ہوئی جو پوٹھی صدی مسیحی کا مشہور رومی بادشاہ ہے اور جو پہلی مسیحی سلطنت کا بانی ہے وہ لکھتے ہیں:

”عیسائیوں کے عقائد اور شریعت و احکام ان کے علماء و اکابر برابر تصنیف کرتے رہے جیسے کہ بادشاہ

قسطنطین کے زمانہ میں ۳۱۸ آدمیوں نے وہ عیسائی محض تیار کیا جس پر مختلف مسیحی فرقوں نے اتفاق کیا اور

اریوسی وغیرہ جو اس کے مخالف تھے ان پر لعنت کی اس محض میں وہ مسائل ہیں جن کا کسی آسمانی کتاب میں

نشان نہیں ملتا بلکہ تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات کے مخالف اور عقل صریح کے معارض ہیں۔“

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

”اس مذہب سمجھوتے میں انھوں نے حضرت مسیح اور انبیاء کی پیروی نہیں کی، بلکہ ایک نیا عقائد

نار تیار کیا جس کا انبیاء علیہم السلام کے کلام میں کوئی سر لغ نہیں ملتا انبیاء علیہم السلام کے کلام

نیز حضرت مسیح اور دوسرے انبیاء کے کلام میں کہیں اللہ کے اقامت کا ذکر نہیں، نہ تین کا نہ زیادہ

کا، نہ کہیں صفات ثلاثہ کا ثبوت ہے، نہ کہیں کسی صفت الہی کو ابن اللہ یا رب کے لفظ سے تعبیر

کیا گیا ہے، نہ اللہ کی حیات کو روح کہا گیا ہے اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ خدا کا ایک فرزند ہے، جو اللہ حق

ہے اور اللہ حق سے وجود میں آیا ہے، وہ اپنے باپ کے جوہر سے ہے اور وہ بھی اسی طرح خالق ہے

جیسے کہ اللہ خالق ہے اسی طرح ہے اور وہ دوسرے اقوال جو مختلف اقسام کفر و شرک ہیں اس طرح

کے اقوال کسی نبی سے بھی منقول نہیں۔“

اناجیل کی صحیح حیثیت

بعض علماء اسلام سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ انھوں نے انجیل کو قرآن مجید اور دوسرے صحیفہ سماوی کے درجہ میں رکھ کر بحث کی ہے اور عیسائی علماء و مبلغین کے دعوے اور شہرت عام سے متاثر ہو کر یہ تسلیم کر لیا کہ وہ بھی اسی طرح کی ایک آسمانی کتاب ہے جیسے کہ دوسری آسمانی کتابیں یہ ایک بنیادی غلطی تھی جو محض عہد جدید کی تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے امام ابن تیمیہ انجیل کو وہی مقام دیتے ہیں جس کی وہ مستحق ہے ان کے نزدیک انجیل کے ان چار صحیفوں کی حیثیت سیرت اور حدیث کی عام کتابوں کی طرح زائد نہیں، وہ لکھتے ہیں:-

”ان اناجیل اور بعض راویوں نے کچھ حضرت مسیح کے اقوال اور کچھ ان کے افعال و معجزات نقل کئے

ہیں انھوں نے اس کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے حضرت مسیح سے جو کچھ سنا اور دیکھا سب نقل نہیں کیا پس جیسے

محدثین اور اصحاب سیر و معازی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال نقل کرتے ہیں اور کوئی ان کو

قرآن کا درجہ نہیں دیتا، اسی طرح سے ان راویوں نے حضرت مسیح کے اقوال و افعال نقل کئے ہیں اور

اور ان کی حیثیت بھی وہی ہے جو ہمارے یہاں سیرت اور حدیث کی کتابوں کی ہے۔“

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”آج جو انجیل عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے اس کے متعلق ان کو خود اعتراف ہے کہ وہ نہ حضرت

مسیح کی لکھی ہوئی ہے نہ ان کی لکھوائی ہوئی ہے حضرت مسیح کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد متی

اور یوحنا نے (جو حضرت مسیح کے حواری تھے اور ان کو آپ کی صحبت حاصل ہوئی) اور مرقس اور لوقا نے

(جنھوں نے حضرت مسیح کو نہیں دیکھا) لکھوایا، اس کو لسنے آدمیوں نے یاد نہیں کیا جو تو اتر کی حد تک

پہنچ جائے ان چاروں مصنفین کا بھی یہ بیان ہے کہ انھوں نے حضرت مسیح کے اقوال و حالات کا

لے ابواب صحیح حصہ دوم ص ۱۱

کچھ حصہ نقل کیا ہے، انہوں نے پورے اقوال و افعال کا استیعاب بھی نہیں کیا، دو تین چار کے نقل کرنے میں غلطی کی گنجائش ہے، خصوصیت کے ساتھ اس لئے اور بھی کہ خود حضرت مسیح کے بارے میں ان کو غلطی ہوئی، اور یہ بات مشتبہ ہو گئی کہ کون مصلوب ہے؟^{۱۱}
وہ نہ صرف انجیل بلکہ تورات کے متعلق بھی لکھتے ہیں:-

”تورات کی نقل و روایت میں بھی انقطاع واقع ہوا جب بیت المقدس ویران کیا گیا اور بنی اسرائیل وہاں سے جلا وطن کئے گئے یہودیوں کی روایت ہے کہ اس کے بعد ایک شخص نے تورات قلمبند کر والی جس کا نام عاذرتلاتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ وہ نبی تھے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے، ان کا بیان ہے کہ اس نسخہ کا ایک دوسرے پرانے نسخہ سے مقابلہ کیا گیا، ایک روایت یہ ہے کہ ایک نسخہ جو مغرب میں تھا لایا گیا، اس سے مقابلہ ہوا، اس سبب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے الفاظ متواتر نہیں ہیں، اور ان میں بعض مقامات میں غلطی کا وقوع ناممکن نہیں، جیسے ان تمام کتابوں میں پیش آتا ہے جس کو دو چار آدمی نقل کرتے ہیں، اور ان کا مقابلہ کرتے ہیں اور حفظ کرتے ہیں؟^{۱۲}
آخر میں وہ نتیجہ نکالتے ہیں:-

”عیاشیوں کے پاس ان انجیلوں کے الفاظ کی حضرت مسیح سے کوئی متواتر روایت نہیں، اور نہ احکام و عقائد کی کوئی متواتر نقل ہے، جن پر وہ قائم ہیں، نہ یہودیوں کے پاس توراہ کے الفاظ اور انبیاء کی پیشین گوئیوں کی کوئی متواتر نقل ہے، جیسی مسلمانوں کے یہاں قرآن اور احکام شریعت کی متواتر نقل موجود ہے، جو عوام و خواص سب کو معلوم ہے۔^{۱۳}
وہ قرآن مجید اور تورات و انجیل کا فرق دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”قرآن مجید کے الفاظ و معانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر چلے آئے ہیں، اور ان پر

اجماع ہے، اسی طرح سے سنت متواترہ، اسی طرح مسلمانوں کے پاس اپنے نبی کے بہت سے حالات اور واقعات ہیں، جن کا صحیح ہونا مختلف طریقوں سے معلوم ہے مثلاً امت کی تصدیق، عادات کی دلالت وغیرہ، یہ قرآن مجید مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے، اس کا حفظ کسی لکھی ہوئی کتاب پر موقوف نہیں، اگر مصاحف خدا نخواستہ دنیا سے ناپید ہو جائیں تو اس سے ان کے حفظ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بخلاف اہل کتاب کے کہ اگر بائبل کے نسخے معدوم ہو جائیں تو ان کے پاس اس الفاظ کی کوئی متواتر نقل نہیں ہے، اس لئے کہ کتابوں کے معدومے چند حافظ ہیں، جن کے حفظ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے عہد نبوت کے بعد ان کتابوں میں برابر تبدیلی (معنوی یا لفظی) واقع ہوتی رہی، اور اسی لئے ان میں اس منکر و راجح نہیں جس کا مسلمانوں میں رواج ہے، اور نہ جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کا وہ علم ہے، جو مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔

اناجیل میں تحریف

امام ابن تیمیہ کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ وہ تورات و انجیل میں تحریف لفظی کے قائل نہیں، لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے اس کی تردید ہوتی ہے، اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ اس پر بار بار زور دیتے ہیں کہ تحریف معنوی پر اتفاق ہے اور چونکہ ان کے نزدیک علماء یہود و نصاریٰ بھی اس قائل ہیں کہ تحریف معنوی ہوئی ہے، اس لئے وہ اس سے زیادہ استدلال کرتے ہیں، اور علماء یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں اس کو پیش کرتے ہیں، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

واذا عرف ان جميع الطوائف من المسلمين

جب یہ بات مسلم ہے کہ مسلمان یہود اور عیسائی سب

والیہود والنصاریٰ یشہدون انه قد وقع

اس بات کے قائل ہیں کہ ان کتابوں (توراة و انجیل)

فی هذا الکتب تحریف وتبدیل فی معانیها
کے معانی و تفسیر احکام میں تحریف واقع ہوئی ہے
وتغایرها و شرائعها فهدا القدر کافی^۱
تو اتنی بات بھی کافی ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

وکن علماء المسلمین وعلماء اهل الکتاب
مسلمان علماء اور علماء اہل کتاب اس بات پر متفق
متفقون علی وقوع التحریف فی المعانی والتغیر^۲
ہیں کہ توراہ و انجیل کے معانی و تفسیر میں تحریف ہوئی ہے

لیکن کیا تورات و انجیل کے الفاظ میں بھی تحریف ہوئی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں ان کو اس سے تو
اتفاق نہیں ہے کہ یہ کتابیں سرتاپا محرف ہو گئی ہیں اور ان میں کہیں بھی اصل الفاظ نہیں ہیں لکھتے ہیں کہ اس
قول کی نسبت مسلمانوں کی طرف صحیح نہیں کہ ان کتابوں کے تمام الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے
بعد تمام زبانوں میں بدل دیئے گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”میرے علم میں علماء مسلمین کسی کوئی اس کا قائل نہیں ہے“^۳
البتہ وہ اس کے قائل ہیں کہ ان کتابوں میں جزوی تحریف ضرور ہوئی ہے اور بہت سے مقامات
پر اس کے الفاظ بدل دیئے گئے ہیں وہ اسی کو جمہور کا مسلک بتلاتے ہیں وہ لکھتے ہیں :-

فجمہور المسلمین یمنعون هذا
جمہور کو اس بات سے انکار ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
ویقولون ان بعض الفاظها تبدل
علیہ وسلم نے توراہ و انجیل کے تمام الفاظ کی تصدیق
کی ہے اور ان کا مسلک ہے کہ ان کتابوں کے بعض
لما قد تبدل کثیر من معانیها^۴
الفاظ تو ضرور بدل دیئے گئے ہیں جیسے کہ اس کے
بہت سے مطالب اور تشریحات بدل دی گئی ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

والصواب لذی علیہ الجمہور وانہ
صحیح مسلک جس پر جمہور ہیں وہ یہ کہ ان کتابوں کے

۱۔ اجواب صحیح حصہ اول ص ۲۶۶ ۲۔ ایضاً ص ۲۸۰ ۳۔ ایضاً ص ۲۴۳ ۴۔ ایضاً

بَدَلُ بَعْضِ الْفَاطِمَاتِ

بعض الفاطمات میں ضرورتاً تبدیلی ہوئی ہے۔

نصاری الفاظ انبیاء کو سمجھے نہیں

وہ لکھتے ہیں کہ عیسائیوں کی گمراہی اور عقیدہ تثلیث اور شرکانہ خیالات کا بڑا سبب اور فساد کا سرچشمہ یہ ہے کہ عیسائیوں نے انبیاء علیہم السلام کے بہت سے الفاظ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا، اور بہت سے الفاظ کے مفہوم کی تحریف کر دی، وہ کہتے ہیں اس لحاظ سے یہودیوں کو عیسائیوں پر کسی درجہ میں فوقیت حاصل ہے اگرچہ وہ ضد تکبر اور انکار حق میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام کی زبان اور الفاظ سے اتنے نا آشنا نہیں ہیں۔

وہ اس بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ ان آسمانی کتابوں کے سمجھنے اور ان سے صحیح طور پر پریم کو اخذ کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی زبان اور اصطلاحات کا سمجھنا بہت ضروری ہے، وہ لکھتے ہیں:-

ان معرفة اللغة التي خاطبنا بها الانبياء	اس زبان کا سمجھنا جس میں انبیاء علیہم السلام نے
وجعل كلامهم عليها امر واجب متعين	ہم سے خطاب کیا اور ان کے الفاظ کا وہی مطلب لینا۔
ومن سلك غير هذا المسلك فقد	جو ان کی مراد تھی ضروری اور یقینی چیز ہے، جو اس کے
حرف كلامهم عن مواضعه وكذب	علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے گا وہ ان کے کلام کو
عليهم واخترى.	اصل مفہوم سے ہٹا دے گا، اور ان پر جھوٹ باندھنے

اور افترا پر دازی کے جرم کا مرتکب ہوگا۔

اسی زبان اور اصطلاحات کو نہ سمجھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ابن اور روح القدس کے معنی غلط

سمجھ لئے گئے اور تثلیث کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔

۱۰۹ ابواب صحیح حصہ دوم ص ۱۰۹ ۱۱۰ ایضاً ص ۱۱۰

الفاظ کے صحیح معنی

وہ لکھتے ہیں :-

”اہل کتاب نے انبیاء علیہم السلام سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اب (باپ) اور ابن (فرزند) کے الفاظ استعمال کئے، ان کی خود مراد اب سے رب اور ابن سے منتخب اور محبوب تھی کسی نے بھی ان سے یہ نقل نہیں کیا کہ انھوں نے صفات الہی میں کسی صفت کو لفظ ابن سے تعبیر کیا ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے متعلق یہ کہا ہو کہ اس کا اس کے توالد ہوا، یا وہ اس کی مولود ہے، پس اگر حضرت مسیح کے کلام میں یہ آتا ہے کہ لوگوں کو باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے مقیمہ و توالد لفظ ابن کی تفسیر کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک قدیم اور ازلہ صفت ہے، حضرت مسیح پر محض افتراء ہے اس لئے کہ ان کی زبان میں ابن سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدیم ازلہ صفت نہیں تھی، اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام کے کلام میں اللہ تعالیٰ کی صفت حیات کو روح القدس کے لفظ سے کبھی تعبیر نہیں کیا گیا، ان کی زبان اور اصطلاح میں روح القدس سے مراد وہ ہستی یا شے تھی جس کو اللہ تعالیٰ انبیاء اور صالحین پر نازل فرماتا تھا، اور اس سے ان کی تائید فرماتا تھا؛

دوسری جگہ عیسائیوں کو خطاب کر کے لکھتے ہیں :-

”تمہاری گمراہی کا سبب یہ ہے کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کے صریح اور واضح کلام کو چھوڑ کر وہ تاویلیں اختیار کیں، جن پر انبیاء علیہم السلام کا کلام نصاً اور ظاہراً دلالت نہیں کرتا، تم نے محکم کو چھوڑ دیا، اور فتنہ اور تاویل کی جستجو میں تشابہ کی پیروی کی، اگر تم اس کلام کے ظاہر کو پکڑے رہتے تو گمراہ نہ ہوتے، اس لئے کہ ابن کا لفظ جہاں انبیاء علیہم السلام کے کلام میں آتا ہے وہاں اس سے کوئی صفت مراد نہیں ہوتی بلکہ اللہ کا دوست اور اس کا محبوب مراد ہوتا ہے، روح القدس

مے بھی کوئی صفت مراد نہیں ہوتی، بلکہ وحی اور فرشتہ مراد ہوتا ہے تم نے ظاہر لفظ اور اس کے مفہوم کو چھوڑ کر ایسے معنی مراد لئے جن پر لفظ مطلقاً دلالت نہیں کرتے۔

الفاظ ابن اور روح القدس مشترک و عام ہیں

پھر وہ توراہ و انجیل کی عبارتوں اور نصوص سے ثابت کرتے ہیں کہ ابن اور روح القدس کے الفاظ حضرت مسیح کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بکثرت دوسروں کے لئے استعمال ہوئے ہیں وہ لکھتے ہیں:

• ابن اور روح القدس کے الفاظ حضرت مسیح کے علاوہ دوسروں کے حق میں خود تہا کے نزدیک

آئے ہیں تم خود بیان کرتے ہو کہ جو اریوں نے کہا کہ حضرت مسیح نے ان سے فرمایا بیشک الشریعہ اور تمہارا

باپ ہے اور میرا اور تمہارا معبود ہے، وہ خود کہتے ہیں کہ روح القدس ان میں حلول کرتا ہے تمہا کے

پاس جو تورات ہے اس کے اندر یہ عبادت موجود ہے کہ رب نے حضرت موسیٰ سے کہا فرعون کی طرف

جا، اور اس سے کہہ رب کہتا ہے اسرائیل میرا پونٹھی کا لڑکا ہے اس کو چھوڑ دے تاکہ وہ میری عبادت

کرے اگر تو نے میرے پونٹھی کے بیٹے کو چھوڑنا منظور نہ کیا تو میں تیرے پونٹھی کے بیٹے کو قتل کر دوں گا

جب فرعون نے بنی اسرائیل کو نہ چھوڑا تو جیسے خدا نے کہا تھا تو خدا نے فرعون کے اور فرعون کی قوم

کے پونٹھی کے بیٹوں کو قتل کر دیا، اس فرعون کے بیٹے سے لے کر جو تخت پر بیٹھا تھا، دوسرے آدمیوں

اور ان کے جانوروں کے پونٹھی کے بیٹوں تک، تو یہ تورات تمام بنی اسرائیل کو اللہ کے بیٹے اور اس کی

پونٹھی کی اولاد کہہ رہی ہے اور اہل مصر کے بیٹوں کو فرعون کے بیٹے بتلا رہی ہے اور اس سے بھی زیادہ

وسعت سے کام لیتی ہے اور جانوروں کے بچوں کو جانوروں کے مالک کا بچہ کہتی ہے اسی طرح سے

مزا میرا و د میں ہے تو میرا بیٹا ہے تو مجھ سے سوال کریں دوں گا، انجیل میں حضرت مسیح کا یہ قول نقل

کیا گیا ہے، میں اپنے اور تمہارے باپ اور اپنے اور تمہارے معبود کے پاس جانے والا ہوں اور انہوں نے فرمایا جب تم دعا کرو تو کہو اے ہمارے باپ جو آسمان میں ہے، قدوس تیرا نام ہے، ہمیں قلاں قلاں نعتیں عطا کر، اسی طرح روح القدس کے حلول کرنے کا تذکرہ صرف حضرت مسیح ہی کے بارے میں نہیں آتا بلکہ اور انسانوں کے بارے میں بھی آتا ہے!

عرض انہوں نے مدلل طریقہ پر ثابت کیا ہے کہ جن الفاظ سے نصاریٰ حضرت مسیح کی انبیت، حلول و اتحاد اور الوہیت کے لئے استدلال کرتے ہیں، وہ الفاظ تورات و انجیل میں بکرات و مرآت غیر مسیح کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، اور وہ سب کنایات، مجازات و محاورات ہیں، آخر میں وہ نتیجہ نکالتے ہیں۔

”خلاصہ یہ ہے کہ گذشتہ پیشین گوئیوں اور تورات و انجیل و زبور جیسی آسمانی کتابوں اور دوسرے انبیاء کی پیشین گوئیوں میں کوئی بات ایسی نہیں کی گئی ہے جس سے حضرت مسیح کے متعلق خصوصیت سے یہ ثابت ہو کہ ان کو الوہیت کا اتحاد و حلول حاصل تھا، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے، ان کی خصوصیت پس اتنی ہی بیان کی گئی ہے، جتنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں بیان کر دی ہے: اِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَةٌ أُنزِلَتْ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَدُخِلَتْ فِيهَا رُوحٌ مِنْهُ وَاقْتَرِبَ مِنْهَا فَحَمَلَهَا“

کے صحف سابقہ اور تمام پیشین گوئیاں اس کے بالکل مطابق ہیں، جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی اور ان میں سے ایک سے دوسرے کی تصدیق ہوتی ہے، عیسائی باقی جن الفاظ سے حضرت مسیح کی الوہیت پر استدلال کرتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں، یہ تمام الفاظ و کلمات حضرت مسیح کے علاوہ دوسروں کے متعلق بھی آئے ہیں تو حضرت مسیح کو الوہیت کے ساتھ مخصوص کرنا بے اصل بات ہے، مثلاً ابن مسیح، روح القدس کا آپ میں حلول کر جانا یا آپ کو اللہ کے لفظ سے یاد کرنا، یا آپ کے اندر رب کا ظہور یا حلول کرنا، یا ساکن ہونا یا اس کی جگہ پر ساکن ہونا

یہ سب الفاظ دوسروں کے لئے بھی موجود ہیں، اور اس سے وہ ثابت نہیں ہوتے۔
 یہ سچی کبھی ان مقولات سے ہٹ کر قائم و صلوات اتحاد عقلی بحث کرتے ہیں اور اس کو ایک فلسفیانہ
 یا متصوفانہ بحث بنا دیتے ہیں، امام ابن تیمیہ نے اس پر فالص اور فلسفیانہ نقطہ نظر سے سیر حاصل بحث
 کی ہے، چونکہ یہ ان کا خاص موضوع ہے اور علم کلام و عقائد اور وحدۃ الوجود کے سلسلہ میں وہ اس پر بار بار
 بحث کر چکے ہیں، اس لئے وہ دل کھول کر اس پر بحث کرتے ہیں، اور ثابت کر دیتے ہیں کہ یہ بالکل خلاف
 عقل باتیں ہیں، اور ایک خود ساختہ فلسفہ ہے جس کا حقائق و مقولات سے کوئی تعلق نہیں۔

منافی عقل باتیں

جب عقلی حیثیت سے عیسائیوں پر گرفت کی جاتی ہے، اور ثابت کیا جاتا ہے کہ تثلیث کا عقیدہ
 بالکل خلاف عقل اور ناقابل فہم عقیدہ ہے، اور عام انسانی عقل اس کی تائید نہیں کرتی تو وہ پھر مقولات
 کی طرف پناہ لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کیا کیا جائے آسمانی کتابوں میں ایسی طرح سے آیا ہے، اور یہ امور و عقائد
 عقل و قیاس سے بالاتر حقیقتیں ہیں، جن میں ایمان و تقلید ہی سے کام لینا پڑتا ہے، اس کو عقلی حیثیت سے
 سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، امام ابن تیمیہ اول تو اسی بات سے انکار کرتے ہیں کہ یہ عقائد
 و تعلیمات آسمانی کتابوں میں آئی ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں ان کے خلاف تعلیمات ہیں، پھر
 وہ کہتے ہیں کہ دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک وہ جو عقلی حیثیت سے محال اور باطل ہے، اور سب جانتے ہیں
 کہ وہ چیزیں ناممکن ہیں، اور ایک وہ جس سے عقل قاصر ہے، وہ اس کی حقیقت کو پہچان نہیں سکتی، اور
 اس میں نفیاً و اثباتاً کوئی فیصلہ صادر نہیں کر سکتی، وہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور
 کلام میں صرف دوسری قسم پائی جاتی ہے، گویا ان کے کلام میں مخالف عقل چیزیں نہیں ہیں، اور اے عقل

چیزیں ہیں اور مخالف عقل اور نا اور ائے عقل میں بڑا فرق ہے، وہ لکھتے ہیں:-

لا یميزون بين ما يحيله العقل وينبطله
 ويعلم انه معتنع وبين ما يعجز عنه العقل
 فلا يعرفه ولا يعلم فيه تنفي ولا اثبات
 وان الرسل اخبرت بالنوع الثاني ولا
 يجوز ان تخبر بالنوع الاول فلم يفرقوا
 بين محالات العقول ومحارات العقول
 وقد ضاهوا في ذلك من قبلهم من
 المشركين الذين جعلوا لله ولداً و
 شريكاً

یہ عیسائی علماء ان چیزوں میں جن کو عقل محال بتلاتی
 ہے اور باطل ٹھہراتی ہے اور جن سے معلوم ہے کہ وہ
 معتنع ہیں اور ان چیزوں میں جن کے بارے میں عقل
 عاجز ہے، وہ اس کی حقیقت نہیں معلوم کر سکتی اور
 نفی و اثبات کا فیصلہ نہیں کر سکتی، کچھ فرق نہیں کرتے
 حالانکہ انبیاء نے صرف دوسری قسم کی اطلاع دی ہے
 پہلی قسم کی اطلاع ان کے کلام میں ممکن نہیں یہ تیسرا
 علم محالات ہیں اور ان مسائل و حقائق میں جن میں
 عقل سرگرداں و حیران رہتی ہے، تمیز نہیں کر سکے،
 انہوں نے اس بارہ میں مشرکین کا مقابلہ کیا ہے،
 جنہوں نے اللہ کے لیے بیٹا اور شریک ٹھہرایا۔

وہ بڑے شد و بد سے ثابت کرتے ہیں اور ان کی تمام کتابیں اس بیان سے بھری ہوئی ہیں کہ دین
 صحیح عقل صریح کے خلاف نہیں ہوتا، وہ کہتے ہیں اس مقام پر دو جماعتوں نے ٹھوکر کھائی ہے، بعض لوگوں نے
 معقولات میں ایسا غلو کیا کہ جو معقول نہیں تھا، اس کو بھی معقول بنا دیا، اور اس کو حیات اور انبیاء کے
 نصوص پر ترجیح دی، ایک گروہ نے یہ بے اعتدالی کی کہ صریح معقولات کو رد کر دیا، اور اپنے خیالی سمعیات
 اور حیات کو ان پر مقدم رکھا، یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ایک حق دوسرے حق کا مخالف اور کذب
 نہیں ہوتا، بلکہ ان میں سے ایک کی دوسرے سے تصدیق ہوتی ہے، بخلاف باطل کے کہ وہ مختلف

اور مناقض ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مخالفین انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْعُبُودِ ۝ اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ

مُخْتَلِفٍ ۝ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝

(الذاریات۔ ۹۱، ۹۲) جوازل سے گمراہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو چیز عقل ضریح سے ثابت ہو جائے اس کی مخالف نہ تو خبر صحیح ہوتی ہے نہ جس صحیح اور جو چیز نقل صحیح سے ثابت ہو جائے اس کی معارض نہ عقل ہوتی ہے نہ جس اسی طرح جو چیز جس صحیح سے معلوم ہو جائے اس کے مناقض نہ خبر ہوتی ہے نہ معقول ہے۔

اور یہی عیسائیت اور اسلام کا فرق ہے کہ اسلام میں عقل و نقل کی پوری مطابقت ہے اس میں حقائق غیبیہ ضرور ہیں جو اورائے عقل ہیں لیکن مخالف عقل نہیں بخلاف مسیحیت کے جس میں بہت سے مسائل اور عقائد مخالف عقل ہیں اور بہت سے مسیحی علماء بھی ان کو مخالف عقل مانتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ عقل کے بعد کی چیزیں ہیں اور ان کو آنکھ بند کر کے اننا ہی پڑے گا۔

توحید اور حضرت مسیح کی عبدیت کے قائل مسیحی علماء

اس کتاب میں امام ابن تیمیہ نے ایک بڑا مفید کام یہ کر دیا ہے کہ ان علماء سے مسیحیت اور پرتیویان مذاہب کے اقوال اور ان کا کلام نقل کر دیا ہے، جو توحید اور حضرت مسیح کی عبدیت کے قائل تھے، لیکن ان کو مختلف اسباب کی بنا پر مسیحی دنیا میں قبول عام حاصل نہ ہو سکا، اس سلسلہ میں انہوں نے فرق نصاریٰ کی تفصیل اور غالب مذہب کا تذکرہ اور اس کی تشریح کی ہے، جس سے ان کی گہری واقفیت، وسیع مطالعہ اور باریکی کا اظہار ہوتا ہے، اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک نو مسلم عالم حسن بن ایوب کا ایک طویل رسالہ نقل کر دیا ہے،

جس میں اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کے اسباب اور دین اسلام کی تشریح کے دلائل تفصیل سے نقل کئے ہیں یہ رسالہ گرانقدر معلومات پر مشتمل ہے۔

تورات و صحف سماویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں

اس سب سے فارغ ہو کر امام ابن تیمیہ نے وہ بشارتیں اور پیشین گوئیاں نقل کی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اطلاع اور بعثت کی خبر دی گئی ہے، ان بشارتوں اور پیشین گوئیوں کے تذکرے میں انہوں نے بڑے استقصاء اور استیعاب سے کام لیا ہے اور اشعیاہ نبی، حقوق، دانیال اور حضرت یسح کے کلام سے وہ تمام جملے اور عبارتیں نقل کر دی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں اس سلسلہ میں جتنا مواد اس کتاب میں آگیا ہے وہ مشکل سے کسی اور کتاب میں مل سکتا ہے، انہوں نے ان پیشین گوئیوں کی تشریح بھی کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر منطبق ہوتی ہیں۔

ان پیشین گوئیوں میں سے ایک پیشین گوئی انجیل یوحنا کی پیشین گوئی ہے کہ حضرت یسح نے فرمایا کہ ان آدھن العالمیاتی ویسی لی شیء (آدھن کے معنی عبرانی میں عظیم الشان اور جلیل القدر کے ہیں اور عظماء و اکابر کو آراکنہ کہتے ہیں) امام ابن تیمیہ یہ ثابت کرتے ہوئے کہ اس پیشین گوئی کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لکھتے ہیں۔

تمام اہل زمین کا اس پر اتفاق ہے اور یہ بات بالکل بدیہی اور یقینی ہے کہ حضرت یسح کے بعد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایسی تھی جن کی باطنی اور ظاہری سیادت تمام عالم پر قائم ہوئی، قلوب اور اجسام ان کے فرمانبردار تھے اور اپنی زندگی اور اپنی وفات کے بعد تمام زمانوں میں اور شرق و مغرب کے تمام اقوام و ممالک میں آپ کی ظاہر اور باطنی اطاعت کی گئی، بادشاہوں کی صرف ظاہری

طور پر اطاعت کی جاتی ہے اور موت کے بعد کوئی ان کی فرمانبرداری نہیں کرتا، اور اہل مذہب کے ان کی ایسی اطاعت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا جس سے کہ ان کو آخرت میں اجر کی امید اور سزا کا خوف ہو لیکن انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی یہی شان ہوتی ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقین کے دین کو ظاہر کیا، ان کی تصدیق فرمائی ان کے نام کا چرچا کیا، اور ان کا مرتبہ بلند کیا، آپ ہی کی بدولت وہ بڑی قومیں حضرت موسیٰ اور مسیح وغیرہ انبیاء اور مرسلین پر ایمان لائیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ان پر ایمان نہ لائیں اہل کتاب ان میں سے جن کے نام سے آشنا بھی تھے ان کے بارے میں بھی ان کا اختلاف تھا، وہ حضرت داؤد سلیمان وغیرہ پر اعتراض کرتے تھے اور ان پر طعن کرتے تھے ان کے علاوہ اور بہت سے پیغمبر مثلاً ہود، صالح، شعیب وغیرہ ہیں جن کو جانتے بھی نہ تھے؟

معجزات و دلائل نبوت

اس سے فارغ ہونے کے بعد امام ابن تیمیہ نے معجزات نبوی (جن کے متعلق ان کو اصرار ہے کہ آیات کا لفظ اصل قرآنی اصطلاح اور زیادہ صحیح تعبیر ہے) کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اپنی عادت کے موافق اس سلسلہ میں اتنا مواد جمع کر دیا ہے جو آسانی کے ساتھ ایک جگہ نہیں مل سکتا، اس سلسلہ میں معجزات کی تعریف ان کے ثبوت کا طریقہ اور بہت سے اصولی اور کلامی مباحث اور لطیف نکتے آگئے ہیں۔

ان معجزات و آیات کے بارے میں امام ابن تیمیہ نے صرف ان ہی مشہور و معروف معجزات پر اکتفا نہیں کیا ہے جو عام طور پر سیرت و کلام کی کتابوں میں ذکر ہوتے چلے آ رہے ہیں، بلکہ آیات و دلائل نبوت کے دائرہ کو اتنا وسیع کیا ہے کہ اس میں آپ کی پوری سیرت و شمائل کو شامل کر لیا ہے جو نبوت کی سب سے بڑی دلیل اور

اہل انصاف اور اہل نظر کے لئے نبوتِ محمدی پر سب سے بڑی حجت اور برہان ہے، گویا وہ مولانا روم سے اس بارے میں اتفاق کرتے ہیں۔

دردِ ہر کس کہ دانشِ رامزہ است

روئے و آوازِ پیمبرِ معجزہ است

اس سلسلہ میں انہوں نے سیرت و شمائلِ نبوی کا بہت اچھا خلاصہ پیش کر دیا ہے، وہ اس دائرہ

میں اور وسعت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:-

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، آپ کے اخلاق اور اقوال و افعال بھی آپ کا معجزہ ہیں، آپ کی

شریعت بھی آپ کا ایک مستقل معجزہ ہے، اور آپ کی امت اور آپ کی امت کا علم اور ان کی دینداری اور

زندگی بھی آپ کا ایک معجزہ ہے، اور آپ کی امت کے صالحین کی کرامات بھی آپ کا ایک معجزہ ہے۔

اسلامی انقلاب اور امتِ محمدی مستقل معجزہ ہے

پھر حیاتِ طیبہ کا ایک خلاصہ پیش کرنے کے بعد جس کو پڑھ کر یہ اذعان پیدا ہو جائے کہ آپ

پیغمبرِ صادق مؤیدین اللہ اور رسولِ برحق تھے، لکھتے ہیں:-

• اسلام کی دعوت تمام سرزمینِ عرب پر چھا گئی وہ اس سے پیشتر بتوں کی پرستش کا ہنوں کی اطلاعات

خالق کے انکار اور مخلوق کی اطاعت، خونریزی اور قطع رحمی سے معمور تھی، نہ کسی کو آخرت کا علم تھا نہ زندگی

بعد موت کا ہوش، یہ جاہل و کندہ ناتراش آپ کی تعلیم کے فیض سے روئے زمین کے سب سے بڑے عالم ہیں

بڑے دیندار سب سے بڑے عابد اور سب سے بڑے فاضل بن گئے، عیسائیوں نے ان صحابہ کرام کو جب شام میں

دیکھا تو انہوں نے کہا کہ سچی بات یہ ہے کہ مسیح کے ہماری ان لوگوں سے افضل نہ تھے، یہ ان کے علم اور عمل کی

یاد گاریں ہیں، جو تمام دنیا میں روشن و درخشاں ہیں، ان کے مقابلہ میں دوسری قوموں کی یاد گاریں، اور آثار دیکھو، اہل عقل کو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے!

آپ کی امت ہر فضیلت میں تمام امتوں سے زیادہ مکمل ہے، اگر تمام دنیا کی قوموں کے علم کا ان کے علم سے مقابلہ کیا جائے تو ان کے علم کی برتری ثابت ہوگی، اگر ان کے دین و عبادت اور طاعتِ الہی کو ان کے دین و عبادت و طاعتِ الہی کے مقابلہ میں لایا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے زیادہ دیندار ہیں، اگر شجاعت و جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کے راستہ میں صبر علی المکارہ اور جفاکشی کو دیکھا جائے تو ان کا پتہ بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے، اگر سخاوت و انفاق اور فراخ دلی اور بلند جوصلگی کو دیکھا جائے تو ان ہی میں زیادہ سخاوت و کرم نظر آتا ہے، یہ تمام فضائل و مکارم اخلاق ان مسلمانوں کو آپ ہی سے حاصل ہوئے اور آپ ہی کی ذات سے انہوں نے انہد کئے اور آپ ہی نے ان کو ان کا حکم دیا، آپ کی بعثت و نبوت پہلے وہی کتاب کے پیروں تھے، جس کی آپ نے تکمیل فرمائی ہوتی جیسے کہ حضرت مسیح تو رات کی شریعت کی تکمیل کے لئے تشریح لائے تو حضرت مسیح کے پیروؤں کے فضائل و علوم کچھ تو رات سے ماخوذ تھے، کچھ زبور سے، کچھ اور تعلیماتِ انبیاء سے اور کچھ حضرت مسیح سے اور کچھ حصہ حواریوں کے بعد بعض دوسری تعلیموں اور فلاسفہ وغیرہ کے کلام سے ماخوذ ہیں، لیکن امتِ محمدی میں آپ سے پہلے نہ کسی کتاب کا وجود تھا، اور نہ کسی نبی کی تعلیم تھی، بلکہ ان میں سے اکثر تو موسیٰ علیہ السلام اور داؤد اور تورا اور زبور پر بھی آپ ہی کے ذریعہ سے ایمان لائے آپ ہی نے ان کو تمام انبیاء پر ایمان لانے اور تمام کتبِ منزلہ کے اقرار کا حکم دیا، اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق کرنے کی ممانعت کی!

شریعتِ محمدی کا اعجاز

شریعتِ محمدی کی کاملیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

آپ کی شریعت مکمل ترین شریعت ہے، کوئی ایسی معقول اور بھلی بات نہیں جو عقلی طور پر معقول و مستحسن ہو اور آپ نے حکم نہ دیا ہو اور کوئی ایسی نامناسب اور بیجا بات نہیں جس کو عقل نامناسب اور بیجا سمجھتی ہو اور آپ نے اس سے نہ روکا ہو، آپ نے کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا جس کے متعلق آج یہ کہنے کا موقع ہو کہ کاش آپ اس کا حکم نہ دیتے اور نہ کسی ایسی چیز کی ممانعت کی کہ آج یہ کہا جاسکے کہ کاش آپ اس کی ممانعت نہ کرتے، آپ نے تمام پاکیزہ صحت تھری چیزوں کو حلال کیا اور ان میں سے کسی چیز کو حرام نہیں کیا، جیسا کہ بعض شریعتوں میں حرام کیا گیا تھا، اور تمام ناپاک اور گندی چیزوں کو حرام کیا، ان میں سے کسی چیز کو حلال نہیں کیا جیسے کہ بعض شریعتوں میں حلال ہوئیں، دنیا کی تمام قوموں کے پاس جتنی خوبیاں اور محاسن ہیں، اس شریعت میں وہ سب جمع ہیں، تورات و انجیل و زبور میں اور اس کے فرشتوں اور لیم آخرت کے متعلق جو اطلاعات ہیں، وہ مکمل ترین طریقہ پر قرآن میں اور آپ کی شریعت میں آگئی ہیں، اور کچھ ایسی چیزوں کی بھی اطلاع دی گئی ہے، جن کا ان کتابوں میں تذکرہ نہیں، ان کتابوں میں عدل کی ضرورت، صحیح فیصلہ، فضائل کی دعوت اور حسنات کی پوچھ کرغیب آئی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور اس پر اضافہ کیا، اگر کوئی عقل مند ان عبادات کے بارے میں غور کرے گا، جو اسلام میں شروع ہیں، اور دوسری قوموں کی عبادتوں پر بھی غور کرے گا، تو اسلامی عبادات کی برتری اور فوقیت ظاہر ہوگی، یہی حال تمام حدود و احکام اور شریعت کے مسائل و قوانین کا ہے۔

اس سلسلہ میں انہوں نے عبادات کا مقصود اور اس کے بارے میں مختلف گروہوں کے مذاہب اور نقطہ نظر کا ذکر کرنے کے بعد اسلامی عبادات کے مقاصد و اسرار اور فوائد و آثار پر پوری حکیمانہ بحث کی ہے، پھر ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدق و عدل کا نمونہ، کامل تھے اور آپ کے خلفائے راشدین

اور صحابہ کرام نے اپنی زندگی اور حکومت و خلافت اور معاملہ و سیاست میں اس صدق و عدل کا اظہار کیا اور ایسے زہد و ورع کی زندگی گزاری جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

نبوتِ محمدیؐ کا اقرار ہر مقرر نبوت کے لئے ضروری ہے

امام ابن تیمیہ بڑے واضح اور مدلل طریقہ پر ثابت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نبوت کے مفہوم سے آشنا نبوت کا قائل اور کسی ایک نبی کا بھی کلمہ گو ہے اس کے لئے نبوتِ محمدیؐ کا انکار ممکن نہیں، اس لئے کہ دوسرے انبیاء کی نبوت کے جو بھی دلائل اور ثبوت پیش کئے جاسکتے ہیں انہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے اگر کوئی کہے کہ ان انبیاء کی نبوت معجزات سے ثابت ہوتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کہیں زیادہ عظیم اور ایسے تو اتر سے ثابت ہیں جس تو اتر سے کسی نبی کا معجزہ ثابت نہیں، اسی طرح آپ کی لائی ہوئی کتاب دوسرے صحیفوں سے زیادہ مکمل آپ کی امت دوسرے پیغمبروں کی امتوں سے زیادہ بہتر و برتر آپ کے دین کے احکام و قوانین فائق و اعلیٰ ہیں درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تکذیب سے تمام نبوتوں کی تکذیب لازم آتی ہے اور کسی ایک کا ثابت ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ دوسرے انبیاء کی نبوت کے ثبوت پر اصرار کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی فن کے علماء کی عظمت و امامت کا اقرار کیا جائے اور اس فن کے اتاذ الائمہ اور امام الائمہ کا انکار کیا جائے، وہ اس کی متعدد دھچپ مثالیں دیتے ہیں، فرماتے ہیں:-

یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے زفر بن القاسم، مزنی اور اترم تو بڑے فقیہ تھے، لیکن ابوحنیفہ، شافعی اور مالک فقیہ نہیں تھے، یا کوئی شخص کہے کہ انخسث ابن الانباری اور مبرد تو ضرور نحوی تھے، لیکن خلیل، سیبویہ اور فراتو نحوی نہیں تھے، یا کہے کہ ملکی اور سبکی وغیرہ طب کے مصنفین تو بیشک اطباء تھے، لیکن

بقرا و جالینوس وغیرہ طبیب نہیں تھے، یا کہے کہ کوشیار اور خلفی تو علم ہیئت سے واقف تھے، لیکن
 بطلمیوس وغیرہ کو ہیئت کا کوئی علم نہیں تھا، یا کوئی کہے کہ داؤد و سلیمان و یحییٰ و عاقوص اور دانیال تو
 ضرور پیغمبر تھے اور محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں تھے اس شخص کا تناقض اور اس کے
 قول کی نامعقولیت اوپر کے تمام اقوال سے زیادہ روشن ہے، بلکہ جو شخص یہ کہے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام
 تو بیشک اللہ کے رسول اور تورات و انجیل تو ضرور آسمانی کتابیں تھیں، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے
 رسول نہیں، اور قرآن آسمانی کتاب نہیں، جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور آیت
 سے پہلے آئے ہوئے ادیان و صحف پر غور کرے گا، اور اس کو نبوتِ محمدی کے دلائل و آیات اور
 انبیاء سابقین کی نبوت کے دلائل و آیات اور شرعِ محمدی اور شرائع سابقہ پر غور کرنے کا
 موقع ملا ہوگا وہ اس قول کو بالکل باطل اور مہمل سمجھے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ

آخر میں مسیحیوں کے اس دعویٰ کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس کو امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب
 میں سب سے پہلے جگہ دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب یا اہلیت کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور
 انہی لوگوں سے ایمان کا مطالبہ تھا، اور مسیحی آپ پر ایمان لانے کے لئے مجبور نہیں ہیں اور اگر وہ ایمان نہ لائیں تو
 ان سے کسی طرح کا مواخذہ نہیں ہوگا، یہ عقیدہ اس زمانہ کے عرب عیسائیوں اور مسیحی علماء میں بھی پایا جاتا ہے
 خود ہمارے ملک ہندوستان میں بھی کچھ دنوں سے بعض حلقوں میں یہ خیال ظاہر کیا جانے لگا ہے کہ ادیان
 سابقہ کی مکمل پیروی نجات کے لئے کافی ہے، نبوتِ محمدی پر ایمان لانا ایک مکمل و صادق مسیحی یا یہودی
 یا غیر مسلم کے لئے ضروری نہیں، چونکہ یہ عقیدہ اسلام کی دعوتِ عامہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بعثت عامہ پر ایک بہت بڑی ضرب ہے اور اس سے تبلیغ و دعوتِ اسلام کا دروازہ بند ہوتا ہے اور وہ ساری جدوجہد بے معنی اور عبث ٹھہرتی ہے جو اسلام کی دعوت و اشاعت میں کی گئی، اس لئے امام ابن تیمیہ نے اس عقیدہ کی تردید میں اپنا پورا زور قلم صرف کیا یہ بحث کتاب کے پہلے حصہ کے صفحہ ۲۸ سے صفحہ ۳۳ تک پھیلی ہوئی ہے اور اس موضوع پر علمی اور استدلالی حیثیت سے سب سے مکمل اور وسیع بحث ہے جو ایک منکلم اور عالم کے قلم سے نکلی ہے انھوں نے اس سلسلہ میں وہ تمام آیات و نصوص قرآنی اور احادیث صحیحہ جمع کر دی ہیں جن کو دیکھنے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اس شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آپ کی بعثت صرف عرب کی طرف تھی یا آپ کی نبوت کے اقرار کے بغیر نجات ہو سکتی ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

• آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس

عامۃ" (پہلے پیغمبر اپنی قوم کی طرف مخصوص بھیجے جاتے تھے اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوا

ہوں) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں، جس کی آسمانوں اور زمین پر

سلطنت ہے) نیز ارشاد ہے: "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا" (میں نے نہیں بھیجا

آپ کو مگر تمام ہی انسانوں کے لئے بشر و نذیر بنا کر) قرآن مجید کی جن آیتوں میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ

مشرکین اور بت پرستوں اور تمام انسانوں اور جنات کو دعوت دی گئی ہے ان کا بڑی مشکل و تکلف

ہی سے شمار ہو سکتا ہے، یہ ایک بدیہی اور لقیہی مسئلہ اور اسلامی عقیدہ ہے، یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے

خود عربوں کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے مبعوث ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے، یہ آپ کی دعوت و تبلیغ کے

واقعات یہ آپ کے سفراء اور داعیانِ اسلام کے حالات ہیں، یہ یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے علاوہ

مشرکین کے) جہاد کے تذکرے میں اور یہ آپ کی سیرت ہمارے سامنے ہے، پھر وہ کتاب مقدس جو تو اتر

سے آپ سے ہم تک پہنچی ہے اس میں جا بجا اہل کتاب کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے!

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”ان دلائل سے کئی گنا دلائل ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ آپ نے خود اس بات کی اطلاع دی کہ آپ نصاریٰ اور دوسرے اہل کتاب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے، اور یہ کہ آپ نے ان کو دعوت دی، ان سے جہاد کیا، اور ان کو دعوت دینے اور ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا، اور یہ کوئی ایسا فعل نہیں جو آپ کی امت نے آپ کے بعد اپنی طرف سے کیا ہو، اور اس کی کوئی سند نہ ہو جیسے کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح کے بعد ہیبت نئے کام کئے، اس لئے کہ مسلمان کسی کے لئے بھی اس کو جائز نہیں قرار دیتے کہ وہ آپ کے بعد آپ کی شریعت میں تغیر کرے اور کسی حرام فعل کو حلال اور کسی حلال کو حرام بنائے، ان کے نزدیک امت میں کسی کو کسی غیر واجب اور کسی واجب کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں، ان کے نزدیک حلال وہی ہے جس کو اللہ و رسول نے حلال کیا، اور حرام وہی ہے جس کو اللہ و رسول نے حرام کیا، اور دین وہی ہے جس کو اللہ و رسول نے مشروع کیا۔“

رد شیعیت

یوں تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات میں شیعیت کا جابجا رد کیا ہے اور سنت و عقائد اہل سنت و خلفائے راشدین و صحابہ کرام کی طرف سے پر زور مدافعت کی ہے لیکن رد شیعیت میں ان کی ایک ہی مستقل اور منفرد تصنیف ”منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ“ ہے اس تصنیف کی تحریک تقریباً بیسویں کہ ان کے ایک معاصر شیعہ عالم ابن المظہر اکللی نے اپنے ولی نعمت اور مخدوم تاتاری بادشاہ اولیجا خدا بندہ خاں کے لئے جس نے عالم نڈلورہی کی تبلیغ و تحریک سے مذہب شیعہ اختیار کیا تھا، ایک ضخیم کتاب اثبات شیعیت و امامت و رد شیعیت و خلافت میں ”منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامہ“ کے نام سے لکھی

یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ شام پہنچی اور شیخ الاسلام کے مطالعہ میں بھی آئی شیعوں کو اس کتاب پر بڑا ناز تھا وہ اس کو ناقابل تردید اور لا جواب تصنیف سمجھتے تھے، اس کتاب کا بڑا حصہ حضرت علی کرم الشرحہ اور اہل بیت کی امامت و عصمت کے ثبوت اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کی تردید اور ان کے اور صحابہ کرام کے مطاعن پر مشتمل تھی، سیدنا علیؑ اور ائمہ اثنا عشر کے فضائل اور ان کی امامت و عصمت کو آیات و نصوص قرآنی اور احادیث و روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی، اسی طرح سے خلفائے ثلاثہ و صحابہ کرام کے مطاعن کو آیات و احادیث اور تاریخ و سیر سے ثابت کیا گیا تھا، اور مصنف نے اپنی ذہانت و قوت استدلال اور علمی تبحر کا پورا ثبوت دینے کی کوشش کی تھی اور اپنے نزدیک اہل سنت پر تمام حجت کیا تھا، مصنف چونکہ عام متاخرین شیعہ کی طرح اصول و عقائد میں معتزلی العقیدہ ہے، اس لئے ذات و صفات اور اہل سنت کے اصول و عقائد پر بھی مشکمانہ اور فلسفیانہ بحث کی ہے، اہل سنت نے امام ابن تیمیہ سے اس کتاب کا جواب لکھنے کے لئے شدید اصرار کیا، چونکہ اس کتاب میں علم کلام، عقائد، فلسفہ، تفسیر، حدیث، تاریخ، اور آثار کے بکثرت مباحث آگئے تھے، اس لئے اس کتاب کا جواب دینے کے لئے وہی شخص موزوں تھا، جو ان تمام علوم و مضامین پر نہایت وسیع اور گہری نظر رکھتا ہو، اور ان علوم کا صاحب نظر ہو، ہری و نقاد ہو، اور چونکہ بدقسمتی سے شیعہ مصنفین احادیث کے وضع کرنے میں اور ان کا غلط حوالہ دینے میں نہایت مشاق اور جری واقع ہوئے ہیں، ان حدیث نے اتنی وسعت اختیار کر لی تھی، اور اس کے اتنے مجموعے اور دفاتر تیار ہو گئے تھے، کہ ان سب میں ان احادیث و روایات کی چھان بین کرنا اور جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کے اصول پر ان کو جانچنا نہایت دشوار کام تھا، اس لئے یہ خدمت وہی شخص انجام دے سکتا تھا، جس کو حدیث و رجال کے ذخیرہ پر پورا عبور ہو، اور حدیث کے کتب خانہ کا ایک ایک ورق اس کے سامنے ہو، اور کسی روایت کی راوی اور کسی حوالہ کے بارے میں اس کو دھوکا نہ دیا جاسکے، اسی کے ساتھ تاریخ اسلام پر بھی اس کی ایسی نظر ہو، کہ وہ ایک نظر میں مصنف کی تاریخی غلطی پکڑ لے اور کوئی غلط بیانی یا فرضی روایت اس کے سامنے چلانے کے

یہ بات مسلم ہے کہ کسی تاریخی شخصیت پر اعتراض کرنا اور اس میں عیب نکالنا تاریخ کے وسیع ذخیرہ میں سے آسان ہے لیکن صفائی پیش کرنا اور مدافعت کرنا مشکل ہے اور مطاعن صحابہ اہل تشیع کا پسندیدہ موضوع اور ان کی جولانی طبع کا خاص میدان ہے، علم دین کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ اس کتاب کے زائد تصنیف ہی میں ایک ایسے عالم اہل سنت نے اس کے جواب کی طرف توجہ کی جو اپنے زمانہ کا امیر المؤمنین فی الحدیث تھا جس کی آنکھوں کے سامنے حدیث و رجال کا پورا کتب خانہ کھلا ہوا تھا اور اس کے متعلق اہل نظر کا مقولہ ہے کہ جس حدیث کو امام ابن تیمیہ کہہ دیں کہ میں نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں انہوں نے مطاعن صحابہ کے باب میں امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا اور وہ کام کر دیا جو ان کے زمانہ کے بعد کسی دوسرے عالم کے لئے بہت مشکل تھا اس باب میں ان کے بعد کے تمام علماء ان ہی کے خوشہ چیں رہیں گے۔ ابن المطہر الحلی کی کتاب منہاج الکرامۃ کے جواب میں انہوں نے منہاج السنۃ کے نام سے جو کتاب لکھی وہ ان کی تمام تصانیف میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے، ابن تیمیہ کے علمی تجربہ و وسعت نظر حاضر داعی حفظ و استحضار و تحقیق اور اتقان اور ذہانت و طباعی کا اگر صحیح نمونہ دیکھنا ہو تو اس کتاب کو دیکھنا چاہئے، مصنف منہاج الکرامۃ کی عبارت نقل کرنے کے بعد جہان کے علم و حمیت دینی کو جوش آتا ہے اور ان کے علم کے عند میں طوفان اٹھتا ہے اور تفسیر و حدیث تاریخ و سیر کے معلومات کا لشکر امداد بنا ہے تو بے اختیار ان کے فریق مقابل سے کہنے کو جی چاہتا ہے کہ یَا نَبَا النَّعْلِ ادْخُلُوا مَنَاکِنْکُمْ لَا یَحِطُّ بِکُمْ سِوَنَا وَجُودًا وَهُمْ لَا یَشْعُرُونَ

کتاب کا محرک اور اندرونی باعث

امام ابن تیمیہ کے لئے اس کتاب (منہاج السنۃ) کی تصنیف کا اصل محرک اور اندرونی باعث

لہ یہ کتاب بڑے سائز کی چار جلدوں میں ہے کتاب کے مجموعی صفحات ۱۲۱۲ ہیں ۱۳۲۲ میں شیخ مصطفیٰ ابراہیمی کے اہتمام

میں مطبوعہ امیر بیصر میں شائع ہوئی، علامہ ذہبی نے اس کا خلاصہ المنقذی کے نام سے کیا تھا، حال میں وہ شیخ محمد نصیب

کی توجہ اور عالی ہمتی سے اور استاد محب الدین الخطیب کے اہتمام سے مصر میں شائع ہوا ہے۔ ۱۸۰۰

یہ ہے کہ مصنف "منہاج الکرامہ" نے خلفائے راشدین اور سابقین اولین پر جو امام ابن تیمیہ اور اہل سنت کے عقیدہ میں انبیاء کرام کے بعد افضل خلایق اور صالح ترین افراد انسانی ہیں، عامیانا اور سوتیانہ طریقہ پر زبان طعن درازی اور ان کو شرار خلق اور اذیل مخلوقات ثابت کیا، اور یہ بات ان کے نزدیک اسلام کی بنیادوں پر تیشہ چلانے اور نبوت محمدی پر اعتراض و طعن اور الحاد و زندقہ کا دروازہ کھولنے کے مراد ہے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"اگر اس سنگر سے بڑھنے والے شخص نے ان لوگوں پر دست درازی نہ کی ہوتی جو سرخیل اولیاء اللہ اہل زمین کے سردار و پیشوا اور انبیاء کرام کے بعد اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں اور دست درازی بھی ایسی جو دین میں رختہ ڈالتی ہے اور کفار و منافقین کو دلیل اور حجت فراہم کرتی ہے اور بہت سے اہل ایمان کے دلوں میں ضعف و شبہ پیدا کرتی ہے تو ہمیں اس شخص کی تنقید و تردید کی اور اس کی قلعی کھولنے کی ضرورت پیش نہ آتی، اللہ تعالیٰ اس شخص سے اور اس کے ہم عقیدہ لوگوں سے انصاف کرے۔"

شیعوں کے نزدیک خیر الامم سے یہود و نصاریٰ بہتر ہیں

ایک دوسری جگہ شیعوں کے مطاعن اور صحابہ کرام کی تنقیص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"امت محمدی خیر الامم ہے اور اس امت محمدی میں سب سے بہتر قرن اول کے لوگ تھے، قرن اول کے لوگ علم نافع اور عمل صالح میں سب سے اعلیٰ تھے، لیکن ان افترا پردازوں نے اس کے خلاف نقشہ کھینچا ہے، ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ ان کو حق کا علم تھا، اور نہ وہ حق کی پیروی کرتے تھے، بلکہ ان میں سے اکثر حق کی جان بوجھ کر مخالفت کرتے تھے، جیسے کہ ان کا علقاؤ ثلاثہ اور جمہور صحابہ امت کے متعلق بیان ہے اور ان کے نزدیک ان میں سے بہت سے حق سے آشنا نہیں تھے، بلکہ انہوں نے ظالموں کی تقلید کی، اس لئے کہ ان کو غور و فکر حاصل نہیں تھا، جو علم تک پہنچا سکے اور جس نے غور و فکر سے کام

نہیں لیا، اس نے خواہش نفسانی یا دنیا طلبی میں کیا ہوگا، یا اپنے قصور اور ادراک میں کمی کی وجہ سے ان کا دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام میں سے بعض استحقاقاً اپنے لئے خلافت کے طالب تھے، اس سبب یہ لازم آتا ہے کہ امت اپنے نبی کے بعد ساری کی ساری گمراہ تھی اس میں سے کوئی ہدایت کے راستہ پر نہیں تھا، اسی طرح یہود و نصاریٰ (یہودیت و مسیحیت کے نسخ و تبدیل کے بعد) ان مسلمانوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں، اس لئے کہ قرآن شریف میں آتا ہے "وَمِنْ قَوْمٍ مُّوسَىٰ أَمَّتْ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِالْحَقِّ وَوَعَدْنَا لَهُمُ الْوَجْدَ" (اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ہے جو حق کی راہ بتاتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے کہ یہود و نصاریٰ میں شر سے زائد فرقہ ہو جائیں گے ان میں سے ایک نجات پانے والا ہوگا، لیکن اگر ان شیعوں کی بات مان لی جائے تو ان مسلمانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک گروہ بھی ایسا ثابت نہیں ہوتا، جو حق پر قائم ہو، اور انصاف کا علمبردار ہو، اور جب ان کے بہترین دور میں بھی ایسا نہیں تھا تو اس کے بعد تو اور بھی میدان صاف ہوگا، اس لئے یہ لازم آتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نسخ و تبدیل کے بعد بھی اس امت سے بہتر ہیں، جن کی تعریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"

شیعوں نے خیار امت کو شرار امت بنا دیا

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

"ان شیعوں نے ان خیار امت کو جو انبیاء و مرسلین کے بعد اولین و آخرین میں سب سے اعلیٰ و افضل تھے اور جن کی شان میں "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" آیا ہے شرار الناس ثابت کیا، اور ان پر بڑے بڑے قبائح کا الزام لگایا، اور ان کے حسانت کو بھی سیئات بنا دیا، اور اس کے بالمقابل اسلام

کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں میں جو اہل اہواء تھے اور جن سے بڑھ کر جاہل کاذب، ظالم، کفر و فسق و معاصی سے قریب اور حقائق ایمانی سے دور کوئی نہیں، ان کو انھوں نے برگزیدہ ترین خلائق ثابت کیا اور اس طرح ساری امت کی تکفیر کی، یا اس کو گمراہ ثابت کیا، سوائے اپنی چھوٹی سی ٹولی کے جس کے متعلق ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہی بربر حق ہے۔

ایک مثال

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بھیڑ بکریوں کے ایک بڑے ریوڑ میں جائے، اس سے کہا جائے کہ اس ریوڑ میں سب سے اچھی بھیڑ بکری چھانٹ دو، تاکہ ہم اس کی قربانی کریں، وہ ان میں سے ایک کالی، گلابی، لائچ، مرلی، بکری چھانٹ دے، جس میں نہ گوشت نہ گودا، اور کہے یہ اس ریوڑ کی سب سے اچھی بکری ہے، اور قربانی اسی کی جائز ہے، باقی جتنی بھیڑ بکریاں ہیں، یہ سب بھیڑ بکریاں نہیں ہیں، بلکہ سوت ہیں، ان کا قتل واجب اور قربانی ناجائز ہے۔

امام شعبی کا قول

وہ امام شعبی کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ روافض کے مقابلہ میں اپنے پیغمبر کے زیادہ مرتبہ شاس اور قدرداں ہیں، یہودیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر کون لوگ ہیں، انھوں نے کہا حضرت موسیٰ کے ساتھی اور ان کے اصحاب، عیسائیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر کون ہے، انھوں نے کہا حضرت عیسیٰ کے سوا اور روافض سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر کون ہے، انھوں نے کہا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان نیک بختوں کو حکم دیا گیا تھا، صحابہ کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کا انھوں نے ان کو سب و شتم کیا۔

سابقین اولین سے عداوت کفار سے محبت

”روافض کی ہمیشہ سے عداوت ہے کہ جماعت مسلمین کو چھوڑ کر ہمیشہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا ساتھ دیتے ہیں اور انہی کی دوستی کا دم بھرتے ہیں ان لوگوں سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو ہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین سے عداوت رکھیں اور منافقین و کفار سے دوستی کریں!“

پھر وہ شیعوں کے کفار کا ساتھ دینے اور ان کی مدد کرنے کے واقعات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”ان میں سے اکثر تیرہ دل سے کفار سے دوستی رکھتے ہیں، مسلمانوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ چنانچہ جب تاتاری مشرق کی طرف سے آئے اور انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا، اور خراسان، عراق و شام اور جزیرہ میں ان کے خون کے دریا بہائے تو یہ روافض مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے حامی و مددگار تھے اسی طرح جو شیوہ شام و حلب وغیرہ میں تھے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمنان اسلام کے بہت زیادہ مدد کرنے والے تھے، اسی طرح سے جب عیسائیوں نے شام میں مسلمانوں سے جنگ کی تو روافض ان کی کمک پر تھے اسی طرح اگر یہودیوں کی عراق میں یا کہیں اور حکومت قائم ہو جائے تو یہ روافض ان کے سب سے بڑے مددگار ثابت ہوں گے تو وہ ہمیشہ کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ کی مدد کے لئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار رہتے ہیں!“

تعصب و بے انصافی

ایک جگہ ابن المظہر اکتلی نے خواجہ نصیر الدین طوسی کا ذکر کرتے ہوئے بڑی تعظیم و تقدیس سے ان کا نام لیا ہے اور شیخ الامام الاعظم خواجہ نصیر الملہ و اکتلی والدین محمد بن احسن الطوسی قدس الشریحہ کے الفاظ

۱۰ حصہ دوم صفحہ ۱۰۰ حصہ دوم صفحہ ۱۰۰ نہاج السنۃ ج ۲ ص ۹۹

لکھے ہیں اس پر ابن تیمیہ کی حمیت ایمانی کو جوش آ گیا ہے، وہ خواجہ نصیر الدین طوسی کے فضائح اور خلیفہ عباسی اور بغداد کے قتل عام کے کارنامہ، اور ان کے ملحدانہ عقائد و خیالات کا ذکر کرتے ہوئے بڑے تعجب سے لکھتے ہیں:-

”حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ مصنف ابو بکر بن عمر بن عثمان اور سابقین اولیں اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین اور اہل علم و دین کی شان میں گستاخی کرتا ہے اور ان کی طرف بڑے بڑے قبائح کا انتساب کرتا ہے اور ان کا بدھٹے منہ نام نہیں لیتا، اور جس شخص کی اسلام دشمنی عالم آشکارا ہے اس کو شیخنا الاعظم اور قدس الشریعہ لکھتا ہے، حالانکہ خود یہ ان عقائد پر کفر کا فتویٰ دے چکا ہے جن کا یہ شخص (نصیر الدین طوسی) اور اس کے پیرو قائل ہیں، حقیقت میں یہ بے انصاف اس آیت قرآنی کا مصداق ہے۔

الْمُرَائِي الَّذِينَ أُولُوا الصِّبْيَانِ الْكُفْرُ
يُؤْمِنُونَ بِالْحَبِيبِ وَالطَّاعُونَ وَيَقُولُونَ
لِلَّذِينَ كَفَرُوا هُوَ لَا يَهْدِي مِنَ الَّذِينَ
آمَنُوا سَبِيلًا أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا
عَنْ اللَّهِ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ يَمْدُدَ
تَصِيرًا (النساء - ۵۲، ۵۱)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ
حصہ یاد کیا، وہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور
کافروں کے لئے یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے
زیادہ راہِ راست پر ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر
اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جس پر اللہ لعنت
کرے تو اس کا کوئی مددگار نہیں۔

شیعوں کی بوالعجبیاں

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ شیعوں کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ وہ انبیاء سے نسبتی تعلق رکھنے والے (اصول و فروع) یعنی ان کے والدین اور ان کی اولاد کی تو بڑی تنظیم کرتے ہیں لیکن ان کی شریک زندگی اور رفیقہ حیات بیویوں کی شان میں گستاخی اور طعن و تشنیع کرتے ہیں، یہ سب تعصب و خواہش نفسانی کا کرتب ہے، چنانچہ حضرت فاطمہ

اور حضرت حسن و حسینؑ کی تو تعظیم کرتے ہیں اور حضرت عائشہ ام المومنینؓ کی توہین اور ان پر اعتراض کرتے ہیں ایک دوسری بوجہ یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر کی تعظیم میں تو بڑا غلو اور مبالغہ کرتے ہیں اور ان کے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان میں بے ادبی امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

مروان بن محمد بن ابی بکر کی تعظیم میں بڑے غلو سے کام لیتے ہیں اور یہ ان کی قدیم عادت ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش میں حصہ لیا تھا ان کی مدح کرتے ہیں اسی طرح سے جنہوں نے حضرت علیؓ کی معیت میں جنگ کی تھی ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں یہاں تک کہ محمد بن ابی بکرؓ کو ان کے والد حضرت ابو بکرؓ پر فضیلت دیتے ہیں طرفہ تاشا یہ ہے کہ جو شخص پوری امت میں نبی کے بعد سب سے افضل ہے اس پر تو لعنت کرتے ہیں اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے نہ سبقت نہ فضیلت اس کی مدح کرتے ہیں اور انساب کی تنظیم میں ان سے عجیب قسم کا تضاد و تناقض ظاہر ہوتا ہے۔

صحابہ کرام سے دل میں کھوٹ دل کی ناپاکی ہے

وہ لکھتے ہیں:-

• دلوں کی سب سے بڑی ناپاکی اور مرض یہ ہے کہ انسان کے دل میں ان لوگوں کی طرف سے کھوٹ ہو جو اخیار مومنین اور انبیاء کے کرام کے بعد اولیاء اللہ کے سرگروہ اور مترجم تھے اسی لئے مال غنیمت (فتی) میں ان ہی لوگوں کا حصہ رکھا گیا ہے جو مہاجرین و انصار اور سابقین اولین کی طرف سے دل میں کھوٹ نہ رکھتے ہوں اور ان کے لئے دعا و استغفار کرتے ہوں:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا
ادان کے لئے بھی جو مہاجرین کے بعد آئے دعا مانگا
اَفْقِرْنَا وَلَآ نَحْمِلْهُنَّ الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ
کرتے ہیں کہ اے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا
 بَخْسَ دَنٍّ جَوْهَرٍ مِّنْهُم مِّنْ قَبْلِ يَوْمٍ لَّا تَدْرِي هُوَ
 فِي أَيِّ دَارٍ تُدْرِكُكَ رُؤُوفٌ تَجِيئُكَ
 لِيَرْبِّهَا لِيُجِيبَكَ تَوْبَةً لِّهَا نَهَابٌ رَّحْمَةً وَاللَّهُ
 (المحشر - ۱۰)

شیخین پر طعن کرنے والا دو حال سے خالی نہیں

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر دو ہی طرح کے آدمی طعن کر سکتے ہیں ایک متافق زندقہ اسلام کا دشمن جس کو ان دونوں پر طعن و اعتراض کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور دین اسلام پر اعتراض و طعن مقصود ہو اور روافض کے معلم اول کا یہی حال تھا، اور ائمہ باطنیہ کا بھی یہی معاملہ ہے دوسرے وہ جاہل شخص جو جہالت اور خواہش کی پیروی میں بہت بڑھا ہوا اور شیعوں کی حوام کا حال یہی ہے، اگر وہ اندر سے مسلمان ہیں۔

رسالت پر الزام

یہ بات تو اتر سے عوام و خواص کے نزدیک ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی تعلق تھا، اور ان تینوں حضرات کو آپ کا قرب و اختصاص حاصل تھا، اور ان تینوں کے آپ کے ساتھ رشتے ہیں، دو کی صاحبزادیاں آپ کے نکاح میں تھیں اور ایک کے نکاح میں آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں اور کہیں اس کا ذکر نہیں آتا کہ آپ ان کی خدمت کرتے تھے یا ان پر لعنت کرتے تھے، بلکہ معروف یہی ہے کہ آپ ان سے محبت کرتے تھے اور ان کی تعریف فرماتے تھے اب دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ باننا پڑے گا کہ یہ تینوں حضرات آپ کی زندگی میں اور آپ کی وقت

کے بعد ظاہر و باطناً صالح، وفادار، سلیم العقیدہ اور صحیح العمل تھے، یا یہ کہ وہ تینوں آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد انتقامت پر نہیں تھے اور (معاذ اللہ) دین سے منحرف تھے، دوسری صورت میں اگر اس حالت اور انحراف کے باوجود ان کو آپ کا یہ تقرب حاصل تھا تو دو میں سے ایک بات ماننی پڑے گی، یا تو آپ کو ان کے حالات کا علم نہیں تھا، یا علم تھا، لیکن آپ معاذ اللہ اہانت کرتے تھے، ان دونوں صورتوں میں سے ہر صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر بڑا دھبہ اور بہت بڑا اعتراض ہے، یہ تو وہی بات ہوگی جو شاعر نے کہی ہے۔

فان كنت لا تدري قتلك مصيبة

وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی زندگی تک تو وہ راہِ راست پر تھے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے خواص اور اکابر اصحاب کے بارے میں بڑا دھوکا اور ناکامی ہوئی جس شخص کو اپنے بعد کی اطلاعیں دی گئی تھیں اور جس نے اپنے بعد ہونے والے واقعات کی خبر دی اس کو اتنی بات نہیں معلوم تھی کہ اس کے انحصار خواص اس طرح منحرف ہو جائیں گے اور احتیاط کا تو یہی تقاضا تھا کہ امت کو آپ اس کی خبر دے جاتے، تاکہ وہ غلطی سے کہیں ان کو خلیفہ نہ بنالیں اور جس شخص سے یہ وعدہ کیا گیا کہ اس کا دین تمام ادیان پر غالب ہوگا، اس کے اکابر و خواص کیسے مرتد ہو سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ایسی باتوں سے روافض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بہت بڑا اعتراض کرتے ہیں حضرت امام مالک نے صحیح فرمایا کہ دراصل روافض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو مطعون کرنا چاہا تاکہ لوگ کہیں کہ برے آدمی تھے، اس لئے ان کے بڑے ساتھی تھے اگر اچھے آدمی ہوتے تو ان کے ساتھی بھی اچھے ہوتے، اسی لئے اہل علم کا قول ہے کہ فض زندقہ کی ایک ساری ہے!

فضائل صحابہ قطعی و متواتر ہیں

امام ابن تیمیہ صحابہ کرام کی عدالت کو اسلام کی ایک ہم بنیاد مانتے ہیں اور ان کو ان کی صداقت ثقاہت پر بڑا یقین ہے اور ان کو اسلام کی تعلیم کا سچا نمونہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور فیض صحبت کا بہترین نتیجہ تسلیم کرتے ہیں ان کے نزدیک صحابہ کرام کے فضائل ایسے قطعی اور متواتر ہیں اور قرآن مجید کی ایسی صریح نصوص و آیات سے اور ایسی صحیح احادیث و روایات سے ثابت ہیں کہ وہ کسی تاریخی روایت یا کسی غریب و نادر حدیث سے مشکوک نہیں ہو سکتے، وہ لکھتے ہیں:-

”جب کتاب و سنت اور نقل متواتر سے صحابہ کرام کے محاسن و فضائل ثابت ہو چکے ہیں تو یہ درست نہیں کہ وہ ایسی منقولات سے رد ہو جائیں جن میں سے بعض متقطع بعض محرف ہیں اور بعض ایسی روایات ہیں جن سے ان ثابت شدہ حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ یقین، شک سے زائل نہیں ہو کرتا ہم کو کتاب و سنت اور اپنے پیشروں کے اجماع اور ان کی مؤید اور متواتر روایات اور دلائل سے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل الخلق تھے، اس یقینی و متواتر چیز پر ان امور کا اثر نہیں پڑ سکتا جو مشکوک و مشتبہ ہیں، چہ جائیکہ جن کا باطل ہونا ظاہر ہو چکا ہے“

صحابہ کرام معصوم نہیں تھے

امام ابن تیمیہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح معصوم تھے، ان سے گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا تھا، لیکن وہ اس کے ضرور قائل ہیں کہ امت کے تمام لوگوں میں وہ سب سے زیادہ عادل و خداترین صادق القول، امین اور راست باز تھے، اگر ان سے غلطیاں یا گناہ ہوئے تو

لے نہاج السنۃ صحہ سوم و...

اس کے مقابلہ میں ان سے ایسے اعمال حسنہ اور خدا اور رسول کو راضی کرنے والے کام ہوئے جو ان سنیات کا کفارہ

بن گئے اور بہر حال ان کے حسنات اور اعمال کا پلہ ان کی تقصیرات پر بھاری ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے بھی گناہوں سے معصوم ہونے کے

قائل نہیں، چرچا ایک خطاؤ فی الاجتراد کے بھی قائل نہ ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ

اور جو سچی بات لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی پیرنگا

هُمُ الْمُتَّقُونَ ۚ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ

ہیں ان کے لئے جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس

ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۗ يُكْفَرُ اللَّهُ عَنْهُمْ

موجود ہوگا نیکو کاروں کا یہی بدلہ ہے تاکہ اللہ ان سے وہ

أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ

برائیاں دوڑ کر دے جو انھوں نے کیں اور اللہ ان کو ان کا

يَا خَيْرِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۗ (الزمر: ۷۵)

اجزے ان نیک کاموں کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

أُولَئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا

یہی وہ لوگ ہیں جن سے ہم وہ نیک عمل قبول کرتے ہیں

وَنَجْمَأُذُنًا سَيِّئًا يَوْمَئِذٍ فِي أَحْسَنِ الْجَنَّةِ

جہانوں نے کئے اور بہشتیوں میں شامل کر کے ان کے

وَعَدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۗ

گناہوں سے دو گز کرتے ہیں، یہ اس سچے وعدہ کے

(الاحقاف: ۱۶)

مطابق ہے جو ان سے کیا گیا تھا۔

صحابہ کرام کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی

وہ کہتے ہیں کہ ان بشری لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود جو انسانیت کا لازمہ ہیں، مجموعی حیثیت سے

انبیاء علیہم السلام کے علاوہ افراد انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابہ کرام سے بہتر سیرت کردار

کی نظر نہیں آتی، اگر ان کی زندگی میں کہیں کہیں کچھ ہلکے سے دھبے اور داغ نظر آتے ہیں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے سفید کپڑے میں کہیں کچھ تھوڑی سی سیاہی نظر آجائے، یہ عیب چینیوں کا قصور ہے کہ ان کو اس کپڑے میں سیاہی کا نقطہ تو نظر آیا، اور اس کپڑے کی سفیدی نظر نہ آئی، دوسری جماعتوں کا تو حال یہ ہے کہ ان کا سارا نامہ اعمال سیاہ نظر آتا ہے کہیں کہیں سفیدی نظر آتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”صحابہ کرام! اختیار امت میں، امتِ محمدی میں کوئی ایسا گروہ نہیں ہے جو ان سے زیادہ ہدایت اور دین حق پر مجتمع اور تفرق و اختلاف سے دور ہو، ان کی زندگی میں کوئی نقص کی بات بھی نظر آتی ہے تو اگر اس کا کسی دوسری امت کے حالات و زندگی سے مقابلہ کیا جائے تو اس کے مقابلہ میں اس کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی، غلطی اس شخص کی ہے جس کو سفید کپڑے کی تھوڑی سی سیاہی تو نظر آتی ہے اور سیاہ کپڑے کی تھوڑی سی سفیدی نظر نہیں آتی، یہ بڑی نادانی اور بڑا ظلم ہے، اگر ان اکابر کا اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے مقابلہ کیا جائے تو پھر ان کی فوقیت اور ان کی تریخ ظاہر ہو جائیگی یہ کہ کوئی شخص اپنے دل میں کوئی خیالی تصویر بنا لے یا کوئی معیار تجویز کر لے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہ کیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، ایک شخص اپنے دل میں ایک ام معصوم کا تصور قائم کر لیتا ہے، ایک شخص ایک ورالیے امام کا تصور قائم کرتا ہے جس میں اوپر معصوم میں کوئی فرق نہیں، اگرچہ اس کو صاف صاف معصوم نہیں کہتا، اور وہ تجویز کرتا ہے کہ عالم کو یا شیخ کو یا امیر کو یا بادشاہ کو یا سیاہی ہونا چاہئے اور خواہ وہ کیسا ہی کثیر العلم، کیسا ہی دیندار صاحبِ مہاسن ہو اور اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے کیسے ہی خیر کے کام کرائے ہوں، لیکن یہ تجویز کرتا ہے کہ اس کو ایسا کامل العلم ہونا چاہئے کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو، اور وہ کسی بھی مسئلہ میں غلطی نہ کرے، وہ بشریت کے لوازم و خصائص سے پاک ہو، بھی اس کو غصہ نہ آتا ہو، تو اس کا کوئی علاج نہیں، بلکہ بہت سے لوگ تو ان ائمہ کے متعلق وہ تجویز کرتے ہیں جو انبیا تک کے لئے تجویز نہیں کرتے ہیں۔“

امام ابن تیمیہ اس پر بڑا زور دیتے ہیں کہ جس شخص کی ساری تاریخ پر نظر ہوگی اور اس نے مختلف امتوں، قوموں اور ملتوں کے حالات پڑھے ہوں گے اور مختلف انسانی جماعتوں کا تجربہ کیا ہوگا اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ صحابہ کرام سے زیادہ مستحق کا پیرو، فتنہ اور افتراق سے نفور اور نفسانیت و دنیا داری سے دور کوئی جماعت نہیں گزری، وہ لکھتے ہیں:-

فمن استقرأ أخبار العالم في جميع الفرق	جس شخص نے دنیا کے تمام فرقوں کے حالات و واقعات کا
تبين له امة لم يكن قط طائفة اعظم اتقا	اہتمام سے مطالعہ کیا ہے اور ان کے حالات کا تبیح کیا ہے وہ
على الهدى والرشد وابتعد عن الفتنة	جانتا ہے کہ کوئی گروہ ایسا نہیں گذر جو ہدایت و رشد پر
والفرق والاختلاف من اصحاب	صحابہ کرام سے زیادہ مجتمع اور تفرق و اختلاف سے ان سے
رسول الله صلى الله عليه وسلم الذين هم	زیادہ دور ہو، ان صحابہ کرام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے شہادت
خير الخلق بشهادة الله لهم بذلك اذ يقول	دی ہے کہ وہ اس کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، وہ فرماتا
تعالى كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ	ہے تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے، تم
بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ	نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

مسلمانوں میں جو کچھ خیر ہے صحابہ کرام کی برکت ہے

امام ابن تیمیہ یہ بالکل صحیح فرماتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس علم و دین کا جو کچھ سرمایہ ہے خیر و برکت کا جو کچھ ذخیرہ ہے، شعائر اسلام کی بلندی، اسلام کی اشاعت، عمل خیر کے جو کچھ محرکات اور جو کچھ توفیق خیر ہے، اور سچ پوچھے تو عالم میں اس وقت جو کچھ صلاح و خیر نظر آ رہی ہے، وہ سب صحابہ کرام کی جاں فشانیوں، اخلاص، علویت، ایثار اور قربانیوں کا نتیجہ اور ان کے نفوس قدسیہ کی برکت و نورانیت ہے، امام ابن تیمیہ بڑے

جوش سے لکھتے ہیں:-

واما الخلفاء والصحابة فكل خير في السلم
الى يوم القيامة من الايمان والاسلام والقران
والعلم والمعارف والعبادات ودخول الجنة
والنجات من النار وانتصارهم على الكفار
علو كلمة الله فانما هو بركة ما فعلها الصحابة
الذين بلغوا الدين وجاهدوا في سبيل الله
وكل مؤمن امن بالله فللصحابة رضى الله
عنهم عليه فضل الى يوم القيامة وكل خير في
الشيعة وغيرهم فهو بركة الصحابة، وغير
الصحابة تبع لخير الخلفاء الراشدين فهم كانوا
اقوم بكل خير في الدين والدنيا من سائر الصحابة

اس وقت سے لے کر قیامت تک مسلمانوں کے پاس جو کچھ
خیر ہے مثلاً ایمان، اسلام، قرآن، علوم و معارف، عبادت
و دخول جنت، جہنم سے نجات، کفار پر غلبہ، اللہ کے نام کی
بلندی، وہ سب صحابہ کرام کی کوششوں کی برکت
ہے، جنہوں نے دین کی تبلیغ کی اور اللہ کے
راستے میں جہاد کیا، جو مومن بھی اللہ پر ایمان لایا
اس پر صحابہ کرام کا احسان قیامت تک رہے گا،
اور شیعوں وغیرہ کو بھی جو کچھ خیر حاصل ہے وہ صحابہ کرام
کی برکت سے اور صحابہ کرام کی خیر خلفائے راشدین کی
خیر کی تابع ہے اس لئے کہ وہ دین و دنیا کی ہر خیر
کے ذمہ دار و سرپرست تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت دلیل نبوت و صداقت ہے

امام ابن تیمیہ نے یہ بات بھی بڑے کام کی لکھی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی جانشینی و خلافت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے کمال کی دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ رسول برحق تھے اور
آپ کا مزاج، مزاج نبوت تھا، مزاج سیاست نہ تھا، اور آپ کو دنیا کے بادشاہوں اور سلاطین عالم سے کوئی
مناسبت نہیں جو ہمیشہ اپنے بیٹے یا اپنے خاندانی آدمی کو اپنا جانشین بناتے ہیں اگر آپ میں بھی معاذ اللہ سلطنت

اور خاندان پرستی کا کوئی شائبہ ہوتا تو حضرت علیؓ اور عباسؓ کے علاوہ بنی ہاشم کے اور بھی بہت سے افراد تھے جن کو اپنا جانشین بنا کر ایک خاندانی سلطنت کی بنیاد رکھی جاسکتی تھی اور اس اثر و اقتدار کو جو آپ کو من جانب اللہ حاصل تھا، اپنے خاندان میں محفوظ کیا جاسکتا تھا، وہ لکھتے ہیں:-

”یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا کمال ہے اور جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ رسولِ بحق تھے کوئی دنیاوی بادشاہ نہیں تھے اس لئے کہ بادشاہوں کی عادتِ قدیمہ ہے کہ وہ اپنے عزیزوں کو ترجیح دیتے ہیں اور انہی کو حکومتیں سپرد کرتے ہیں اور اس سے وہ اپنے نزدیک اپنی سلطنت کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح اطراف و نواح کے والیوں اور حکمرانوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا بھی یہی دستور ہے بنو بویہ، بنی سلجوق (سلاجقہ) اور مشرق و مغرب اور شام و یمن کے تمام سلاطین و ملوک اپنے ہی عزیزوں کو اور اپنے خاندانی لوگوں کو حکومت حوالہ کرتے ہیں، اسی طرح سے عیسائی اور مشرکین بادشاہوں کا بھی یہی معمول ہے، قرنگی بادشاہ اور چنگیز خاں کے خاندان کے بادشاہوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ سلطنت بادشاہ کے خاندان میں باقی رہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ شاہی خاندان میں سے ہے یہ شاہی خاندان میں سے نہیں ہے یہ بڑی کا ہے یہ بڑی کا نہیں ہے، اس بنا پر حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی تولیت اور اپنے چچا حضرت عباسؓ اور اپنے چچا زاد بھائی علیؓ، عقیل، ربیعہ ابن اسحارث بن عبد المطلب، ابوسفیان بن اسحارث بن عبد المطلب وغیرہ کا خلیفہ نہ بنانا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپس شاہی آئین کے پابند نہیں تھے، ان کے علاوہ بنی عبدمنان میں حضرت عثمان بن عفان، خالد بن سعید بن العاص، ابان بن سعید بن العاص وغیرہ موجود تھے اور بنو عبدمنان کا خاندان قریش میں سب سے جلیل القدر اور نسب میں آپ سے قریب تر تھا، یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندہ اور اللہ کے رسول ہیں اور وہ کوئی بادشاہ نہیں ہیں، کیونکہ انھوں نے خلافت کے بارہ میں کسی کو محض قرب نسب یا خاندانی شرف کی وجہ سے آگے نہیں کیا“

بلکہ ایمان و تقویٰ کی بنا پر اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت آپ کے بعد اللہ ہی کی عبادت کرے گی، اور اللہ ہی کے حکم پر چلے گی، قومی یا خاندانی یا ذاتی سر بلندی اور علو فی الارض اس کا مقصود نہیں، یہاں تک کہ بعض انبیاء کے لئے جس سلطنت کی اجازت دی گئی، اس تک کو اختیار نہیں کریں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ آپ عبد رسول رہیں یا سمنیر بادشاہ، آپ نے اسی کو اختیار کیا کہ آپ عبد رسول رہیں، درحقیقت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی تولیت اسی کا تتمہ تھا، اس لئے کہ اگر آپ اپنے اہل بیت میں سے کسی کو اپنا قائم مقام بنا جائے تو ان لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ آپ نے مال اپنے ورثا کے لئے جمع کیا ہے۔

جاہلیت کی نسب پرستی

درحقیقت ان تمام فرقوں میں جو حضرت علیؓ کے وصی ہونے کے مدعی ہیں اور جن کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ حقیقی چچا زاد بھائی اور داماد کے ہوتے کوئی دوسرا شخص خلیفہ ہو سکتا ہے، جاہلیت کی بو اور اہل جاہلیت کی نسب پرستی کی رگ پائی جاتی ہے جو اس بات کے تصور سے ہمیشہ قاصر رہے ہیں کہ متا صیب و مراتب محض نسب و قرابت کی بنا پر نہیں بلکہ استعداد و قابلیت اور فضائل پر عطا ہوتے ہیں، عرب، ایران، ہندوستان اور اسلام سے پہلے تمام ملکوں کا یہی ذہن اور مزاج تھا، جن لوگوں نے یہ فیصلہ صادر کیا، اور قطعی طور پر یہ رائے قائم کر لی کہ حضرت علیؓ ہی کو خلیفہ ہونا چاہئے تھا، انھوں نے دراصل اپنی قومی عادات اور اپنی طبیعتوں پر قیاس کیا اور انھوں نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ اور مذاق و مزاج اور ان کا ظرف و حوصلہ نہیں سمجھا۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

”روافض کا کلام مشرکین جاہلیت ہی کے کلام سے ملتا جلتا ہے، وہ نسب اور آباء کے بارے میں تو بڑا تعصب برتتے ہیں اور خاندان کی بنیاد پر حاکمیت و محبت کرتے ہیں اور انسان کے لئے وہ چیزیں قابل اعتراض قرار دیتے ہیں جس سے ایمان و تقویٰ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا، اور یہ سب جاہلیت کے افعال ہیں۔“

شیعوں کا انتساب و مرجع اولاد حسین کے لئے ایک آزمائش ہے

امام ابن تیمیہ کے نزدیک شیعہ اہل بیت کے نادان دوست ہیں، اور ان کی مبالغہ آرائیوں، غلو اور غلط واقعات و روایات سے اہل بیت کی بدنامی ہوتی ہے اور وہ لکھتے ہیں:-

”اولاد حسین کے لئے شیعوں کا ان کی طرف انتساب اور تعظیم و مرجع بھی ایک مصیبت اور ابتلا ہے اس لئے کہ وہ ان کی ایسی چیزوں کے ساتھ مرجع کرتے ہیں جو مرجع کی بات نہیں اور ان کے لئے ایسے دعوے کرتے ہیں جن کی کوئی حجت نہیں اور ان کے متعلق ایسی باتیں ذکر کرتے ہیں کہ اگر ان کی فضیلت شیعوں کے کلام سے اوکتابوں سے نہ معلوم ہوتی تو شیعہ ان کے متعلق جو کچھ بیان کرتے ہیں، وہ مرجع سے زیادہ قدر ہوتی۔“

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”ان شیعوں کو مناقب و مثالب کی حقیقت کی خبر ہی نہیں اور نہ ان کو ان طرق کا علم ہے جن سے یہ مناقب ثابت ہوتے ہیں۔“

تعصب کی کرشمہ سازیاں

مصنف ”منہاج الکرامہ“ نے حضرت علیؑ اور ائمہ اہل بیت کی امامت کے ثبوت میں اور ان کے مناقب میں بکثرت آیات اور احادیث و روایات جمع کر دی ہیں، ان آیات و احادیث و روایات کو دیکھ کر اندازہ

۱۔ نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۲۵ ۲۔ ص ۱۲۵ ۳۔ ص ۱۲۵ ۴۔ ص ۱۲۵ ۵۔ ص ۱۲۵ ۶۔ ص ۱۲۵ ۷۔ ص ۱۲۵ ۸۔ ص ۱۲۵ ۹۔ ص ۱۲۵ ۱۰۔ ص ۱۲۵ ۱۱۔ ص ۱۲۵ ۱۲۔ ص ۱۲۵ ۱۳۔ ص ۱۲۵ ۱۴۔ ص ۱۲۵ ۱۵۔ ص ۱۲۵ ۱۶۔ ص ۱۲۵ ۱۷۔ ص ۱۲۵ ۱۸۔ ص ۱۲۵ ۱۹۔ ص ۱۲۵ ۲۰۔ ص ۱۲۵

ہوتا ہے کہ تعصب انسان کو کہاں تک پہنچا سکتا ہے، ان آیات میں بیشتر یا تقریباً تمام تر حصہ وہ ہے جس کا اہل بیت سے یا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں یا وہ بھی عام مسلمان کے ساتھ شامل ہیں، احادیث و روایات میں سے اکثر موضوع ضعیف ہیں، اور بقول امام ابن تیمیہ کے "الروایات المسیبۃ التي لازمام لها ولاخطام" یعنی وہ احادیث جن کا کوئی سرپرست نہیں، اس سلسلہ میں شیخ مصنف نے ایسی جرأت و بے باکی سے کام لیا ہے کہ بہت سی احادیث کو صحیحین کی طرف اور بہت سی احادیث کو مسند احمد ابن حنبل کی طرف منسوب کیا ہے اور امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ ان کا کہیں صحیحین و مسند میں وجود نہیں، بعض احادیث کے متعلق لکھا ہے کہ احادیث کے کسی مجموعہ اور دواوین اسلام میں کہیں ان کو نہیں دکھایا جاسکتا، شیخ چونکہ قرآن و حدیث سے بہت ناواقف ہیں اس لئے وہ معمولی اصطلاحات کو بھی نہیں سمجھتے اور بعض اوقات بے تکلف غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔

آیات کے سلسلہ میں مصنف نے بڑے بڑے لطیفے کئے ہیں، ان کی تفسیر کو دیکھ کر وہ مشہور لطیفہ یاد آ جاتا ہے کہ کسی بھوکے سے پوچھا گیا دو دو کتے ہوتے ہیں، اس نے کہا چار روٹیاں، مصنف نے چالیس آیتیں لکھی ہیں جو اس کے نزدیک حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئیں، یہاں پر چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

آیت النور الملت لکم دینکم واتمممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً، مصنف ابو نعیم کی ایک حدیث نقل کرتا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے خطبہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ اکبر علی لکال الدین واتمام النعمة ورضا الترت بریالتی وبالولاية لعلی من بعدی؛

امام ابن تیمیہ پہلے تو محدثانہ طریقہ پر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث باتفاق اہل فن موضوع ہے اور کتب حدیث میں کسی قابل اعتماد کتاب میں نہیں پائی جاتی، پھر مفسرانہ اور مورخانہ طریقہ پر ثابت کرتے ہیں کہ صحاح، مسانید اور تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن وقوف کی حالت میں نازل ہوئی، ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ ایک آیت آپ کے قرآن میں ایسی ہے کہ اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے،

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں، اس نے کہا: آیت النور الملت لکم دینکم واتمممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً

حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے خوب معلوم ہے کہ کس دن نازل ہوئی تھی اور کس جگہ نازل ہوئی ہے یہ عرفہ کے دن عرفات میں ایسی حالت میں نازل ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقوف میں تھے، امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ دوسرے ذرائع سے بھی یہ بات شہرت اور تواثر کو پہنچ گئی ہے اور یہ مسلمانوں کی تمام کتابوں میں موجود ہے یہ یوم جمعہ ۹ ذی الحجہ یوم خم سے ۹ دن پہلے کا واقعہ ہے تو یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی، دوسرے اس روایت میں یہ الفاظ جو نقل کئے گئے ہیں: **اللَّهُمَّ وَالِ مِنْ وَالِهِ وَعَادِ مِنْ عَادِهِ وَالصَّرْمَنِ نَصْرِهِ** واخذل من خذله "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مستجاب الدعوات کون ہو سکتا ہے اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس دعا کا تحقق ہوتا، لیکن تاریخ سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

مصنف نے لکھا ہے کہ آیت: **مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۚ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۗ** بحرین سے مراد صلی وفاطمہ اور بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مَرَجٌ مِّنْهُمَا الْأَوْوَالُ وَالْمَرْحَانِ سے مراد حسن حسین ہیں، امام ابن تیمیہ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ان هذا وامثاله يقوله من لا يعقل ما	اس طرح کی باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جو بے سمجھے بات
يقول وهذا ابالهديان اشي منه بتفسير	کرنے کا عادی ہے اور یہ تفسیر کے بجائے ایسے ہی بے ربط
القران وهو من تفسير الملاحدة	اور مہل باتیں ہیں، جیسی اسرامی کیفیت میں مرضی کی زبانا
والقرامطة الباطنية للقران بل هو	سے نکلتی ہیں اور وہ اسی طرح کی تفسیر ہے جیسی لامحدود قرامطہ
شرون كثير منهم	اور باطنیہ کرنے کے عادی ہیں بلکہ یہ اس سے بھی بدتر ہے۔

امام ابن تیمیہ نے پھر اس تفسیر کے غلط ہونے کے سچے وجود لکھے ہیں، ان میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت سورہ فرقان کی ہے اور وہ بالاتفاق مکی ہے اور حضرت حسن بن علیؓ مدینہ طیبہ میں اس کے نزول کے کئی سال بعد پیدا ہوئے ہیں، دوسرے اس آیت کی تفسیر سورہ فرقان کی آیت سے ہوتی ہے: **وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذَابٌ مُّؤْتَمَرَةٌ**

لہٰذا ترجمہ۔ اس نے دو سمندر ملا دیئے جو باہم ملتے ہیں، ان دونوں میں پردہ ہے کہ وہ صبر سے تجاوز نہیں کر سکتی (سورہ فرقان، ۱۹-۱۱)

وَهَذَا صِلَةُ الْحَاجِّ^۱ اگر اس سے مراد علی و فاطمہ ہیں تو ان میں سے ایک کو باج اجاج (کڑوا نکلیں) قرار دینا پڑے گا۔
 تیسرے اگر برزخ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو آپ مانع و حجاب ہوئے اور یہ مدح نہیں بلکہ ذم ہے۔
 اسی طرح سے یہ عجبائے و لطائف سے بھرا ہوا ہے اور شیخ الاسلام نے مفسرانہ اور محدثانہ فقہیانہ
 و مورخانہ اور ناقدانہ جوابات دیئے ہیں جو ان کی ذہانت و فور علم اور قوت مناظرہ کا روشن ثبوت ہیں انہوں نے
 ان تمام دلائل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت علیؑ کی فضیلت و ولایت اور علوم مرتبت ایسے صحیح اور
 مسلم طریقوں سے ثابت ہے جس سے نقیضی اور قطعی علم حاصل ہوتا ہے ان چیزوں کی موجودگی میں دروغ باقی،
 غلط بیانی اور مشکوک روایات و بیانات کی ضرورت نہیں ہے۔"

کتاب کا دوسرا محرکہ الآرا حصہ وہ ہے جس میں منہاج الکرامتہ کے اس حصہ پر بحث ہے جس میں مصنف نے
 صحابہ کرام پر بالعموم اور شیخین پر بالخصوص اور صدیق اکبرؑ پر بالخصوص مطاعن اور اعتراض جمع کئے ہیں،
 یہ اعتراضات بزعم مصنف قرآن مجید سے بھی مانع ہیں، احادیث و سیر سے بھی اور تاریخ سے بھی یہ مطاعن
 و اعتراضات اس بات کا ثبوت ہیں کہ عداوت ایک پڑھے لکھے انسان کو بھی کہاں تک لے جاسکتی ہے،
 یہاں پر اس کے صرف دو نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

قرآن مجید کی مشہور آیت جو صدیق اکبرؑ کی خصوصیت کی سب سے بڑی دلیل اور ان کی وہ فضیلت و
 منقبت ہے جس میں امت کا کوئی فرد ان کا شریک و ہم نہیں، وہ یہ آیت ہے "إِنَّمُؤْتُواهُ قَمَدًا تَصْرَعُ اللَّهُ
 إِذَا خَرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنَّا لَأَنبِئُهُنَّ بِمَا كُنَّ تَفْعَلْنَ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعْنًا" منہاج الکرامتہ کا
 مصنف لکھتا ہے کہ اس میں حضرت ابو بکرؑ کے لئے فضیلت کی کوئی بات نہیں اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

^۱ ترجمہ۔ اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو آپس میں ملا دیا یہ میٹھا خوشگوار ہے اور یہ کھاری کڑوا ہے (الفرقان ۵۳) ۱۸۶ ص ۶۶

^۲ ۱۸۶ ص ۶۶ ترجمہ اگر تم رسول کی مدد نہ کر گئے تو اس کی اللہ نے مدد کی ہے جس وقت اسے کافروں نے نکالا تھا کہ وہ

دو میں سے دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو تم نہ کھا جینا کہ تمہارے ساتھ ہے (التوبہ ۲۰)

علیہ وسلم نے آپ کو صرف اس لئے ساتھ لیا ہو کہ وہ آپ کے روانہ ہو جانے کے بعد کہیں مخبری نہ کر دیں اس لئے کہ ان کے متعلق اس بات کا اطمینان نہ تھا، دوسرے اس آیت کے اندر خود ان کی ہجو موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کہا "لا تحزن" اس سے معلوم ہوا کہ آپ (مواد اللہ) بہت ڈرنے والے اور بے صبر تھے، اور آپ کو اللہ پر یقین اور اس کے فیصلہ پر اطمینان نہیں تھا، تیسرے یہ کہ قرآن مجید کا قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں نزول سکینہ کا ذکر کرتا ہے وہاں مومنین کو ضرور شریک کرتا ہے، لیکن یہاں تنہا رسول کا ذکر کیا حضرت ابوبکرؓ کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوا کہ سکینہ کا نزول ان پر نہیں ہوا۔

امام ابن تیمیہ نے اول تو ثابت کیا ہے کہ اس آیت نے ابوبکرؓ کے لئے کیسے کیسے فضائل و مناقب جمع کر دیئے ہیں اور یہ معیت کیسی خصوصی تھی، باقی مصنف کا یہ کہنا کہ ان کو اس لئے ساتھ لے لیا تھا تاکہ وہ دشمنوں کو خبر نہ کر دیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناقابل اعتماد تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے مطمئن نہیں تھے، تو دنیا کا ضعیف العقل سے ضعیف العقل انسان ایسے نازک اور خطرناک سفر میں ایسے ناقابل اعتماد آدمی کو ساتھ نہیں لے سکتا، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

فقیر اللہ من نسب رسولہ الذی
 الشرحیچہ اس شخص سے جس نے رسول اللہ صلی اللہ
 ہو اکل الخلق عقلاً وعلماً وخبیرۃ
 علیہ وسلم کی طرف جو عقل و علم و تجربہ میں کامل ترین
 الی مثل ہذا الجہالۃ والغباۃ
 انسان تھے ایسی جہالت و غیاوت کی نسبت کا۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ بادشاہ خربندہؓ جس کے لئے مصنف نے یہ کتاب تصنیف کی ہے جب اس سے یہ کہا گیا کہ ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتے تھے اور آپ کے دشمن تھے، اور اس کے باوجود آپ نے ان کو سفر ہجرت میں ساتھ لیا جو سب سے زیادہ خوفناک سفر تھا، تو اس نے

۱۔ منہاج السنۃ ۲۳ تا ۲۵۵ ۲۔ ایضاً حصہ چہارم ص ۲۵۵ ۳۔ منہاج السنۃ اور بعض تاریخ کی اور کتابوں

میں بھی اس ناماری بادشاہ کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے۔

سنتے ہی وہ بات کہی جو ایسے موقع پر کہی جاسکتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس سے بالکل منزہ ہے، یعنی یہ کسی عقلمند آدمی کا فعل نہیں ہو سکتا۔ پھر تفصیل کے ساتھ ایک ایک بات کا جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ قرآن مجید میں حزن و غم کا ذکر کہاں کہاں آیا ہے، کیسے کیسے انبیاء سے اولوالعزم اور صلحاء سے مومنین اور افراد اہل بیت سے طبعی طور پر غم اور حزن ثابت ہوتا ہے، باقی مصنف کا یہ کہنا کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں نزول سکینہ کا ذکر ہے وہاں مومنین کا ہمیشہ تذکرہ آتا ہے تو اس سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں بکثرت ایسا ہوا ہے، حالانکہ صرف ایک ہی آیت ایسی ہے، جہاں نزول سکینہ کے موقع پر رسول کے ساتھ مومنین کا بھی ذکر ہے، اور وہ آیت یہ ہے: "وَيَوْمَ هُنَّ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتَكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَصَافَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَابَسْتُمْ مَذْبِجِينَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَةً عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُودًا لَمْ تَرَوْهَا" وہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر مومنین کے ذکر کا خاص موقع تھا، اس لئے کہ "ثُمَّ وَابَسْتُمْ مَذْبِجِينَ" اچکلے ہے، اس کے برخلاف قرآن مجید میں کسی جگہ صرف مومنین ہی کا تذکرہ نزول سکینہ کے موقع پر آیا ہے، پھر امام نے اس کے لطائف اور وجوہ تفصیل سے لکھے ہیں۔

اس تعصب کا دوسرا نمونہ یہ ہے کہ روایات و سیر میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان بدر میں عرش کے نیچے تھے تو حضرت ابو بکرؓ بھی ساتھ تھے، مصنف لکھتا ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اگر حضرت ابو بکرؓ کو جنگ کا حکم دیا جائے گا تو کھیل بگڑ جائے گا، اس لئے کہ وہ آپ کے غزوات میں کئی دفعہ بھاگ چکے تھے، امام ابن تیمیہ کو اس موقع پر علمی و ایمانی جوش آ گیا ہے،

۱۵ منہاج السنہ حصہ چہارم ص ۲۵۵ ۱۵ ایضاً ص ۲۵۶ ۱۵ ایک دوسری آیت بھی ہے: "إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ

الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَةً عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ الْو" (سورۃ الفتح - ۲۶) ۱۵ التوبہ ص ۲۵

۱۵ منہاج السنہ حصہ چہارم ص ۲۵۵، ۲۵۶ ۱۵ میدان بدر میں ایک پھپر ڈال دیا گیا تھا، اس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم سرسجود و مشغول دعا تھے، اس وقت تھا حضرت ابو بکرؓ آپ کے ساتھ تھے ملاحظہ ہو کتب سیرت و احادیث۔

وہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے یہ جو کہا ہے کہ وہ غزوات نبوی میں کئی دفعہ راہ فرار اختیار کر چکے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف غزوات نبوی کے بارے میں بالکل جاہل واقع ہوا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ جس گروہ سے اس کا تعلق ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات سے نہ کوئی واقفیت ہے نہ کوئی دلچسپی اس کو یہ خبر نہیں کہ بدر کی جنگ پہلی جنگ تھی جس میں لڑائی ہوئی، اس سے پہلے کوئی ایسی جنگ نہیں ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ شریک ہوئے ہوں، اس پر تمام اہل سیر حدیث و معاذی، فقہ و تواریخ کا اتفاق ہے کہ بدر پہلی جنگ تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال فرمایا، اس سے پہلے کوئی غزوہ یا سرزیمہ ایسا پیش نہیں آیا جس میں جنگ کی نوبت آئی ہو سوائے ابن الحضرمی کے واقعہ کے جس میں حضرت ابو بکرؓ شریک ہی نہیں تھے تو یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ حضرت ابو بکرؓ اس سے پہلے کئی بار میدان جنگ سے فرار اختیار کر چکے تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا کسی جنگ سے بھاگنا ثابت نہیں اس کا بار ثبوت مدعی کے ذمہ ہے کہ وہ ثابت کرے کہ کس جنگ سے انھوں نے فرار اختیار کیا تیسری بات یہ ہے کہ اگر معاذ اللہ حضرت ابو بکرؓ ایسے ہی بزدل تھے تو ان کو اپنے ساتھ عرش میں رکھنا مناسب نہیں تھا، بلکہ ایسے آدمی کو میدان جنگ میں لانا بھی مناسب نہیں تھا، چہ جائیکہ خاص طور پر تمام صحابہ کرام میں سے ان کو اپنی رفاقت کے لئے انتخاب فرمایا۔

حضرت علیؓ کے بارے میں تناقض

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا اور خدا بنایا، دوسری طرف ان کی صلیب کے واقعہ کی ایسی تصویر کھینچی کہ وہ ایک بے بس و مجبور انسان نظر آتے ہیں جو ہر طرح کی توہین و تذلیل اور سخر و استہزاء کا نشانہ و تختہ مشق ہیں اسی طرح سے شیوعہ حضرات نے ایک طرف تو حضرت علیؓ

کے لئے وہ صفات اور قوتیں ثابت کیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پایہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کچھ بلند تھا، اور اگر وہ نہ ہوتے تو اسلام کو فروغ نہ ہوتا، ان ہی کے پنجہ خیر شکن اور ذوالفقار آبدار سے اسلام کی فتح ہوئی، اور کفر سرنگوں ہوا، دوسری طرف خلفائے ثلاثہ کی خلافت میں ان کو ایسا مجبور و بے بس ثابت کیا ہے کہ وہ سب کچھ اپنے ضمیر و عقیدہ کے خلاف دیکھتے اور ان کی اور ان کے اہل بیت کی ہر طرح توہین و تذلیل ہوتی، اور وہ کچھ نہ کر سکتے، یہ صریح تناقض اور تضاد ہے، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

”یثیبعہ صحیح بین التقیضین کرتے ہیں، ایک طرف وہ حضرت علیؓ کو قوت و شجاعت میں سب سے کامل اور بڑھا ہوا بتاتے ہیں، یہاں تک کہ معلوم ہوتا ہے ان ہی نے دین رسول کو قائم کیا، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محتاج تھے، اور ان کو اقامت دین میں شریک بتاتے ہیں، پھر اسلام کے غلبہ اور قوت کے بعد لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کے عجز و ضعف، اضطراب و ترقیہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان سے زیادہ کمزور اور بے بس ہستی نہ تھی، حالانکہ قطعاً یہ طور پر معلوم ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ نسبت سابق کے زیادہ حق کے پیرو ہو گئے، تو جو شخص دین محمدی کے قائم کرنے میں اللہ کا شریک حال تھا، جس نے کفار کو مغلوب کیا، اور وہ اسلام لائے، وہ اپنی طاقت اس جماعت کے مغلوب کرنے میں کیوں نہیں دکھاتا، جنہوں نے اس پر زیادتی کی تھی، حالانکہ وہ تعداد میں بھی ان کفار سے کم تھے، اور قوت و شوکت میں بھی کمزور تھے، اور یہ مخالفین بہر حال حق سے زیادہ قریب تھے۔“

بحثِ امامت

امام ابن تیمیہ نے امامت کے بحث پر بھی طویل مفصل بحث کی ہے، اور شیعہ امامت کی جو تعریف کرتے ہیں

اور اس کو دین کارن قرار دیتے ہیں، اس کا بہ شدت انکار کیا ہے، اور ان تمام عقلی نقلی دلائل کا رد کیا ہے جو اس کے

ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں اس سلسلہ میں امام غائب کے عقیدہ کا بڑا مذاق اڑایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس عقیدہ سے سوائے فساد، اختلاف، بے علمی اور تعطل کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

شیعوں کو قرآن و حدیث سے دلچسپی نہیں

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ شیعوں کو حفظ قرآن کی طرف اور اس کے معانی و تفسیر کا علم اور ادا کی تلاش و جستجو کی طرف کوئی توجہ نہیں، اسی طرح احادیث صحیح و سفیم کی پہچان، حدیث کے معانی و مطالب اور صحابہ و تابعین کے آثار سے واقفیت کا کوئی اہتمام نہیں، ان کا سرمایہ اور مبلغ علم کچھ آثار ہیں، جو بعض اہل بیت سے نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں، ان میں جھوٹ سچ سب کچھ ہے۔

مساجد و جمعہ و جماعت سے بیگانگی

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ شیعوں نے انبیاء بلکہ ائمہ کے بارے میں ایسا غلو کیا کہ ان کو گلاب و عین دونے اللہ بنا دیا، اور اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت سے جس کا پیغمبروں نے حکم دیا تھا بے اعتنائی کی تم دیکھو گے کہ وہ مساجد جن کو بلند اور بار و نق رکھنے اور ان میں اللہ کا نام لینے کا حکم دیا ہے، ان کو ویران رکھتے ہیں اور ان میں جمعہ و جماعت کو قائم نہیں کرتے اور ان کے نزدیک ان کا کوئی بڑا احترام نہیں ہے اور اگر ان میں کبھی نماز پڑھتے بھی ہیں، تو الگ الگ اور ان شاہد کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، جو قبور پر بنائے گئے ہیں، ان پر مقتصد رہتے ہیں جیسے مشرکین اور دور سے سفر کر کے ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں، جیسے کہ حجاج خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔

متاخرین شیعہ معتزلہ کے پیرو ہیں

متاخرین شیعہ عقلیات میں عام طور پر معتزلہ کے پیرو ہیں اور کچھ لوگوں نے فلاسفہ یونان کی پیروی کی ہے

اور ان پر فلسفہ غالب ہے ان کے علماء میں سے کوئی تو فلسفہ و اعتزال اور رفض کا جامع ہے جیسے منہاج الکرام^۱ کا مصنف۔ اس سلسلہ میں مصنف کتاب نے عقائد و علم کلام کی جو بحثیں چھیڑی ہیں، جن میں اعتراض و فلسفہ کا رنگ صاف جھلکتا ہے ان کا امام ابن تیمیہ نے تفصیلاً جواب دیا ہے، یہ حصہ گہری فلسفیانہ اور مشکلانہ بحثوں سے بھرا ہوا ہے اور چونکہ وہ معقول و منقول دونوں سمندروں کے ثناور ہیں، اس لئے انہوں نے اپنی عادت کے مطابق دل کھول کر بحث کی ہے، اور ایک ایک حرف کا رد کیا ہے اور اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ اس فرقہ کی واقفیت عقلیات سے بہت سطحی اور عامیانا ہے اور ان کے علماء بھی اس علم میں طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں۔^۲

گذشتہ تاریخ

امام ابن تیمیہ نے جا بجا لکھا ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں شیعوں نے کفار و مشرکین کا ساتھ دیا، اور اسلام سے بے وفائی کی اور اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچایا اور اخیر میں ان کا قلم یہ لکھنے پر مجبور ہوا ہے،
 فایا مہم فی الاسلام کلہا سودہ^۳

اہل سنت راہ اعتدال پر

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اسلامی فرقوں میں صرف اہل سنت ہی توسط اور اعتدال کی راہ پر ہیں، اور افراط و تفریط سے محفوظ ہیں، ان کے نزدیک اہل بیت کی محبت اور صحابہ کرام کی تعظیم میں کوئی تضاد نہیں، انہوں نے ان دونوں نعمتوں کو جمع کر رکھا ہے اور یہی صحیح اسلام ہے، وہ لکھتے ہیں:۔
 اہل سنت تمام مومنین کی دوستی کا دم بھرتے ہیں، اور علم و عدل کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں،

^۱ منہاج السنۃ حصہ سوم ص ۲۰۰ ملاحظہ ہو ص ۲۹۳ احادیث ۵۳ ایضاً

^۲ ایضاً حصہ چہارم ص ۱۱۱ ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ان کی تاریخ بالکل سیاہ ہے۔

وہ نہ اہل جہل میں سے ہیں، نہ اہل اہواء میں سے، وہ روافض اور خوارج دونوں کے طریقے سے
 بیزار وہ تمام سابقین اولین کے معتقد ہیں، اور صحابہ کرام کی قدر و منزلت کے شناسا اور
 معترف ہیں، اور ان کے مناقب کے قائل ہیں، اور اس سب کے ساتھ اہل بیت کرام کے
 حقوق کی ادائیگی ضروری سمجھتے ہیں، جو شریعت سے ثابت ہے۔



علوم شریعت کی تجدید

امام ابن تیمیہ کا عہد

امام ابن تیمیہ جس زمانہ میں پیدا ہوئے اس میں شرعی اور دینی علوم بڑی وسعت اختیار کر چکے تھے، خصوصیت کے ساتھ تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ میں سے ہر موضوع پر اتنا وسیع کتب خانہ مرتب ہو چکا تھا کہ ان میں سے کسی ایک موضوع پر عبور حاصل کرنا اور اس وقت تک کے علمی ذخیرہ سے اجمالی واقفیت بھی ایک متوسط آدمی کے لئے بہت بڑا علمی کارنامہ تھا، لیکن پھر بھی ان کے عہد میں بکثرت ایسے عالم اور مدرس موجود تھے، جو اس کتب خانہ پر نظر ڈال چکے تھے اور ان میں سے متعدد ایسے بھی تھے جو اپنے قوی حافظہ، علمی اشتغال، کثرت مطالعہ اور کثرت درس و تدریس کی وجہ سے اس کے ایک معتدبہ حصہ کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھتے تھے اور تدریس و مناظرہ کے وقت اس سے بے تکلف استفادہ اور اس کا اعادہ کر سکتے تھے، علامہ کمال الدین ابن الزمکانی، تقی الدین علی بن ابی شمس الدین الذہبی، ابوالحجاج المزنی اس کا ایک نمونہ ہیں، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں علمی استحضار، تبحر، محفوظات کی کثرت اور علمی تفتن کس حد تک پہنچ چکا تھا، متعدد اصحاب ایسے تھے جن کو علوم شرعیہ کا دائرہ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کہنا صحیح ہوگا، لیکن علم و معلومات میں جتنی وسعت تھی، فکر میں اتنا عمق نہیں تھا، ایسے لوگوں کی عرصہ سے کمی چلی آ رہی تھی جو اس پورے علمی ذخیرہ پر ناقدانہ اور استادانہ نظر رکھتے ہوں، متقدمین کے آراء و خیالات میں موازنہ و تقابل کی قوت رکھتے ہوں اور مسائل و آراء میں اپنی کوئی ذاتی اور منفرد رائے بھی رکھتے ہوں، متقدمین نے جو قابل قدر

علمی اندوختہ چھوڑا تھا، اکثر متاخرین کا کام صرف اس پر عبور حاصل کر لینا، اور اس کی شرح و توضیح، اختصار و تلخیص رہ گیا تھا، عرصہ سے اس میں کوئی معتدبہ اور قابل قدر اضافہ نہیں ہو رہا تھا، کوئی ایسی تصنیف جس کو طبع زاد یا مجتہدانہ کہا جاسکے، کمیاب تھی، اس عصر کی جو بہترین اور باریعہ ناز تصنیفات سمجھی جاتی تھیں، ان کا جو بہر بھی صرف یہ تھا کہ مصنف نے اپنے سے پہلے کے منتشر معلومات کو یکجا جمع اور سلیقہ سے مرتب کر دیا تھا، یا وہ کسی سابق فقہی متن کی عمدہ شرح تھی۔

ان کی تصنیفی و علمی خصوصیات

امام ابن تیمیہ نے اپنے حافظہ خداداد سے اس پورے علمی ذخیرہ پر عبور حاصل کیا اور اس کو فکری طور پر پرہم کر لیا، اور اس سے اپنی تصنیفات میں پورا فائدہ اٹھایا، لیکن ان کی بے چین اور مزاج طبیعت ان کا نکتہ سنج و نکتہ آفریں دماغ اور ان کا سیال و روان قلم اس پر قانع نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ صرف نقل و روایت اور شرح و تلخیص یا انتخاب پر اکتفا کریں، قرآن مجید کا گہرا علم، مقاصد شریعت سے گہری واقفیت اور اصول فقہ اور اصول تشریح کا ملکہ راستہ ان کی ہر تصنیف میں ان کا رفیق ہے، وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، اس میں اپنے تازہ علم سے جان ڈال دیتے ہیں، ان کی کوئی ایسی تصنیف نہیں ہوگی جس میں کچھ نئے علمی حقائق، علمی نکتے، ناقدانہ بحثیں اور جدید اصولی مباحث نہ ملیں، اور قرآن مجید کے فہم کی ایک نئی راہ اور شریعت کے مقاصد کے سمجھنے کا نیا دروازہ کشادہ نہ ہو، ان کی دویم تصنیفات "الجواب الصحیح" اور "منہاج السنۃ" مفصل تبصرہ اور ان کے مضامین کی تلخیص گزر چکی ہے، ان دونوں کے علاوہ ان کی متعدد تصنیفات ایسی ہیں، جو ان کے مجتہدانہ فکر و نظر و ذہن رسا، اور قوت تنقید کی شاہد ہیں، اور ہر عہد کے دماغوں کو جدید و صالح علمی و فکری غذا مہیا کرتی ہیں، اور زمانہ کے اہل علم کو ان میں نیا مواد، نئے دلائل اور نئی تحقیقات نظر آتی ہیں، مثال کے طور پر کتاب النبوات "الرد علی المنطقیین"

اقتضاء الصراط المستقیم نہ صرف اعلیٰ علمی تصنیفات اور اپنے موضوع پر کامیاب کتابیں ہیں بلکہ اس طرح کی خیال آفریں و خیال افروز کتابیں ہیں جو ذہن کو سوچنے پر آمادہ کرتی ہیں اور ان کے سامنے نئے علمی میدان اور سوچنے اور غور کرنے کے لئے نئے مسائل اور مضامین لاتی ہیں۔

تفسیر

امام ابن تیمیہ نے تفسیر کو اپنے فکر و تصنیف کا خاص موضوع بنایا، یہ ذوق ان پر اس قدر غالب تھا کہ ان کی کوئی تصنیف شکل سے ایسی ہوگی جس میں قرآن مجید کی تفسیر کا مواد نہ ملے اور آیات سے استدلال و ان کی شرح و تفسیر نہ ہو، ان کے سامنے جب کوئی آیت آتی ہے تو اس کی تفسیر کئے بغیر ان سے بڑھا نہیں جاتا، ان کے تلامذہ کا بیان ہے کہ انھوں نے جو تفسیری ذخیرہ چھوڑا وہ تیس جلدوں سے زائد ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر وہ ذخیرہ دستیاب ہو جائے تو وہ تفسیر کا ایک بہت قیمتی اور مستند ذخیرہ ہوگا، فکر و نظر کی گہرائی، اسلوب ذوق، روایات پر کامل عبور اور ان سے استشاد، آیات کی زندگی پر تطبیق، اپنے ماحول و معاشرہ سے واقفیت، داعیانہ روح اور جذبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حمیت دین کی جو دولت اللہ نے ان کو عطا فرمائی تھی، اس کی وجہ سے ان کے قلم سے نکلی ہوئی تفسیر شاید سب سے بہتر اور جامع تفسیر ہوتی اگرچہ یہ مفصل سلسل تفسیر اس وقت نایاب ہے، لیکن قرآن مجید کی متعدد سورتوں کی تفسیریں چھپ چکی ہیں اور ان سے ان کی مفسرانہ خصوصیات کا اندازہ ہو سکتا ہے، ان میں سے تفسیر سورۃ الاخلاص، تفسیر معوذتین اور تفسیر سورۃ نور اعصرہ ہوا

لہذا اقتضاء الصراط المستقیم مخالفت اصحاب المجہد کا موضوع اگرچہ صرف یہ ہے کہ غیر مسلموں کے رسوم و شعائر اختیار

نہ کئے جائیں اور ان کی مذہبی تقریبات اور تہواروں میں شرکت نہ کی جائے، مگر سب معمول یہ کتاب بڑے نفیس مباحث و علوم پر مشتمل ہے،

اور شیخ الاسلام کی بہترین تصنیفات میں شمار ہونے کے قابل ہے، اس کا ایک ایڈیشن بڑے اہتمام سے انصار السنۃ قاہرہ نے شائع کیا ہے،

مجلس تحقیق و نشر اسلام لکھنؤ کی جانب سے اس کے ضروری اور موجودہ حالات میں رہنمائی کرنے والے مباحث کو اردو میں اسلام اور غیر اسلامی تہذیب کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

مصر میں چھپ چکی ہیں، حال میں ان کی مختلف تصنیفات میں سے تفسیری حصوں کو علیحدہ کر کے چھاپ دیا گیا ہے، تفسیر سے ان کا تعلق اس میں ان کا اشتغال و انہماک ان کی زندگی میں بھی معروف تھا، یہ ان کا ایسا امتیازی نشان سمجھا جاتا ہے کہ ان کے جنازہ کی نماز کا اعلان بھی اسی عنوان سے ہوا "الصلوة علی ترجمان القرآن" ان کا ایک چھوٹا سا رسالہ اصول تفسیر رکھی ہے، جہاں تک ہم کو معلوم ہے امام ابن تیمیہ کا یہ رسالہ اصول تفسیر کا پہلا مستقل رسالہ ہے۔

حدیث

حدیث اور شرح حدیث میں اگرچہ امام ابن تیمیہ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، اور حدیث کا فن ساتویں اور آٹھویں صدی میں جس وسعت و کمال کو پہنچ چکا تھا، اس کے بعد یہ کام کچھ ایسا ضروری بھی نہیں رہ گیا تھا، مگر ان کی تصنیفات میں اصول حدیث، اسماء الرجال، جرح و تعدیل، نقد حدیث اور فقہ حدیث کا جتنا مواد ملتا ہے، اگر وہ سب علیحدہ جمع کر دیا جائے تو وہ ایک بہت بڑی تصنیف اور ایک بڑی قیمتی ذخیرہ ہوگا، خصوصیت کے ساتھ موضوعات پر ان کی جیسی بے لاگ اور محققانہ رائیں ان کی کتابوں میں ملتی ہیں، اس کا کہیں اور ملنا مشکل ہے، اس سلسلہ میں منہاج السنہ میں جو مواد ملتا ہے، اور بیسیوں مشہور، متداول حدیثوں پر انھوں نے جو کلام کیا ہے، وہ بڑا کارآمد اور نادر ذخیرہ ہے۔

اصول فقہ

اصول فقہ ان کا ایک پسندیدہ اور ذوقی موضوع تھا، جس میں ان کو ملکہ و مہارت حاصل ہو گیا تھا، اور جس میں وہ مجتہدانہ شان رکھتے تھے، ان کی کوئی تصنیف ان اصولی مباحث سے خالی نہیں، اقتضاء الصراط المستقیم اور ان کے فتاویٰ میں اس کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، اور بعض مستقل رسائل مثلاً رسالہ القیاس

یہ تفسیر ابن تیمیہ کے نام سے مطبع قیہ بمبئی میں چھپ چکی ہے۔

منہاج الوصول الی علم الاصول وغیرہ بھی یادگار ہیں۔

علم کلام

امام ابن تیمیہ کی تصنیفات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو شاید علم کلام و عقائد ان کی تحریروں کے پورے نصف حصہ پر مشتمل ہوگا، یاد و ثلث حصوں پر اس موضوع پر ان کے وہ رسائل جو مختلف مقامات اور شہروں کے نام پر معنون ہیں، مثلاً شرح اصہبانہ، رسالہ حمویہ، تدمریہ، واسطیہ، کیلانیہ، بغدادیہ، ازہریہ وغیرہ وغیرہ اس موضوع پر ان کے اصلی خیالات، قوت استدلال، حمیت دینی، اور ان کے علم و ذہانت کا منظر ہیں۔

فقہ

ان کے زمانہ میں ہر مذہب کی فقہ اتنی مدون ہو چکی تھی کہ اس میں نیا اضافہ بہت مشکل تھا، پھر بھی انہوں نے بکثرت مسائل و احکام پر مجتہدانہ نظر ڈالی ہے، اور کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اصول فقہ... کی روشنی میں استنباط و اجتہاد سے کام لیا ہے، فقہ و حدیث میں تطبیق کی کوشش کی اور فقہی آراء و جزئیات کو صحیح احادیث کے تابع بنانے کی کوشش کی، نئے پیش آنے والے مسائل و حالات اور نئی ضروریات کے لئے استنباط و اجتہاد سے کام لیا، جس طرح ہر مذہب کے فقہاء اور قضات ہر عصر میں نئے مسائل پر اجتہاد و استنباط سے کام لیتے رہے تھے، اسی طرح امام ابن تیمیہ نے بھی (جن کے متعلق بعض اہل نظر کا خیال ہے کہ ان میں شرائط اجتہاد صحیح تھے) ان نئے مسائل پر اجتہاد سے کام لیا، اور اپنے فتاویٰ اور اختیارات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا، یہ ذخیرہ فتاویٰ ابن تیمیہ کی چار ضخیم جلدوں میں محفوظ ہے، اور نہ صرف فقہی مسائل و احکام کا بلکہ بہت سے علمی مسائل و اصولی

لے عام طور پر جس شہر سے کوئی استفاء آتا تھا، اسی شہر پر اس رسالہ کا نام رکھ دیا جاتا تھا۔

بجٹوں کا ایک بڑا قیمتی و نادرد ذخیرہ ہے۔

امام ابن تیمیہ کا اثر بعد کی صدیوں پر

اس عظیم علمی کارنامہ کے ساتھ جس میں وسعت بھی تھی اور عمق بھی تھا، اور جس میں نقل و عقل دوش بدوش ہیں، انھوں نے علوم شریعت کی تجدید کی خدمت انجام دی اور فکر اسلامی پر جو جمود و اضمحلال طاری ہونے لگا تھا، اس کو دور کیا نئی علمی راہیں اور نئے فکری دروازے کھولے، اور تصنیفات و مباحث کا ایسا علمی ذخیرہ چھوڑا جس کے مطالعہ سے ذہن میں وسعت، طبیعت میں جولانی اور فکر میں تحریک و نشاط پیدا ہوتا ہے اور جس کے اثر سے ہر دور میں اچھے مصنف، بلند خیال مفکر، پر جوش مصلح اور مخلص داعی پیدا ہوتے رہے، اس فکری و اصلاحی تسلسل و حرکت میں جو آٹھویں صدی کے بعد سے نظر آتی ہے، بلاشبہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا نمایاں حصہ ہے اور وہ علوم و افکار اسلامیہ کے مجددین کبار میں شمار ہونے کے قابل ہیں، خصوصیت کے ساتھ بارہویں صدی ہجری سے عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں جو اصلاحی و فکری علمی تحریکیں پیدا ہوئیں، ان کے ماخذوں میں ایک بڑا ماخذ اور محرک امام ابن تیمیہ کی تصنیفات ہیں۔

۱۔ یہ مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نام سے شیخ فرج الشزکی کر دی کے اہتمام سے ۱۳۲۶ھ میں مصر میں چار حصوں میں شائع ہوا ہے، مجموعی صفحات ۱۵۸۶ ہیں جو پچھلے حصہ کے اخیر میں الاختیارات العلمیہ کے نام سے کتاب ہے جس میں ان کے اختیارات و ترجیحات کو جمع کر دیا گیا ہے، فتاویٰ کا پانچواں حصہ عقائد و علم کلام کے مسائل و رسائل سے متعلق ہے، حکومت سعودیہ کی طرف سے فتاویٰ ابن تیمیہ کے نام سے جو مجموعہ شائع ہوا ہے، اور تیس جلدوں پر مشتمل ہے، اس کی حیثیت ایک مستقل کتب خانہ اور دائرۃ المعارف کی ہے۔

فکر اسلامی کا احیاء

عقائد کا ماخذ کتاب و سنت

عقائد و دینی حقائق کا صحیح ماخذ

امام ابن تیمیہ کا ایک مستقل تجدیدی کارنامہ (جو شاید ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ اور ان کا امتیازی کام ہے) یہ ہے کہ انھوں نے فکر اسلامی کا احیاء کیا، اسلام کا دوسرے نظامہائے فکر کے مقابلہ میں امتیازیہ ہے کہ اس کی بنیاد وحی و نبوتِ محمدی پر ہے اس کے عقائد و حقائق قیاس، تجربے ظن و تخمین اور انسانی ذہانت اور بحث و جدال پر مبنی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ پر مبنی ہیں، پیغمبر نے خدا کی ذات و صفات و افعال، عالم کی ابتداء و انتہاء اور دنیا کے آغاز و انجام، معاد اور اعمال کے خواص و نتائج اور دوسرے مابعد الطبیعیاتی مسائل کے متعلق جن کا دین سے تعلق ہے، جو کچھ اور جتنا کچھ کہہ دیا وہی عقائد ہیں اور وہی حقائق ہیں اور وحی و نبوت کے سوا حقیقت ان کے معلوم کرنے کا پھر ان پر یقین کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہی نہیں، اس لئے کہ تمام معلومات اور حقائق کا ذریعہ علم مبادی اولیہ ہی ہوتے ہیں اور ان حقائق دینیہ و غیبیہ کے مبادی اولیہ ہی کسی کو حاصل نہیں کسی نئی چیز کے علم کا ذریعہ ہی یہ ہے کہ معلومات کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ پھول تک رسائی ہو جائے، لیکن جس طرح ہم کو طبیعات و مادیات کے معلومات اولیہ حاصل ہیں، ان غیبی و دینی حقائق کے ابتدائی معلومات و مقدمات حاصل نہیں، اللہ کی ذات و صفات جو اس عقل دونوں سے ماوراء ہیں اور اس کے بارے میں انسان کو کوئی تجربہ و مشاہدہ حاصل نہیں، اور

نہیں قیاس کے لئے کوئی بنیاد ہے لیسے یکتبہ شیخؒ اس لئے اس بارہ میں سوائے اس کے کہ انسانوں کے اس گروہ پر اعتماد کیا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کا علم یقین خود بخود عطا ہے اور روشنی و ہدایت عطا کی ہے کوئی اور ذریعہ نہیں ہے اور ہمیں اس کے مقابلہ میں انکار و بحث کا کوئی حق نہیں اسی حقیقت کو قرآن مجید میں ایک شعر کی زبان سے اس طرح بیان کیا گیا ہے قَالَ اَتَّخِذُوا لِي اِلٰهًا وَاَقْدَمْتُ هٰذَا لِي (کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث و جدال کرتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بارے میں راستہ پر لگا چکا ہے)۔

فلسفہ کی سعی لاحاصل

یہ ایک ایسی واضح اور روشن حقیقت تھی کہ جس کی موجودگی میں فلسفہ کو ذات و صفات الہی کے بارے میں کسی دوسری کی ضرورت نہ تھی لیکن یہ علم انسانی کی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ کئی ہزار برس تک فلسفہ نے اس شغل لاحاصل کو جاری رکھا اور اپنی بہترین ذہانتیں اور قوتیں ایک ایسے موضوع پر صرف کیں جس کے متعلق خود اس کو اعتراف ہے کہ اس کو اس کے مبادی و مقدمات بھی حاصل نہیں تھے اور اس کے بارے میں اس کے پاس یقین حاصل کرنے اور قطعی رائے قائم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا پھر اس نے اس بارے میں ایسی دقیق و تفصیلی اور ایسی تکلفی سے کام لیا جو علماء لغت و اشتقاق کسی لفظ کے بارے میں اور علماء صرف و نحو تصریف و ترکیب میں برتتے ہیں، بلکہ ماہرین علم الکیمیا اور بیہ نباتات کے بارے میں کرتے ہیں اور مباحث و تفصیلات کا اتنا انبار اکٹھا کر دیا اور ایسی بال کی کھال نکالی کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری بحث کسی ایسی محسوس و مرئی ہستی کے بارے میں ہو رہی ہے جو بالکل ان کے تصرف اور دسترس میں ہے۔

متکلمین کا فلسفہ

اس سے زیادہ عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ متکلمین اسلام نے جو فلسفہ کے رد کے لئے اور اسلام کی

دفاعت کے لئے کھڑے ہوئے تھے، فلسفہ کی انہی اصطلاحات و مفروضات کو تسلیم کر لیا اور خدا کی ذات و صفات کے متعلق ایسے وثوق و حکم اور فیصل و تدقیق سے بحث شروع کر دی گویا وہ بھی کسی محسوس و مشاہدہ ستی اور طبیعی مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، وہ فلسفہ کی تردید کے لئے نکلے تھے، لیکن وہ بھی فلسفہ کے مفروضات اور اصطلاحات کے جنگل میں گم ہو گئے، سوال و جواب و بحث و مباحثہ کے جوش میں ان کو یہ خیال نہیں رہا کہ وہ فلسفہ کو اس کی بنیادی غلطی پر سرزنش کریں کہ وہ ایک ایسے مسئلہ و موضوع سے بحث کر رہا ہے جس کے مبادی و مقدمات اور اس پر بحث کرنے کی استعداد و استحقاق حاصل نہیں اور وہ فلاسفہ سے یہ کہیں کہ تمہارے بحث و نظر کا میدان صرف ریاضیات و طبیعیات ہے، تم کو اپنی بحث و نظر کو اسی میدان کے اندر محدود رکھنا چاہئے، الہیات میں تمہاری مداخلت اپنے حدود سے تجاوز اور دخل در معقولات ہے اور وہ قرآن کے حکیمانہ و طبع الفاظ میں فلاسفہ کو مخاطب کر کے کہیں :-

ہاَنْتُمْ هُمْ وَاَنْتُمْ هُمْ فَمَا لَكُمْ بِلَعْمِ	سننے بھی ہو تم جھگڑ چکے ایسی باتوں میں جس کا تم کو
قَلِمٍ مَّا جُوتَ فَمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ	(تھوڑا بہت) علم تھا، پھر اب کیوں جھگڑا کرتے
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ	ہو، ایسی باتوں میں جس کا تم کو کچھ تو علم نہیں اور
(آل عمران - ۶۶)	اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

قرون متناخرہ میں اسلامی فکر کا انحطاط

پچھلی صدیوں میں تو اسلامی فکر کے انحطاط کا یہ عالم تھا کہ خدا کی ہستی، عالم کے حدوث، توحید معاً تمام بنیادی عقائد کے ثبوت کے لئے ان ہی دلائل اور ترتیب مقدمات کو اصل قرار دے دیا گیا تھا، جو تکلمین نے ترتیب دیئے تھے اور جن کی بنیاد فلسفہ پر تھی، محدثین و فقہاء کے ایک چھوٹے سے گروہ کو چھوڑ کر عام طور پر تکلمین و نظائر عقل کو معیار قرار دیتے تھے اور کتاب و سنت کو عقائد و احکام کا ماخذ بنانے کے بجائے

متکلمین کی کتابوں کو عقائد کا ماخذ بنانے تھے اور فلسفہ کے اعتراضات سے بچنے کے لئے، یا فلسفہ کے بعض ثابت کئے ہوئے اصول کو قائم رکھنے کے لئے اور دین کو ان کے مطابق ثابت کرنے کے لئے وہ آیات و احادیث میں تاویل سے کام لیتے تھے، باوجود فلسفہ کی تردید کے ان پر فلسفہ کا اتنا رعب طاری تھا کہ وہ بجائے فلسفہ کے انکار اور اپنے علم کلام میں تبدیلی کر دینے کے، آیات و احادیث کی تفسیر و تشریح میں تاویل و توجیہ سے کام لیتے، امام ابن تیمیہ اسی ذہنیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

• حالت یہ ہے کہ ہر فرقہ نے اپنے لئے انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی تعلیم کے بارے میں ایک قانون بنا رکھا ہے جس چیز کو ان کی عقول نے تسلیم کر لیا ہے اس کو وہ اصل قرار دیتے ہیں جس پر ان کو اعتقاد و اعتماد ہے، اور جس کو انبیاء علیہم السلام لائے اس کو تابع قرار دیتے ہیں، جس جتنا حصہ ان کے قانون کے مطابق ہوتا ہے اس کو قبول کرتے ہیں اور جو اس کے مخالف ہوتا ہے اس کو قبول نہیں کرتے۔

ان نیک نماز عقائد و مباحث کو اصل و معیار قرار دینے کے بعد اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ ان مباحث میں بڑے بلند اور عمیق علوم اور بڑے حکم و معارف ہیں، ایک کشمکش پیش آتی تھی کہ اگر یہ اعلیٰ علوم و معارف ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کا کلام ان سے کیوں خالی ہے اور ان کے یہاں تفصیلات و نزقیات کیوں نہیں ہیں؟ جو لوگ فلسفہ اور علم کلام پر پورا ایمان رکھتے تھے اور ان کا دماغ اس سے پورے طور پر مسحور تھا، وہ بھی صاف صاف اور بجا دبی زبان سے یہ کہہ دیتے کہ وہ زمانہ ابتدائی زمانہ تھا، اس زمانہ کے لوگ سیدھے سادھے لوگ تھے، ان کو ان حقائق اور ان گہرے علوم کی خبر نہیں تھی، جو لوگ فلسفہ کی عظمت کے بھی قائل تھے اور صحابہ کرام کی عظمت کے بھی معترف تھے، وہ ایک نچیر اور کشمکش کی حالت میں تھے اور ان سے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں بن پڑتا تھا، امام ابن تیمیہ ان مختلف گروہوں کی ذہنی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ علم کلام کی بحثیں اصول دین پر مشتمل ہیں اور ان کے اندر علوم کلیہ،

لہ بیان موافقہ صریح المعقول لاصح المنقول حصہ اول ص ۳۲۲

معارف الہیہ حقیقی حکمت اور بنیادی فلسفہ ہے ان میں سے بہت سے لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصول دین سے واقف نہیں تھے، جنہوں نے بہت رعایت کی انہوں نے یہ کہا کہ آپ واقف تو تھے لیکن آپ نے ان اصول کو بیان نہیں کیا جن کے دل میں نبی کا احترام ہے وہ کہتے ہیں کہ صحابہ تابعین ان اصول سے واقف نہیں تھے جن کے دلوں میں صحابہ تابعین کی بھی عظمت ہے اور ان تکلمین و فلاسفہ کے اقوال کی بھی وہ ایک تحریف و تشکیک کی حالت میں ہیں اور ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کہ ان بزرگوں نے ان امور و مسائل میں کیوں کلام نہیں کیا، جو افضل العلوم ہیں اور جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کی عظمت بھی ان کے دل میں ہے ان کے یہ بڑا اشکال معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دین کے ان اصولی مسائل کی تشریح و تفصیل کیوں نہیں فرمائی، حالانکہ دوسرے مسائل کے مقابلہ میں لوگوں کو ان کی ضرورت زیادہ ہے۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ فلسفہ و علم کلام کے ان پرتاروں نے اللہ اور اس کے رسول کے قول کو مجمل قرار دیا جس سے کوئی علم و ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی اور اپنے مشابہ کلام کو محکم اور اللہ اور اس کے رسول کے محکم کلام کو متشابہ قرار دیا۔

عقل کی تعظیم و تقدیس میں مبالغہ

فلاسفہ اور تکلمین دونوں نے مل کر صدیوں عقل کا ایسا آواز بلند کیا اور ذات و صفا کے مسائل میں اس کو اس طرح حکم و میزان قرار دیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان مسائل میں ایسی طرح فیصلہ کرنے کی مجاز ہے جیسے محسوسات میں ہمارے اس جسم اور عملیات میں تجربہ و استقراء اس صورت حال کا نتیجہ یہ تھا کہ عقل شریعت کے ثبوت کے لئے خواہ شرعیات ہوں خواہ فقہیات بنیادین گئی، اسلام کی ان چھ صدیوں میں کسی مفکر اور عالم نے عقل کی اس غیر محدود فرمانروائی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی جرأت نہیں کی، حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفہ کے حصہ الہیات کے

خلاوت قلم اٹھایا، اور اس کو اپنے طنز و تحقیر کا نشانہ بنایا، لیکن عقل کی اس مطلق العنان سلطنت اور اس کے دخل در معقولات کے خلاوت انہوں نے بھی کوئی مؤثر آواز بلند نہیں کی، امام ابن تیمیہ (ہمارے علم میں) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس صورت حال کے خلاوت بلند آہنگی کے ساتھ صدائے احتجاج بلند کی اور پوری جرأت کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ عقائد و حقائق کا اصل ماخذ وحی و نبوت اور کتاب و سنت ہے، عقل ان کی مؤید اور مصدق تو ہے، لیکن ان کے ثبوت کی بنیاد نہیں وہ ایک جگہ صاف لکھتے ہیں:-

ان العقل ليس اصلاً لثبوت الشرع في	عقل في نفسه شرعية ثبوت كنه اصل كحیثیت نہیں
نفسه ولا معطياته صفة لم تكن له ولا	رکھتی، اور نہ اس کو کوئی ایسی صفت بخشی ہے جو اس کو
مفيداً له صفة كمال له	پہلے سے حاصل رہتی، اور نہ اس کو کمال کی صفت عطا کرتی ہے

عقل کا منصب و مقام

ان کا کہنا یہ ہے کہ عقل صرف معترف و رہنما ہے، اس کا کام یہ ہے کہ رسول کی صداقت و عصمت کے اقرار و اعتراض تک پہنچا دے، پھر سبکدوش ہو جائے، عقل یہ ثابت کر دیتی ہے کہ رسول جو کچھ اطلاع دے اس کی تصدیق اور جو کچھ حکم دے اس میں اس کی اطاعت واجب ہے، وہ رسول کی صداقت پر عمومی اور مطلق حیثیت کے دلائل کرتی ہے، ان کے نزدیک اس کی حیثیت بالکل ایسی ہے، جیسے کوئی عامی شخص کسی ناواقف کو شہر کے مفتی کے پاس پہنچا دے اور بتلا دے کہ یہ عالم مفتی ہے، پھر اگر اس عامی رہنما اور اس مفتی کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو مفتی کا بھی فرض ہوگا کہ وہ مفتی کے قول کو ترجیح دے اور اس عامی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ میں نے ہی تو رہنمائی کی ہے، اگر میں رہنمائی نہ کرتا تو تم کو اس مفتی تک رسائی کیسے ہوتی؟ وہ لکھتے ہیں کہ رسالت کے علم کے بعد عقل کا کام ہے کہ وہ رسول پر اعتماد اور اس کی اطاعت کرے جس طرح ہر فن میں صاحب فن کی تقلید کی جاتی ہے،

لہ بیان موافقہ مرجع العقول بصیح النقول ج ۱ ص ۱۳۳ لہ ایضاً ص ۱۳۳

اور بے چوں و چرا اس کے مشورہ پر عمل کیا جاتا ہے اور اس کے قول کو قولِ فصل سمجھا جاتا ہے، اسی طرح سے امورِ غیبیہ احکام و شرائع اور ابوالطبیعیات میں رسولِ مند کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا قول قولِ فصل ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”جب کسی شخص کو عقل سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص رسول ہے اور اس کے نزدیک یہ ثابت ہو جا کہ اس نے کسی چیز کی خبر دی ہے اور اس کی عقل اس میں کوئی اشکال پیش کرے تو اس کی عقل ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ یہ مختلف فیہ چیز ایسی ہی پر متحول کرے جو اس کے مقابلہ میں اس کا زیادہ علم رکھتی ہے اور اپنی رائے کو اس کے قول پر مقدم نہ رکھے، اور یہ سمجھئے کہ اس کی عقل اس کے مقابلہ میں قاصر اور ضعیف ہے اور اس سستی کو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے اسماء و صفات کا اور یومِ آخرت کا علم زیادہ ہے جو فرق اس عالمی شخص اور ایک پیغمبر میں ہے، وہ فرق اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے جو جو ام اور علمائے طب میں ہے، پس جب وہ اپنی عقل کے بموجب ایک یہودی طبیب کی بھی اطاعت کرتا ہے اور غذا، شربت، صناد (لیپ) اور سہلات و خیرہ کی جو مقدار اور ترکیب تجویز کرتا ہے تو باوجود تکلیف اور مشقت کے وہ اس کی تعمیل کرتا ہے محض یہ سمجھ کر کہ یہ طبیب اپنے فن کا مجھ سے زیادہ واقف ہے اگر میں اس پر اعتماد کروں گا اور اس کے مشورہ کی تعمیل کروں گا تو صحت کی امید ہے، باوجود اس کے کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اطباء سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور بہت لوگوں کو طبیعوں کی تجویز اور معالجہ سے صحت بھی نہیں ہوتی، بلکہ بعض اوقات یہی علاج موت کا سبب بن جاتا ہے، اس کے باوجود وہ اس کا قول قبول کرتا ہے اور اس کی تقلید کرتا ہے، خواہ اس کا گمان اور اجتہاد طبیب کی تجویز کے مخالف ہو، اس کے سمجھنا چاہئے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں مخلوق کی حیثیت کیا ہے، پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خدا کے پیغمبر صادق القول ہوتے ہیں اور ان کو بھی صحیح اطلاع دی جاتی ہے، یہ ممکن نہیں کہ ان کی اطلاع خلاف واقعہ ہو اور جو لوگ محض اپنی عقل کی بنا پر ان کے اقوال کا مقابلہ کرتے ہیں ان کی جہالت اور ضلالت کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔“

لے بیان موافقہ صریح العقول للصحیح المنقول حصہ اول ص ۵۰

رسول پر بلا شرط ایمان ضروری ہے

جو لوگ عقلیات اور فلسفہ سے متاثر تھے ان کی ذہنی ساخت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ شریعت کی جو بات عقل اور اصول فلسفہ کے مطابق ہوتی اس کو ان کا ذہن قبول کرتا اور جو ان کے ان اصول و مسلمات کے خلاف ہوتی اس کے قبول کرنے سے ان کا ذہن قاصر رہتا، اور اس میں ہزاروں کھنسیں محسوس کرتے ان میں سے جو لوگ میاں اور جری ہوتے وہ صاف انکار کرتے اور کہتے کہ شریعت کا مطابق عقل ہونا ضروری ہے یہ بات چونکہ عقل کے خلاف ہے، اس لئے قابل قبول نہیں جو لوگ اس درجہ جری نہ ہوتے وہ اس کی توجیہ کرتے اور بعید سے بعید تاویل سے ان کو باک نہ ہوتا، امام ابن تیمیہ نے جا بجا یہ ثابت کیا ہے کہ رسول پر بلا شرط ایمان ضروری ہے اور رسول کی صحیح حیثیت و منصب یہی ہے کہ اس پر غیر شرط طریقہ پر ایمان لایا جائے اور درحقیقت اسی کا نام ایمان ہے شرط تصدیق کا نام شریعت کی اصطلاح میں ایمان ہی نہیں ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

فقہ الجملة لا يكون الرجل مؤمنا حتى	خلاصہ یہ ہے کہ انسان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا
يؤمن بالرسول ايمانا جازما ليس مشروطا	جب تک کہ رسول پر ایسا قطعی ایمان نہ لائے جس کے ساتھ کسی
بعد معارض فمضى قال او من بخيرة الا	معارض کے نہ ہونے کی بھی شرط نہ ہو جب وہ شخص کہے گا کہ
ان يظهر له معارض يدفع خيرة لم يكن	میں رسول کی اطلاع پر اس وقت تک کہ لے ایمان لائے اور
مؤمننا به فهذا اصل عظيم يجب معرفته	جب تک کہ کوئی ایسا معارض ظاہر نہ ہو جو اس کی اطلاع
	کی تردید کرے تو وہ شخص مومن نہیں ہو گا یہ ایک بہت
	بڑا اصول ہے جس کا جاننا ضروری ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

لہ بیان ممانعة مریح المعقول لصحيح المنقول بحصہ اول ص ۱۱۱

دین اسلام سے یہ بات قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ مخلوق پر رسول کی ایسی تصدیق و ایمان واجب ہے جو قطعی اور دعویٰ ہو جس میں کوئی شرط اور قید نہ ہو اور یہ کہ اس کی ہر اطلاع کی تصدیق کی جائے اور اس کے حکم کی اطاعت کی جائے اس کے خلاف جو بات بھی ہوگی وہ باطل ہوگی، جو شخص رسول کی اس بات کی تو تصدیق کرتا ہے جس کو اس کی عقل قبول کرتی ہے اور اس کی اس اطلاع کو رد کرتا ہے، جو اس کی رائے اور عقل کے خلاف ہوتی ہے اور رسول کی اطلاعات پر اپنی عقل کو مقدم رکھتا ہے اور یہ بھی کہے جاتا ہے کہ میں رسول کو سچا جانتا ہوں، تو وہ متناقض باتیں کرتا ہے اور فاسد العقل اور لحد ہے اور جو شخص کہتا ہے کہ میں اس وقت تک رسول کی اطلاع کی تصدیق نہ کروں گا جب تک کہ میں اس کو اپنی عقل سے سمجھ نہ لوں تو اس کا کفر کھلا ہوا ہے۔

عقل کے ہوائی قلعے

امام ابن تیمیہ اس کے بعد مدعیان عقل کے اس دعویٰ کا بھی جائزہ لینے ہیں کہ عقل و نقل میں اکثر تعارض و تضاد ہوتا ہے اور پیغمبروں نے جن چیزوں کو عقائد و حقائق کے طور پر پیش کیا ہے، وہ بعض اوقات صریح عقل و ہدایت کے خلاف ہوتے ہیں اور ان حقائق و مسلمات سے متصادم ہوتے ہیں جو ہزاروں برس کے غور و فکر کا نتیجہ اور فلسفہ کی بنیاد ہیں، وہ ثابت کرتے ہیں کہ جن عقلیات کو پیغمبروں کی اطلاعات اور کتاب و سنت کے نصوص کا معارض بتایا جاتا ہے وہ اکثر محض توہمات ہیں اور غور کرنے کے بعد عقل کے ہوائی قلعے ثابت ہوتے ہیں، اگر ان کی علمی تنقید اور احتساب کیا جائے اور ان کو قریب سے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ یہ محض لفاظی اور ہوا بندی تھی ان کی کوئی علمی بنیاد نہیں، وہ لکھتے ہیں:-

”بہت سے وہ عقلیات جن کا یہ مدعیان عقل دعویٰ کرتے ہیں اور ان کو نصوص کا مخالف بتلاتے ہیں، تنقید اور

امتحان کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ ان میں کوئی حقیقت نہیں تھی، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی بچوں کو یا بچوں کی

طرح ناواقف آدمی کو خالی سوکھی ہوئی مشکلیں ہلا ہلا کر اور بجا کر ڈرائے، جب کبھی معقولات پر پورا غور

کیا جاتا ہے اور ان پر گہری نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود رسول کی اطلاعات کی صداقت کے لئے دلائل و براہین کا کام دیتی ہیں اور یہ کہ اس کی اطلاعات سے جو کچھ لازم آتا ہے وہ صحیح ہے اور جس شخص نے اس کی نفی کی ہے وہ محض حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر اور ظاہری اور باطنی طور پر عیوب ہو کر بالکل جیسے کوئی شخص معبودان باطل سے ڈر جائے اور سمجھے کہ وہ اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں یا کوئی شخص اپنے ضعف ایمان کی وجہ سے دشمن اسلام سے جو خود کمزور ہو، ہراس زدہ اور اسیر ہو جائے۔
دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

یہ لوگ جو فلسفہ کے مہیب و پرشکوہ الفاظ سے ان کی حقیقت کے جلنے بغیر عیوب ہو گئے ہیں ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی نامرد دشمن سے محض ان کا لباس اور پوشاک دیکھ کر مرعوب ہو جائے اور اس کو ان کی حقیقت حال دریافت کرنے کی نوبت نہ آئے، لیکن جو شخص ان کی حقیقت دریافت کرے گا وہ دیکھے گا کہ وہ خود انتہائی ضعیف و عاجز ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

سَلَفِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرَّعْبُ
ہم جلد ہی ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں ہمت
بِمَا أَشْرَكُوا يَا اللَّهُ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا
کیونکہ انہوں نے شریک جانا اللہ کا جن کی اللہ نے کوئی
سند نہیں اتاری۔ (آل عمران - ۱۵۱)

اہل دانش کی بے دانشی

وہ کہتے ہیں کہ ان اقوال و تدقیقات پر خود کیا جائے جن پر ان کو بڑا ناز ہے اور جن کو انہوں نے الہیات کا نام دیا ہے اور جن کو ان کے پیرو انبیاء علیہم السلام کے کلام کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں، نظر انصاف سے دیکھا جائے کیا اس میں اور دیوانوں کی بے سرو پاتوں میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے:-

۱۵۲ بیان موافقہ صریح العقول لبعج العقول جسد چہارم ۱۵۳ ۱۵۴ ایضاً ۱۵۴

”صاحب عقل ان لوگوں کے کلام کو غور سے دیکھے جو بڑی مہارت اور تحقیق کے مدعی ہیں اور اپنی عقل و دانش سے انبیاء علیہم السلام کے کلام کو رد کرتے ہیں فلسفہ کی چوٹی پر پہنچ کر اور عقل و حکمت کے بلند ترین مقام سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو دیوانوں کی باتوں سے بالکل ملتی جلتی ہیں جو صحیح و حق باتِ بابرہ ثابت ہے اس کو رد کرتے ہیں اور جو بے بنیاد اور بے اصل بات جس کا بطلان بالکل یہی اور ظاہر ہے اس کو اپنے تلبیس آمیز کلام سے مقبول بناتے ہیں۔“

صریح عقل و ریح نقل میں کبھی تعارض نہیں ہوتا

لیکن امام ابن تیمیہ عقل کا پورا احترام کرتے ہیں، ان کے نزدیک قرآن مجید میں جا بجا عقل سے کام لینے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کی گئی ہے، ان کے نزدیک صحیح عقل اور صحیح نقل میں کبھی تعارض نہیں ہو سکتا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے وسیع مطالعہ و طویل غور و فکر میں کبھی عقل و نقل میں تعارض و تضاد نہیں دیکھا، لیکن شرط یہ ہے کہ عقل سلیم ہو اور نقل صحیح و محفوظ ہو اس موضوع پر انھوں نے ایک مستقل ضخیم کتاب بیان موافقہ صریح المعقول لاصحیح المنقول تصنیف کی ہے جس میں انھوں نے مفصل و مدلل طریقہ پر ثابت کیا ہے کہ معقول و منقول میں پوری موافقت ہے اور جو باتیں وحی و نبوت کتاب و سنت سے ثابت ہو چکی ہیں صحیح و کامل عقل ان سب کی تصدیق کرتی ہے عقل ہمیشہ ان نصوص منقولہ کی تائید و تصدیق کرتی رہی اور جب بالغ نظر کا اور وقت نظر سے کام لیا جائے گا عقل کو ان منقولہ کی تائید و تصدیق ہی میں دیکھا جائے گا، وہ لکھتے ہیں:-

”صحیح و واضح عقلی دلائل جن میں کوئی شک نہیں ہے بلکہ فنی فطری علوم سب کے سب انبیاء علیہم السلام کی

اطلاعات کے موافق ہیں، مخالف نہیں اور صحیح عقلی دلائل تمام نقل و روایت (صحیح) کے مطابق ہیں ذرا بھی

اس خلاف نہیں، انھوں نے مختلف فرقوں کا کلام اور ان کے مسائل پر غور کیا ہے اور اسی بات کو صحیح پایا ہے۔“

۱۔ ایضاً صوم ۱۴۲ ۲۔ یہ کتاب منہاج السنہ کے حاشیہ پر چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ ۳۔ حصہ اول ص ۷۷

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

”منقول صحیح کا کبھی حقول صریح معارض نہیں ہوتا، میں نے اختلافی مسائل میں بھی اس اصول کی تحقیق کی اور میں نے یہی دیکھا کہ صحیح و صریح نصوص کے خلاف جو کچھ پیش کیا جاتا ہے، وہ محض قاصر شہادت ہوتے ہیں جن کا بطلان عقل سے ثابت ہوتا ہے بلکہ عقل سے ان شہادت کے بالکل خلاف اور شرع کے بالکل موافق ثابت ہوتا ہے، میں نے بڑے بڑے اصولی مسائل تو حید و صفا، مسائل قدر و ثواب وغیرہ کو بھی اس نظر سے دیکھا اور یہی پایا کہ جو صراحت عقل سے ثابت ہوتا ہے، اسی سمعیاً و منقولاً ان کے مخالف نہیں ہوتے، بلکہ وہ نقل و روایت جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ صریح عقل کے خلاف ہے، تحقیق سے یا تو موضوع حدیث ثابت ہوتی ہے، یا اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے، اس لئے وہ دلیل بنانے کے قابل نہیں ہوتی، ہم جانتے ہیں کہ سب سے بڑی چیزوں کی اطلاع نہیں دیتے، جو عقلاً محالات میں سے ہیں، بلکہ ان چیزوں کی اطلاع دیتے ہیں جن میں عقل حیران و سرگشتہ ہوتی ہے، وہ اس چیز کی اطلاع نہیں دیتے جس کی عقل نفی کرتی ہے، بلکہ اس چیز کی اطلاع دیتے ہیں جس کی حقیقت سمجھنے سے عقل عاجز رہتی ہے۔“

وہ دعویٰ سے کہتے ہیں (اور ان کا دعویٰ بڑا وزن رکھتا ہے) کہ ایک حدیث یا نقل بھی عقل کے مخالف نہیں اور اگر ایسی کوئی حدیث ہے تو وہ اہل فن کے نزدیک ضعیف یا موضوع ہے۔

قرآن میں بہترین عقلی دلائل ہیں

ان کو متکلمین و فلاسفہ کے اس دعویٰ کے تسلیم کرنے سے انکار ہے کہ قرآن مجید ایک ایسا صحیفہ ہے جس کی بنیاد محض نقلیات و سمعیات پر ہے، انہوں نے جا بجا ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں بہترین عقلی دلائل ہیں اور دلائل ایسے محکم، مدلل اور واضح الثبوت ہیں جن کو فلاسفہ اور متکلمین کے دلائل جو بحث و تنقید کے بعد تار عنکبوت ثابت ہوتے ہیں، پہنچ نہیں سکتے، وہ فرماتے ہیں :-

۰ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے عقلی دلائل بیان فرمائے ہیں جن کی اس علم میں ضرورت ہے اور یہ فلاسفہ و متکلمین ان کا پورا اندازہ بھی نہیں کر سکتے، یہ جن دلائل و نتائج کو پیش کرتے ہیں، قرآن مجید نے ان کا علامہ بہترین طریقہ پر پیش کر دیا ہے؛
دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

۰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثبات صالح اور اس کی صفات و افعال کی معرفت کے سلسلہ میں دنیا کے سامنے جو کچھ پیش کیا وہ صریح عقل کے مطابق ہے اور عقلاء کی بڑی بڑی عقلی بلند پروازیوں کے بلند ہے ان اگلے پچھلے فلاسفہ و متکلمین کو جن دلائل پر بڑا ناز ہے وہ قرآن مجید میں ضمناً آجاتے ہیں لیکن یہ فلاسفہ حق و باطل کی تلبیس کے عادی ہیں اس لئے اس کو یہ سیدھے طریقہ پر بیان نہیں کرتے؛
رسول کی تعلیم میں تلباس نہیں

فلاسفہ و متکلمین اور ان کے ہنر اوّل کے گروہ میں بہت لوگ اس بات کے قائل تھے کہ رسول نے ذات و صفات کے بارے میں پوری تفصیل و تشریح سے کام نہیں لیا، بلکہ ان چیزوں کو مجمل و مبہم طریقہ پر بیان کیا گیا ہے، قرآن مجید کا بہت سا حصہ شرح کا محتاج ہے اور خدا نے پچھلے دور میں متکلمین کو یہ توفیق دی کہ وہ اس کی شرح و تفصیل کریں اور عقائد و حقائق دینی کو مفصل و مدلل طریقہ پر امت کے سامنے پیش کریں، وہ کہتے ہیں کہ رسول کو بلاغِ مبین کا حکم تھا، آپ نے ہر اس چیز کی تفصیل و تشریح کی جس کی تفصیل و تشریح دین کے لئے ضروری تھی، عقائد و اصول دین کی بنیادیں اور خدا کی ذات و صفات جس کے بغیر معرفت اور انسان کی سعادت و نجات ممکن نہیں، کیسے مجمل و مبہم چھوڑے جاسکتے تھے جس کتاب کے سمجھنے اور سمجھ کر پڑھنے اور اس پر غور و تدبیر کی جا بجا دعوت دی گئی ہے، وہ اس اجمال و ابہام کی حالت میں کیسے چھوڑی جاسکتی تھی، وہ لکھتے ہیں:-

۰ رسول نے تبلیغ کا حق ادا کیا، اور کمال و واضح طریقہ پر خدا کی بات پہنچائی، اور اس کے مراد و منشاء

کو واضح کیا، قرآن و حدیث میں اگر کوئی لفظ ایسا ہے جس کے ظاہری معنی نہیں لئے جاسکتے تو
 یہ ضروری بات ہے کہ رسول نے دوسرے لفظوں سے اس کے معنی و مراد کی تعیین کی، یہ ممکن نہیں کہ
 آپ ایسے لفظ بولیں جس کا ظاہری مفہوم و مدلول باطل ہو، اور آپ اس کی صحیح مراد بیان نہ کریں اور
 یہ بات بھی کسی طرح عقل میں نہیں آتی کہ آپ لوگوں سے کلام کے اس مطلب کے سمجھنے کا مطالبہ کریں جس کی
 آپ نے ان سے تشریح نہ کی ہو، اور جس کی رہنمائی نہ فرمائی ہو، محض اس وجہ سے کہ لوگ اس کو اپنی عقل سے سمجھ سکتے
 ہیں، حقیقت میں اس رسول پر بہت بڑا اعتراض ہے جس نے خدا کی بات بے کم و کاست پہنچائی ہے
 دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

”الشر تاملے نے رسول کو بلاغ میں کا حکم دیا، اور آپ بڑھ کر اپنے رب کا کوئی فرمانبردار ورتا بعد از نہیں
 تھا، تو یہ ضروری بات ہے کہ آپ نے بلاغ میں پہنچایا، اس بلاغ میں آپ کے بیان میں تقاسم نہیں
 نہیں ہو سکتی، باقی جن آیت کے متعلق قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ متشابہا ہیں جن کی تاویل شر تاملے کے واکوئی
 نہیں جان سکتا تو یہاں تاویل سے مراد تفسیر نہیں بلکہ ان کی حقیقت ان کے وقوع کی شکل اور ان کا مال ہے۔“

امام ابن تیمیہ کی دعوت اور ان کا کارنامہ

غرض یہ کہ امام ابن تیمیہ نے اس بات پر پورا زور دیا ہے کہ عقائد کا ماخذ وحی و نبوت اور کتاب و
 سنت کو بنایا جائے اور انہی کے نصوص کو اس بارے میں معیار کا درجہ دیا جائے، انہوں نے ساری عمر
 اس کی دعوت دی اور مشکل سے ان کی کوئی تصنیف اس سے خالی نظر آئے گی، اس طرح انہوں نے
 فکر اسلامی کو طاقت و نازگی بخشی، جو فلسفہ و علم کلام اور عجمی روح سے بہت کچھ مجروح و مضمحل ہو گئی تھی۔

۱۶ حصہ ص ۱۷۷ امام ابن تیمیہ نے اپنی مختلف تصنیفات میں تفصیل کے ساتھ اس بات کو ثابت کیا

ہے کہ تاویل کے تین معنی ہیں ایک اصطلاح قرآنی جس سے مراد حقیقت و مال ہے، ایک اصطلاح متقدمین جس سے مراد تفسیر ہے اور

ایک اصطلاح متاخرین و تکلمین جس سے مراد کسی لفظ کے وہ معنی مراد لینا جو ظاہری طور پر نہ نکلتے ہوں کسی خاص وجہ سے۔

فہیات کا ماخذ کتاب و سنت

دورِ تقلید سے پہلے

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کسی ایک امام یا کسی ایک مذہب (فقہی) کی تقلید کا رواج نہیں ہوا تھا، لوگ کسی ایک عالم کی تقلید یا کسی ایک مذہب کی تعین اور التزام کے بغیر عمل کرتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ وہ شریعت پر عمل کر رہے ہیں اور براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر رہے ہیں، اسی طرح سے ضرورت کے وقت کسی معتبر عالم سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے، اور عمل کرتے تھے، چوتھی صدی میں بھی کسی ایک مذہب کی تقلید قائل اور اس کے اصول و طریق پر فقہ حاصل کرنے اور فتویٰ دینے کا دستور عام نہیں تھا، شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:-

چوتھی صدی میں بھی امت کے دو طبقوں کا معاملہ الگ الگ تھا، عوام ان مسائل میں جو اجامی ہیں اور جن میں مسلمانوں کے درمیان یا جمہور مجتہدین میں کوئی اختلاف نہیں، صاحبِ شرع (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہی کی تقلید کرتے تھے، وہ وضو، غسل اور نماز و زکوٰۃ کا طریقہ اپنے والدین یا اپنے شہر کے اساتذہ و مرہبوں سے سیکھ کر اسی کے مطابق چلتے رہتے تھے، اگر کوئی غیر معمولی صورت حال پیش آتی تو اس کے بارے میں کسی غشی سے جو ان کو میرا آتا، استفتاء کرتے تھے، اس میں کسی مذہب کی شرط نہ تھی۔
خواص میں سے جن کا اشتغال حدیث نبوی سے تھا، ان کو صحیح احادیث اور آثار صحابہ کی موجودگی

میں کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی، کوئی مشہور صحیح حدیث جس پر بعض فقہاء نے عمل کیا ہے اور جس پر عمل نہ کرنے کا کسی کے پاس کوئی عذر نہیں یا جمہور صحابہ و تابعین کے اقوال جو ایک دوسرے کے مؤید ہوتے تھے ان کے لئے کافی تھے، اگر مسئلہ میں ان کو کوئی ایسی چیز نہ ملتی جس سے قلب مطمئن ہوتا، اس وجہ سے کہ روایات متعارض ہیں یا تریح کی وجہ ظاہر نہیں ہے، یا اسی طرح کا کوئی اور اشکال پیش آتا تو فقہاء متقدمین میں سے کسی کے کلام کی طرف رجوع کر لیتے، اگر اس مسئلہ میں دو قول ملتے تو ان میں جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا، اس کو اختیار کرتے، خواہ وہ اہل مدینہ کا قول ہو یا اہل کوفہ کا۔

جو ان میں سے اہل تخریج ہوتے، وہ لیے مسئلہ میں جس میں کوئی صراحت نہ پاتے تخریج اور اجتہاد فی المذہب کے کام لیتے اور ان اہل تخریج کی ان مذاہب کی طرف نسبت کی جاتی (جس میں وہ تخریج سے کام لیتے) اور کسی کو شافعی اور کسی کو حنفی کہا جاتا، خود محدثین میں سے جس کا کسی مذہب کی طرف زیادہ میلان ہوتا، اور وہ اکثر مسائل میں اس سے اتفاق کرتا، ان مذاہب کی طرف نسبت کی جاتی چنانچہ نسائی اور بیہقی کو شافعی کہا جاتا ہے، اس وقت قضا و افتاء کے منصب پر انہی لوگوں کا تقرر ہوتا جو مجتہد ہوتے اور فقیہ اس کو کہا جاتا جو اجتہاد کی قابلیت رکھتا تھا۔^۱

تقلید کی ابتداء اور اس کے اسباب

پونہ صدی کے بعد سے کچھ نو علماء کے اختلافات اور بحث و مناظرہ کی وجہ سے کچھ ان کے دینی و اخلاقی معیار کے سہت ہو جانے کی وجہ سے کچھ علمی انحطاط اور سہت ہمتی اور کم محنتی کی وجہ سے اس کی ضرورت پیش آئی اور اسی میں عافیت و حفاظت سمجھی گئی کہ پیشروائے مجتہدین اور مذاہب مدونہ کی تقلید اختیار کر لی جائے، اور معاصرین کے بجائے متقدمین کے فتویٰ پر عمل کیا جائے، لیکن عرصہ تک اس میں وہ تعین و التزام اور تقلید شخصی کی

۱۔ حجة الشرا بالذمہ حصہ اول ص ۱۲۲ باب حکایت حال الناس قبل المایة الالابۃ و بعدہ۔

وہ پابندی نہیں پیدا ہوئی تھی جو بعد کی صدیوں میں نظر آتی ہے رفتہ رفتہ تعین و التزام اور تقلید شخصی کو اختیار کیا گیا لیکن اس کی حیثیت بھی شرعی نہیں بلکہ انتظامی تھی، انتشار اور اتباع ہوئی سے بچانے کے لئے نیز عملی بہت کی بنا پر ایک مذہب کی تقلید علماء راجح ہو گئی، اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر اور واقعات کے عین مطابق تھا خصوصاً تاتاری یورش کے بعد عالم اسلام پر جو عالمگیر فکری انحطاط اور علمی زوال طاری ہوا اور ایسی بلند شخصیتوں کا عام فقدان ہوا جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتی ہوں اور فرقوں اور فتنوں کی گرم بازاری ہوئی تو اسی میں عافیت سمجھی گئی کہ جن مذاہب کا کتاب و سنت کے مطابق ہونا ثابت ہے اور جو بحث و مباحثہ کے منازل طے کر چکے ہیں اور ان کی تدوین مکمل ہو چکی ہے ان پر عمل کیا جائے یہ خصوصیات مذاہب اربعہ میں پورے طور پر پائی جاتی تھیں اس لئے عام طور پر انہی کو اختیار کیا گیا۔

تقلید کی حیثیت

لیکن اس تقلید کی حیثیت بھی صرف یہ تھی کہ تقلید کرنے والا اس امام پر مذہب معین کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا تھا کہ وہ دراصل کتاب و سنت پر عمل کر رہا ہے اور صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کر رہا ہے امام اس کے اور پیغمبر کے درمیان اسی طرح واسطہ ہے جیسے کوئی معاصر استاد اس کی حیثیت محض ترجمان یا تالیف کی ہے مطاع یا شائع کی نہیں، شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ ہیں:-

لا یدین الا بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم	وہ مقلد صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا پابند
ولا یعتقد خلافاً لآمالہ اللہ ورسولہ	ہے، حلال اسی کو سمجھتا ہے جس کو اللہ اور رسول حلال کہیں
ولا حراماً الا ما حرمہ اللہ ورسولہ لکن	اور حرام اسی کو مانتا ہے جس کو اللہ اور رسول حرام فرمائیں لیکن
لما لم ین لہ علم بما قالہ النبی صلی اللہ علیہ	چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا اس کو براہ راست
وسلم ولا بطریق الجمع بین المخالفات من	علم نہیں اور آپ سے جو مختلف حدیثیں روایت کی جاتی ہیں

کلامہ ولا بطریق الاستنباط من کلامہ اتباع
 ان میں تطبیق کی اس کو بیاقت نہیں اور نہ آپ کے کلام سے
 عالمًا راشدًا علیٰ اتہ مصیب فی ما یقول
 مسئلہ ثابت کرنے کا اس کو ملکہ ہے اس لئے اس نے ایک حتمی
 عالم کی اس بنا پر پیروی کی ہے کہ وہ ظاہری طور پر صحیح فتویٰ
 دہتی تھا ہر امتیاع متتہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم فان خالف ما یظنہ اقلع من
 ہے اگر اس کے اس گمان کے خلاف نکلے گا تو وہ اسی وقت
 ساعتہ من غیر جمدال ولا اصرار
 بغیر کسی بحث و اصرار کے اس فتویٰ اور مذہب کی پیروی
 سے ہٹ جائے گا (اور حدیث پر عمل کرے گا)

ظاہر ہے کہ اس طرح کی تقلید پر (جو محض سنت کی پیروی کی ایک عملی شکل ہے) کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا
 ایسے عامی آدمی کو اجتہاد یا استنباط مسائل کا مکلف قرار دینا تکلیف بالا یطاق اور بدہمت کا انکار ہے،
 اس طرح کی تقلید یا کسی غیر معین یا معین فقیہ یا مجتہد کی طرف رجوع کا دستور ہر زمانہ میں رہا ہے یہ رجوع
 خواہ اچھا نا ہو خواہ دائمی قابل اعتراض نہیں، حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:-

استفتاء اور افتاء کا دستور مسلمانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے چلا آ رہا ہے،
 اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کسی معین شخص سے ہمیشہ استفتاء کرے یا کبھی ایک سے کہے
 اور کبھی دوسرے سے کہے ایسی حالت میں کہ اس کے خیال میں وہی بات ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے (یعنی
 یہ کہ اصل پیروی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے) اور اس میں کیا اشکال کی بات ہے جب کہ
 ہم کسی بھی فقیہ پر اس طرح کا ایمان نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف علم فقہ کی وحی کی ہے اور ہم پر
 اس کی اطاعت فرض کی ہے اور یہ کہ وہ معصوم ہے ہم اگر ان فقہاء یا ان ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی
 اقتداء کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے اور اس کا قول یا کتاب و سنت

کے کسی صریح کلام پر مبنی ہوگا یا ان دونوں میں مستنبط ہوگا یا اس قرآن سے سمجھا ہوگا کہ فلاں صورت میں جو حکم شرعی ہے وہ فلاں علت کے ساتھ متعلق ہے اور اس کا قلب اس پر مطمئن ہو گیا ہے اور اس کو غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں کہیں علت پائی جائے وہاں حکم یہ ہوگا اور مسئلہ جس کو مجتہد نے قیاس کیا ہے وہ اسی عموم کے تحت پڑتا ہے تو درحقیقت اس سب کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوئی لیکن بہر حال اس طریق میں کچھ نئی چیزیں ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا (اور بات بالکل صراحتاً اور نقلاً ثابت ہوتی) تو کوئی صاحبِ ایمان کبھی کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا اب اگر ہم کو رسول موصوم کی جن کی اطاعت ہم پر اللہ نے فرض کی ہے کوئی حدیث صحیح سند سے ایسی پہنچ جائے جو اس مذہب کے خلاف دلالت کرتی ہے اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور اس (فقہ کے قیاس) کی پیروی کریں تو ظنی ہے اور ایک اندازہ پر مبنی ہے تو ہم سے زیادہ ظالم کون ہوگا اور کل روز قیامت ہم خدا کو کیا جواب دیں گے!

پچھلی صدیوں کا غلو و انحراف

لیکن رفتہ رفتہ عوام میں جہالت نے اثر کیا، اور کہیں کہیں ائمہ کی حیثیت و مسائل و مسائل کے بجائے مقصود اور ایک طرح سے شائع اور مطاع کی پیدا ہو گئی، لوگوں کو ان مذاہب کے بالذات دیکھی اور ان کی اس درجہ عصبیت پیدا ہو گئی کہ وہ کسی حال میں ان کے ایک شوشہ یا نقطہ سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھے، اس سلسلہ میں عوام تو زیادہ قابل الزام نہیں کہ انھوں نے ان مذاہب کو سنت کی پیروی سمجھ کر اختیار کیا تھا، اور ان کے لئے ترویج کے اسباب معلوم کرنا اور ان کے مطابق ترک مذہب یا ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال مشکل بھی تھا، اور خطرناک بھی لیکن بہت سے علماء کی یہ حالت تھی کہ ان کو اگر اپنے امام یا مذہب کے کسی مسئلہ کا حدیث و سنت کے خلاف ہونا ثابت ہو جائے اور اس کا قطعی علم حاصل ہو جائے کہ اس مسئلہ میں اپنے امام کا مسئلہ صریح اور دوسرے امام یا مذہب کا مسئلہ راجح اور حدیث

وسنت کے مطابق ہے اور اپنے مذہب اور عمل کے خلاف کیسی ہی صحیح و صریح احادیث ملیں تب بھی وہ اس مسئلہ کو ترک کرنے اور احادیث پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ان کی طبیعت اس کے لئے منشرح نہیں ہوتی، ایسے ہی لوگوں کے متعلق ساتویں صدی کے مشہور شافعی عالم شیخ الاسلام عزالدین بن عبد السلام لکھتے ہیں :-

ومن العجب العجیب ان الفقہاء المقلدین	حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعض فقہائے مقلدین کو اپنے امام
یقفت احدهم علی ضعف ماخذ امامہ بحیث	کی دلیل کے ایسے ضعف کا علم ہو جاتا ہے جس کا کوئی جواب
لا یجد لضعفہ مدفاعا وهو مع ذلك یقلد	نہیں اور وہ اس کے باوجود اس مسئلہ میں اسی کی تقلید کرتے ہیں
فیہ ویتراکون شہداً للکتاب والسنة	اور ان کا مذہب چھوڑ دیتے ہیں جن کی نائبریں کتاب و سنت
والأقیمة الصحیحة لمذہبہم جوداً علی	اور صحیح قیاساً ہیں، محض اس لئے کہ ان کو امام کی تقلید سے
تقلید امامہ بل یتحیل لدفع ظاہر الکتاب	انحراف گوارا نہیں بلکہ کتاب و سنت کے ظاہر مطلب کو دفع
والسنة ویتراکون بالتاویلات البعیدة	کرنے کے لئے وہ ہزار تدریس کرتے ہیں اور اپنے امام کی بدعت
الباطلة تضالاً عن مقلدہ	میں ہر طرح کے بجد اور بے بنیاد تاویلات کو اختیار نہیں کرتے۔

اسی طرح سے عوام کی ایک جماعت تھی جو اپنے امام کو معصوم عن الخطاء سمجھتی تھی اور جس کے قلب میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ اس کو امام کی تقلید ہی حال میں نہیں چھوڑنا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ اسی طرح کے عوام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وفی من یكون عامیاً ویقلد رجلاً من الفقہاء	(ابن حزم کا یہ کہنا کہ تقلید حرام ہے اس عامی کی تقلید کے
بعینہ بیانیاً نہ تمتنع من مثلہ الخطاوات ما	بارے میں صحیح ہے جو کسی ایک معین فقہ کی تقلید کرتا ہے اور
قالہ هو الصواب البتہ واضمر فی قلبہ ان	اس کا اعتقاد ہے کہ خطا اس سے نامکن ہے اور جو کچھ اس نے
لا یتراک تقلیدہ وان ظہر الدلیل علی خلافہ	کہہ دیا وہ مطلقاً یقیناً صحیح ہے اور جس نے دل میں عجز اور
وذلك ما رواہ الترمذی عن حدیث بن عمیر	نیصرا رکھا ہے کہ وہ اپنے امام یا عالم کی تقلید نہیں چھوڑے گا

انہ قال سمعته یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم یقرأ اِتَّخَذُوا الْخَبَارَ هُمْ وَرُهْبَانَهُمْ
 اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ قَالَ اِنَّهُمْ لَمَّا يَلُوْنَا
 یُعْبَدُوْنَ وَنَحْمُ وَكَلَّمَهُمْ كَا نُوْا اِذَا اَلَمُوْا لِهِمْ شِیْءًا
 اسْتَمْلُوْهُ وَاِذَا اَحْرَمُوْا عَلَیْهِمْ شِیْءًا حَرَمُوْهُ
 اگرچہ دلیل اس کے خلاف ثابت ہو جائے اسی طرح کی
 تقلید کے متعلق وہ حدیث وارد ہوئی ہے جو حضرت عدی بن
 حاتم نے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورہ
 توبہ کی) یہ آیت تلاوت فرمائی اِتَّخَذُوا الْخَبَارَ هُمْ وَرُهْبَانَهُمْ
 اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ (ان یہودیوں اور عیسائیوں نے)
 اپنے علماء و مشائخ کو خدا کو چھوڑ کر اربابان دون اللہ
 بنایا، آپ نے فرمایا کہ وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے ان کا
 معاملہ صرف یہ تھا کہ جس چیز کو یہ علماء و مشائخ حلال کر دیں
 اس کو حلال سمجھ لیتے تھے اور جس کو وہ حرام کر دیا اس کو حرام بنا لیتے تھے۔

امام ابن تیمیہ کی رائے تقلید و اجتہاد کے بارے میں

اس طرح کی غیر مشروط و غیر مقید تقلید پر جو اتباع و اطاعت رسول کے متوازی و بالمقابل ہے ہر زمانہ کے محققین
 اور علماء نے راسخین نے اعتراض و انکار کیا ہے وہ نہ تو ابن حزم اور بعض دوسرے غالی علماء کی طرح تقلید کی حرمت کے
 قائل ہیں نہ ایسی غیر مشروط تقلید کی اجازت دیتے ہیں جس میں اور رسول کی اتباع و اطاعت میں کوئی فرق نہ ہو ان
 علماء میں جن کی رائے اور تحریریں مسئلہ میں بڑی متوازن اور معتدل ہے منقذین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور متاخرین
 میں شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں حافظ ابن تیمیہ ایک طرف تو اس واقعہ کا اظہار و اقرار کرتے ہیں کہ
 عوام اور غیر مجتہد علماء کے لئے فقہاء و مجتہدین کی طرف رجوع کرنے اور ان کی تقلید سے بچا رہ نہیں اور یہ کہ اگر کسی
 حیثیت و سائل اور وسائل کی ہے اور مذاہب کی پیروی ایک عملی ضرورت اور قدرتی امر ہے چنانچہ ایک جگہ

تخریر فرماتے ہیں:-

”اشتر اور اس کے رسول کی اطاعت اور جس کو اشتر اور اس کے رسول نے حلال کیا اس کو حلال سمجھنا اور جس کو اشتر اور اس کے رسول نے حرام کیا اس کو حرام سمجھنا، اور جس کو اشتر اور اس کے رسول نے واجب قرار دیا اس کے ساتھ واجب کا سا معاملہ کرنا تمام انس و جن پر واجب ہے اور ہر شخص پر ہر حال میں شرا و علانیۃ فرض ہے لیکن چونکہ بہت سے احکام ایسے ہیں جن کو بہت لوگ نہیں جانتے، اس لئے لوگوں نے اس بابے میں ان لوگوں کی طرف رجوع کیا جو ان کو ان کی تعلیم دیں، اس لئے کہ وہ رسول کی تعلیم سے زیادہ واقف ہیں اور اس کی منشاء و مواد سے زیادہ باخبر ہیں پس ائمہ مسلمین کی جن کی مسلمانوں نے پیروی کی ہے حیثیت وہی ہے جو وسائل و راسخوں کی، اور ان رہنماؤں کی ہے جو لوگوں کو رسول تک پہنچاتے ہیں اس کلام کی تبلیغ کرتے ہیں اور اپنے اپنے اجتہاد و استطاعت کے مطابق آپ کی مراد سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایک عالم کو ایسا علم و فہم عطا فرماتا ہے جو دوسرے عالم کو حاصل نہیں اس دوسرے عالم کے پاس کسی دوسرے مسئلے میں ایسا علم ہوتا ہے جو پہلے عالم کے پاس نہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَذَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَخْلُمُونَ فِي الْحَرَّةِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ عَنَمُ الْقَوْمِ، وَكَانَا يَنْكُمُ شُهَدَاءَ يَنْصَرِفُونَ عَنْهَا مُنْمَكِينَ وَكَانَا آيَاتِنَا كَلِمَاتًا عَلِيمًا“ (الانبیاء۔ ۷۸-۷۹)

دیکھو داؤد و سلیمان دونوں خدا کے جلیل القدر پیغمبر تھے، دونوں نے ایک مقدمہ میں فیصلہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک (حضرت سلیمان) کو اس مقدمہ میں خصوصی فہم عطا فرمایا لیکن دونوں کی تعریف فرمائی، علماء بھی انبیاء کے کرام کے وارث ہیں، علماء کا اجتہاد احکام کے بابے میں ایسا ہی ہے جیسے مختلف لوگ (اندھیرے یا کسی نامعلوم جگہ پر، دلائل) و قرآن سے کعبہ کی سمت متعین کریں اگر چار آدمی ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گروہ کے ساتھ ایک ایک سمت کی طرف نماز پڑھتا ہے اور ہر ایک یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ صحیح سمت یہ ہے جس طرف وہ نماز پڑھ رہا ہے تو چاروں کی نماز صحیح ہے اگر چہ جس نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے وہ ایک ہی ہوگا، اور یہی وہ اجتہاد کرنے والا ہوگا جس کو دوسرا اجر ملے گا جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے،

اذا اجتهد الحاكم فاصاب فله اجر وان اجتهد فاطأ فله اجر (جب فیصلہ کرنے والا

اجتہاد کرتا ہے اور صحیح فیصلہ پہنچ جاتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر اجتہاد کرتا ہے اور

اجتہاد میں غلطی واقع ہوتی ہے تو وہ ایک اجر سے محروم نہیں رہتا۔)

لگے چل کر وہ فرماتے ہیں کہ کسی خاص مذہب یا فقہ پر کسی شخص کا نشوونما ہونا اور کسی خاص طریقہ کے

مطابق عبادات و احکام شریعت کو بجالانا ایک قدرتی امر ہے اور ایسا قدیم زمانہ سے ہوتا چلا آیا ہے

لیکن مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے کو اصلاً خدا و رسول کا مطیع و فرمانبردار سمجھے اور اس کے لئے تیار رہے کہ

جو کچھ کتاب و سنت سے ثابت ہو جائے گا، وہ بلا تردد اس کی پیروی اختیار کر لے گا۔

انسان عام طور پر اپنے والدین یا اقایا اہل شہر کے دین و مذہب پر ملتا، اور بڑھتا ہے جیسے کہ بچہ دین کے

بارے میں اپنے والدین، سرپرستوں اور ہم وطنوں کی پیروی کرتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ انسان جب بالغ ہو

اور ہوش سمجھالے تو اس وقت اللہ اور رسول کی اطاعت کی پابندی اختیار کرے خواہ وہ پابندی کسی

چیز میں ہو اور ان لوگوں میں نہ ہو جن کے متعلق ارشاد خداوندی ہے: **وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً اِذَا هُمْ اَتَوْا**

قَالَ اَبِلَ تَتَّبِعُ مَا الْفَيْتَا عَلَيْهِ اَبَاءَنَا اور جب ان سے کہا گیا کہ اللہ نے جو کچھ اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو انھوں نے

صاف جواب دیا کہ نہیں ہم تو اسی رات پر چلتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے پس جو شخص

اللہ اور رسول کی اطاعت کے بجائے اپنی اور اپنے والدین کی عادت اور اپنی قوم کے رسم و رواج کی

پابندی کرے گا تو وہ ان ہی اہل جاہلیت میں سے ہوگا جو عیدِ خداوندی کے مستحق ہیں اسی طرح جس کے

لئے کسی مسئلہ میں وہ صحیح راستہ اور حکم شرعی واضح ہو گیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا

ہے پھر اس نے اس کو قبول نہیں کیا، اور اپنی عادت کی طرف رجوع کیا تو وہ قابلِ مذمت اور مستحق عقاب ہے۔

ایسے عالم کے متعلق جو تحقیق و استدلال کی صلاحیت رکھتا ہو، اور یہ معلوم کر سکتا ہو کہ اس مسئلہ میں

راج قول کس کا ہے تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اما القادر علی الاستدلال فقیل یجوز	جو شخص استدلال پر قدرت رکھتا ہو اس کے بارے میں
علیه التقلید مطلقاً وقیل یجوز مطلقاً	ایک قول تو یہ ہے کہ اس کے لئے تقلید مطلقاً حرام ہے دوسرا
وقیل یجوز عند الحاجة كما اذا مناق	قول یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے تیسرا قول یہ ہے کہ ضرورت کے
الوقت عن الاستدلال فهدى القول	وقت جائز ہے مثلاً وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ وہ براہ
اعدل	راست تحقیق کر سکے اور دلیل سے مسئلہ نکال سکے اور یہی

قول زیادہ منصفانہ اور قرین صواب ہے۔

البتہ جس کو اجتہاد تام پر قدرت حاصل ہو اس کے لئے ان کا فیصلہ ہے کہ اگر کسی جانب اس کو نصوص نظر آئیں اور ان نصوص کا مقابلہ کرنے اور ان کو دفع کرنے والی کوئی وجہ نہ ہو تو اس کو نصوص کی پیروی لازم ہے فرماتے ہیں :-

اما اذا قدر علی الاجتهاد التام الذی	البتہ اگر اس کو ایسے اجتہاد تام پر قدرت حاصل ہے کہ
یعتقد معہ ان القول الآخر لیس معہ	اس کو یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ فلاں مسئلہ کی کوئی ایسی
ما یدفع بہ النص فهذا یمجب علیہ	دلیل نہیں ہے جس سے نص کو دفع کیا جاسکے تو اس پر نصوص
اتباع النصوص، وان لم یفعل کان	کی پیروی واجب ہے اگر ایسا نہ کرے گا اور مخالف نص
متبعاً للظن وما تھوی الالفی وکان	قیاس یا مسئلہ پر تقلید قائم رہے گا (تو وہ ان یتبعون
من اکبر العصاة یتلذذون ولرسولہ	إلا الظن وما تھوی الالفی) وہ گمان اور

خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں) کا وعید قرآنی
میں آئے گا، اور اللہ رسول کا بڑا نافرمان اور گنا

کہلائے گا۔

امام ابن تیمیہ کا عمل اور ان کا فقہی مرتبہ

جہاں تک ان کے عمل کا تعلق ہے انھوں نے بیشتر مسائل میں امام احمد بن حنبل کے مذہب اصول پر فتویٰ دیا ہے، اکثر مسائل میں ان کی رائے اور فتویٰ ائمہ اربعہ یا ائمہ ہدیٰ میں سے کسی نہ کسی امام کے اجتہاد و فتویٰ کے مطابق ہے اور بعض مسائل میں انھوں نے اجتہاد سے کام لیا ہے اور کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں انھوں نے فتویٰ دیا ہے ان سب صورتوں کا موازنہ کرتے ہوئے ان کے متعلق صحیح یہ ہے کہ وہ مذہب حنبلی کے مجتہد منتسب تھے۔

امام ابن تیمیہ کی دعوت اور اس کا اثر

امام ابن تیمیہ کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ انھوں نے جس طرح کتاب و سنت کو عقائد کا ماخذ بنانے کی پرزور دعوت دی اور خود کامیابی کے ساتھ اس پر عمل کیا، اسی طرح کتاب و سنت کو فقہیات و احکام کا ماخذ بنانے اور ان کو حق کا معیار قرار دینے کی طاقتور دعوت دی اور اپنے زمانہ میں اس پر عمل کر کے دکھایا اور قَاتِنَا زَعْمُہُ فِی شَیْءٍ فَزِدُّوْا اِلَیْہِ وَالرَّسُوْلُ ﷺ پر عمل کا نمونہ پیش کیا، ان کی اس دعوت نے ان فقہی دائروں و رامت کے علمی حلقوں میں جن میں عرصہ سے نئے غور و فکر اور احکام و مسائل کے کتاب و سنت سے مقابلہ کرنے کا کام بند ہو گیا تھا اور اجتہاد و استنباط کا سلسلہ عرصہ سے سرد دکھائی دیتی تھی، علمی و فکری حرکت اور براہ راست کتاب و سنت کی طرف رجوع کی تحریک پیدا ہوئی، اس طرح سے انھوں نے اس صحیح اسلامی فکر کا احیاء کیا جو قرونِ اوئی میں پائی جاتی تھی اور مسلمانوں کی زندگی کی بنیاد تھی اور وہ اپنے ان تمام علمی و عملی کارناموں کی بنا پر تاریخ اسلام کی ان چمکدار شخصیتوں میں سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اس دین کی تجدید و احیاء کا کام لیا۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مِنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

یہ مجتہد منتسب جو قریب د اصول میں مجتہد ہو لیکن اپنے طریق استدلال و طریق استنباط میں کسی امام کے ساتھ متفق ہو اور عام طور پر اس کے دائرہ سے نہ نکلتا ہو۔ ۵۲ امام ابن تیمیہ کی فقہ کی حیثیت اور ان کی مجتہدانہ درجہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے

ملاحظہ ہو: ابن تیمیہ از محمد ابو زہرہ ص ۲۵۰-۲۵۲ ۵۳ النساء - ۵۹ ۵۴ الحجہ - ۲

تلامذہ و منتسبین

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے تلمیذ رشید اور جانشین

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تلامذہ و مستفیدین کی تعداد بہت بڑی ہے ان کی مصروف اور داعیانہ زندگی اور ان کی موثر و بلند شخصیت کا یہ قدر تھا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ پر قوت کے ساتھ اثر انداز ہوں اور ان کے گرد تلامذہ اور محققین کا ایک بڑا گروہ جمع ہو جائے لیکن ان کے تلامذہ میں سے ان کے بائیں ناز شاگرد اور ان کے علوم کے مرتب و ناشر حافظ ابن قیم کو جو امتیاز و خصوصیت حاصل ہے وہ کسی کے حصہ میں نہیں آئی، وہ زندگی بھر اپنے استاد کے شریک حال اور آخری لمحہ تک ان کے رفیق رہے اور ان کے انتقال کے بعد بھی ان کے مسلک و مشرب پر قائم اور ان کی محبت و عقیدت میں سرشار رہے ان کی علمی خدمات ان کی جلالتِ قدر اور ان کے کمالات اس کے مستحق ہیں کہ ان پر مستقل کتاب لکھی جائے اور ان کی تصنیفات اور علمی تحقیقات پر مفصل تبصرہ ہو لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی زندگی کے حالات بہت کم ملتے ہیں، ان کے باکمال و نامور شاگرد حافظ ابن رجب حنبلی نے طبقات احنابلہ کے ذیل میں ان کے جو کچھ حالات لکھ دیے ہیں زیادہ تر وہی نقل کے جاتے رہے ہیں درحقیقت انھوں نے اپنی زندگی اور شخصیت کو اپنے استاد اور شیخ کی زندگی میں ایسا گم کر دیا کہ ان کا کوئی مستقل وجود اور شخصیت نظر نہیں آتی، یہاں ان کے وہ حالات زندگی درج کئے جاتے ہیں جو مل سکتے۔

نام و نسب

محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت، شمس الدین لقب، زرعی نسبت، والد کا نام ابو بکر بن ایوب تھا، دمشق میں پیدا ہوئے، وہیں عمر گزری، اور وہیں مدفون ہوئے ان کے والد مدرسہ جوزیہ کے مہتمم تھے، اس کی نسبت سے وہ ابن قیم الجوزیہ اور اختصاراً ابن القیم کہلاتے ہیں، ابن رجب کا بیان ہے کہ وہ ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے، الشہاب النابلسی العامر قاضی نقی الدین سلیمان، فاطمہ بنت جوہر، عیسیٰ بن مطعم، ابو بکر بن عبد الدائم، وغیرہ اساتذہ وقت سے حدیث کی سماعت کی اور مذہب حنبلی کی فقہ میں مہارت پید کی اور فتویٰ کا کام شروع کیا، پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا دامن ایسا پکڑا کہ مرتے وقت تک ان سے جدا نہ ہوئے، علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب حافظ ابن تیمیہ ۷۲۸ھ میں مصر سے واپس آئے تو حافظ ابن قیم نے ان کی ایسی صحبت اور رفاقت اختیار کی کہ انتقال تک ساتھ نہیں چھوڑا۔

علمی مرتبہ

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ تمام علوم اسلامیہ میں دخل تھا، لیکن تفسیر میں ان کی نظر نہیں تھی اصول دین میں بھی وہ درجہ کمال پر پہنچے ہوئے تھے، حدیث، فقہ حدیث اور دقائق استنباط میں ان کا کوئی ہمسر نظر نہیں آتا، فقہ اور اصول فقہ اور عربیت اور علم کلام میں بھی کمال حاصل تھا، علم سلوک اور اہل تصوف کے اشارات و دقائق پر بھی وسیع نظر تھی، میں نے قرآن و سنت کے معانی اور دقائق ایمانی کا ان سے بڑا عالم نہیں پایا، وہ معصوم تو نہیں تھے، لیکن میں نے ان خصوصیات میں ان کا جیسا آدمی نہیں دیکھا۔
علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن القیم کو متون حدیث و رجال حدیث کی طرف بڑی توجہ تھی، وہ فقہ

کے مطالعہ میں ہی مشغول رہتے تھے اور اس کے مسائل کو بڑے شرح و بسط سے لکھتے تھے، نیکوئی تدریس اور اصول حدیث میں بھی اچھی مہارت تھی۔

زہد و عبادت

حافظ ابن رجب کا بیان ہے کہ وہ کثیر العبادت اور بڑے شب بیدار تھے، ان کی نماز بڑی طویل اور پرسکون ہوتی تھی، وہ ہر وقت ذکر شاغل رہتے تھے اور ان میں محبت الہی کا ایک جوش اور انابت کی ایک خاص کیفیت تھی، ان کے چہرے پر بارگاہِ خداوندی کی طرف فقر و احتیاج اور عجز و انکسار کا نور نظر آتا تھا، اس کیفیت میں نے ان کو بالکل منفرد پایا، انہوں نے کئی حج کئے، اور عرصہ تک مکہ معظمہ میں قیام کیا، اہل مکہ ان کی کثرت عبادت اور کثرت طواف کے ایسے حالات سناتے ہیں جو موجب حیرت ہیں۔

علامہ ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن قیم بڑی محبت کے آدمی تھے، نہ کسی سے حسد رکھتے، نہ کسی کو ایذا پہنچاتے اور نہ کسی میں عیب نکالتے، میں ان کا بڑا رفیق اور محبوب تھا، مجھے نہیں معلوم کہ ہمارے زمانہ میں دنیا میں ان سے زیادہ کوئی عابد اور کثیر النوافل تھا، وہ نماز بڑی طویل پڑھتے تھے اور رکوع و سجود بڑا لبا کرتے تھے، بعض اوقات ان کے اجاب ان کو ملامت بھی کرتے، لیکن وہ اس کو ترک نہیں کرتے تھے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ مجموعی حیثیت سے اپنے امور و احوال میں ان کی نظیر کم ہوگی!

ابتلاء و آزمائش

اپنے اتنا ذویخ کی طرح وہ بھی ابتلاء و آزمائش اور مجاہدات کی منازل سے گزریں، آخری بار حیلان کے شیخ ابن تیمیہ میں قید کئے گئے تو وہ بھی مجبوس ہوئے اور ان سے علیحدہ رکھے گئے، شیخ کے انتقال کے بعد ان کی رہائی

ہوئی اس پوری مدت اسارت میں وہ تلاوتِ قرآن اور اس کے معانی و تدبر و تفکر میں مشغول رہے ابنِ رجب لکھتے ہیں:-

ففتح عليه من ذلك خير كثير وحصل له جانب
عظيم من الاذواق والمواجيد الصميحة
وتلطيب ذلك على الكلام في علوم
اهل المعارف والدخول في غوامضهم
وقصائيفهم مُثَلثة بذاالك
اس سے ان کو بڑا نفع حاصل ہوا، ان کو اذواق و
مواجید صحیحہ کا ایسا حصہ ملا جس سے لہلِ معارف
کے علوم اور ان کے غوامض و دقائق کا سمجھنا اور
سمجھانا ان کے لئے آسان ہو گیا، ان کی تصنیفات
ان مضامین سے لبریز ہیں۔

ان کے تلامذہ اور معاصرین کا اعتراض

علماء کی ایک بڑی جماعت نے امام ابن تیمیہ کی زندگی میں اور ان کے انتقال کے بعد ان سے علم حاصل کیا اور استفادہ کیا، فضلاً عن عصر ان کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کے تلامذہ کو شرف سمجھتے تھے ان کے تلامذہ میں ابن عبد اللہ دسی اور ابن رجب جیسے اکابر ہیں، قاضی برہان الدین زرعی کا ان کے متعلق مقولہ ہے کہ اس وقت آسمان کے نیچے ان سے زیادہ وسیع العلم آدمی نظر نہیں آتا۔

تدریس و تصنیف

حافظ ابن قیم نے عرصہ تک مدرسہ صدریہ میں درس دیا، جو زینب کی امامت مدت تک ان کے سپرد رہی انھوں نے اپنے فلم سے کثرت کتابیں لکھیں، ابن رجب کہتے ہیں کہ ان کو کتابت و مطالعہ و تصنیف اور کتابوں کی خریداری کا بڑا شغف تھا، اس شوق کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے ایک بڑا کتب خانہ جمع کر لیا جس میں بہت سی کتابیں ان کے ہاتھ کی نقل کی ہوئی تھیں۔

ان کی تصنیفات کی خصوصیت

ان کی تصنیفات حسن ترتیب اور تالیفی سلیقہ میں اپنے شیخ حافظ ابن تیمیہ کی تصنیفات سے بھی ممتاز ہیں۔

اس کے علاوہ ان کی کتابوں میں تصوف کی صلاوت عبارت کی سلاست اور دل آویزی زیادہ پائی جاتی ہے
یہ غالباً ان کے مزاج کا نتیجہ ہے جس میں جلال سے زیادہ جمال ہے۔

اہم تصنیفات

ان کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے ان میں سے اہم کتابیں حسبِ میل ہیں "تہذیب بن ابی داؤد"
"مدارج السالکین بین منازل آیاتک نعبد و آیاتک نستعین" (میر شیخ الاسلام عبدالشہار انصاری ہروی کی ترمیم) اور
"مدارج السالکین" کی شرح ہے اور تصوف و سلوک کی بہترین کتابوں میں ہے (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد) (اہم اس پر مفصل تبصرہ
کریں گے) "جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام" اعلام الموقعین عن رب العالمین (یہ فقہاء و
اہل فتویٰ و حدیث سے اشتغال رکھنے والوں کے لئے معلومات کا گرانقدر خزانہ اور ان کی بہترین تصنیفات
میں سے ہے) الکافیۃ الشافیہ فی الانتصار للفرقة الناجیۃ، الصواعق المرسلۃ علی الجہمیۃ والمعتلۃ، حادی
الدواعی الی بلاد الافراح (جنت کے وصف اور حالات میں اعلام الموقعین کے حاشیہ پر) کتاب الداء
والدواء، مفتاح دار السعادة، اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعتلۃ والجہمیۃ، عدۃ الصابریین و ذفیرۃ
الشاکرین، یدائع الفوائد، الکلم الطیب والعمل الصالح، تحفۃ الودود باحکام الملوود، کتاب الروح، شفاء
العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل، نفعۃ الدواعی و تحفۃ الافراح، الفوائد، الطرق الحکمیہ
فی النیاسۃ الشرعیہ، الجواب کافی لمن سأل عن الدواعی الشافی، روضۃ المعیین و نزہۃ المتعاقبین، اغاثۃ
اللہقان فی مکائد الشیطان، طریق الہجرتین و باب السعادتین۔

وفات

۲۳ رجب ۷۹۱ھ میں چہار شنبہ کے دن رات کو انتقال کیا، اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد جامع مسجد میں

ناز جنازہ پڑھی گئی اور الباب الصغیر کے مقبرہ میں دفن ہوئے زخمہ اللہ درفع درجاتہ۔

زاد المعاد

حافظ ابن قیم کثیر التصانیف علماء میں سے ہیں، کثرت تصنیف اور حسن تصنیف دونوں ان کی خصوصیات میں سے ہیں، ان کی تصنیفات میں سے متعدد کتابیں اس کی مستحق ہیں کہ ان کا مفصل تعارف کرایا جائے، اور ان کے مضامین اور فوائد کی تلخیص کی جائے، لیکن اس کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، اور اس کا صحیح محل حافظ ابن قیم کی مستقل سیرت و سوانح ہے، ان کی تصنیفات میں سے علمی حیثیت سے اعلام الموقعین اور ذوقی و اصلاحی لحاظ سے مدارج السالکین یا اغاثة اللفغان اس کی مستحق ہے کہ اس پر اس طرح سے تبصرہ اور اس کا مفصل تعارف کرایا جائے، جس طرح ہم نے اس کتاب میں امام ابن تیمیہ کی الجواب الصحیح اور الرد علی المنطقیین کا کیا ہے، لیکن ہم یہاں تعارف و تبصرہ کے لئے ان کی جلیل القدر اور شہرہ آفاق تصنیف زاد المعاد فی ہدی خیر العباد کو منتخب کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کی اکثر تصنیفات کی خصوصیات کی جامع اور بیک وقت سیرت، حدیث، فقہ، علم کلام اور تصوف و احسان کی کتاب ہے، عمل و اصلاح کے لئے احياء العلوم کے بعد شاید کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی، تحقیق و استناد اور کتاب سنت سے مطابقت کے لحاظ سے اس کو احياء العلوم پر بھی ترجیح حاصل ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ایک ایسی کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا ہے، جو بڑی حد تک دینیات کے کتب خانہ کی قائم مقامی کر سکے، اور ایک مرتبی، مرشد اور فقیہ و محدث کا کام دے سکے، جن لوگوں پر حدیث کا ذوق غالب رہا ہے، اور جن کو سنن و آداب نبوی کے اتباع کی حرص، اور اہتمام رہا ہے، ان کو اس کتاب سے بڑا شغف رہا ہے، اور انھوں نے اس کو اپنا چراغِ راہ، رفیقِ طریق اور زادِ سفر سمجھا ہے، یہ کتاب ہندوستان میں سب سے پہلے ۱۲۹۸ھ اور مصر سے ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوئی، ہندوستانی ادیشن بڑے سائز کے

لے مشہور تبع سنت اور متبع عالم ہوا، انامید عبدالشہر غزنوی کی سیرت میں ہے کہ زاد المعاد کی طلب میں دل کے جوش سے زاری کرتے

تھے اور فرماتے تھے یا ارحم الراحمین زاد المعاد کو میری آخرت کا گوشہ بنا (۲۲۲)

۹۳۷ صفحے اور مصری اڈیشن باریک ٹائپ کے ۹۲۶ صفحات میں ختم ہوا ہے کتاب کے شروع میں مصنف نے لکھا ہے۔

”یہ چند مضامین میں جن کی واقفیت ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جس کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

کی معرفت آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق و عادات سے واقف ہونے کا ذرا بھی اہتمام ہو،

یہ ایسی حالت میں لکھے گئے ہیں کہ دل تھکا ہوا ہے اور علم کی پونجی قلیل ہے اس کی تحریر کی نوبت

قیام کے بجائے سفر کی حالت میں پیش آئی ایسی حالت میں کہ قلب منتشر و پراگندہ، کجی مفقود کتاب میں جن سے

رجوع کیا جاسکے ناپیدا اور ایسے اہل علم جن سے علمی استفادہ و مذاکرہ کیا جاسکے نایاب ہیں۔“

مصنف کا یہ بیان اگر کتاب کی ابتداء اور بعض ابواب و فصول کے متعلق ہے تو چنداں موجب حیرت

نہیں لیکن اگر پوری کتاب کے متعلق ہے تو یہ نہایت حیرت انگیز بات ہے اس لئے کہ کتاب میں حدیث کے

متون و اسانید اور رجال کی جو مفصل بحثیں سیرت و تاریخ کی جو جزئیات اور مسائل و احکام میں جو حدیثانہ

و فقہانہ کلام ہے اس سے ایک عام ناظر ہی اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کتاب ایک نہایت وسیع و عظیم الشان

کتب خانہ میں بیٹھ کر تصنیف کی گئی ہے اگر یہ صحیح ہے کہ ساری کتاب حالت سفر میں لکھی گئی ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑتا

ہے کہ اس کے مصنف کو علوم اسلامیہ بالخصوص حدیث و فقہ پر حیرت انگیز عبور حاصل تھا اور علوم دینیہ

کا کتب خانہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا، اور وہ اپنی قوتِ حفظ و استحضار میں محدثین متقدمین کی یادگار اور

اپنے باکمال و نادرہ روزگار استاد کے صحیح جانشین و نمونہ تھے حافظ ابن قیمؒ نے اس کتاب کے شروع میں

بعثت نبوی اور مراتب وحی کی تفصیل بیان کی ہے، مراتب وحی اور الوازع وحی کے سلسلہ میں انھوں نے

جو استیعاب کیا ہے وہ سیرت کی عام کتابوں میں نہیں ملتا، پھر وہ مدارج بیان کئے ہیں جن سے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام گزری، اسماء مبارک اور ان کے معانی اور نکات پر انھوں نے

حسب معمول وسیع و لطیف بحث کی ہے، اس پورے سلسلہ میں اپنی اور اپنے شیخ کی عادت کے مطابق بکثرت

فقہی و نحوی مسائل و نکات اور بعض وجدانی اور ذوقی مسائل لکھ دیئے ہیں اسی سلسلہ میں انہوں نے سیرت کے عام معلومات اور ذاتِ نبوی سے تعلق رکھنے والی تفصیلات و جزئیات جمع کر دی ہیں اور اخلاق و شمائل، عادات و معمولات کا اچھا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اس کے بعد انہوں نے آپ کی عبادات، ہیبت، صلوات اور اس کے سنن اور عادات کی دقیق تفصیلات پیش کی ہیں جو ان کے وسیع و دقیق مطالعہ حدیث کا خلاصہ اور ان کے علم کا پتھر ہے، اس سلسلہ میں ان کا محدثانہ رنگ اور محققانہ طرز صاف جھلکتا ہے، اس ضمن میں اصول فقہ اور اصول حدیث کی بعض نازک بحثیں اور فنِ رجال کی بعض قیمتی معلومات بھی آگئی ہیں، کتاب کے یہ ابواب جو عبادات اور ارکانِ اربعہ سے متعلق ہیں، محض کتابِ الاحکام یا فقہ و خلاف کی کتاب بن کر نہیں رہ گئے ہیں، ان میں جا بجا مصنف نے بڑے وجدانگیر اور ایمان آفرین ذوقی و وجدانی مضامین اور لطیف علمی نکات شامل کر دیئے ہیں، زکوٰۃ و صدقہ کے باب میں انہوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ شرح الصدور مطہر النفس اور سرور القلب تھے، اس لئے کہ صدقہ اور حسن سلوک کو شرح صدر کے باب میں بڑا دخل ہے، اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور ان کے خصائص و توابع کے لئے آپ کا سینہ مبارک پہلے ہی کھول دیا تھا، اور حسی طور پر آپ کا شرح صدر فرمایا تھا، اور سینہ مبارک سے شیطان کے حصّہ کو بالکل خارج کر دیا تھا، ان اخلاق (سخاوت و بذل و ایثار) سے اس شرح صدر میں اور اضافہ ہوا، اس کے بعد وہ تفصیل سے سیرتِ نبوی پر اس لحاظ سے نظر ڈالتے ہیں، اور شرح صدر کے ابواب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”شرح صدر کے بہت سے ابواب ہیں، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدرجہ کمال و تمام حاصل تھے، شرح صدر کا سب سے قوی و اہم سبب توحید ہے، وہ جس قدر کمال اور قوی ہوگی، اتنی ہی شرح صدر زیادہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَفَحَسْبُ شَرَحِ اللّٰهِ صَدْرًا

لِلْإِسْلَامِ فَتَبَوَّأَ عَلَى نُورَيْنِ تَرْتِيْبًا“ (بھلا جس کا سینہ کھول دیا، اللہ نے اسلام کے لئے تو وہ اجالے میں ہے اپنے رب کی طرف سے) نیز ارشاد ہے ”فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ“ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنْمَا يُصْعَدُ فِي السَّمَاءِ“ (جو جس کو چاہے اللہ کے لئے، اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھلا دے اس کا سینہ تنگ کر دے، تنگ، بند، گویا زور سے چڑھتا ہے آسمان پر) پس ہدایت اور توحید شرح صدر کے عظیم ترین اسباب میں سے ہے اور شرک گمراہی سینہ کی تنگی اور کشش اور تکدر کا بہت بڑا سبب ہے اسی طرح شرح صدر کا ایک سبب وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں داخل فرمادیتا ہے اور وہ نور ایمان ہے جو سینہ کو وسیع اور شرح اور قلب کو شادان اور فرحان رکھتا ہے جب یہ نور بندہ کے دل سے غائب ہو جاتا ہے تو دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہو جاتا ہے اور بندہ کو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ ایک تنگ تاریک قید خانہ میں گرفتار اور ایک تکلیف دہ شکنجہ میں کسا ہوا ہے ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اِذَا دَخَلَ النُّورُ الْقَلْبَ انْفَسَمَ وَانْشَرَحَ قَالُوا وَمَا عَلَامَةُ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْإِدَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَالْتِمَانُ مِنَ دَارِ الْغُرُورِ وَالِاسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نَزْوَلِهِ“ (جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو دل کھل جاتا ہے اور شرح ہو جاتا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی علامت کیا ہے فرمایا دار بقا کی طرف شوق اور شوق اور دار فنا سے بے رغبتی اور وحشت اور شوکی آمد سے پہلے موت کی تیاری) انسان کو جس قدر اس نور کا حصہ ملتا ہے اسی کے بقدر وہ شرح صدر کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اسی طرح حتیٰ زور سے بھی شرح صدر اور حتیٰ ظلمت سے بھی شرح صدر اور دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہوتا ہے اور ان ہی اچھا شرح صدر میں ایک علم بھی ہے وہ سینہ کو شرح اور وسیع کرتا ہے یہاں تک کہ عالم کا سینہ دنیا سے زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اس کے بالمقابل جہل سے دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہوتا ہے جس قدر بندہ کا

علم وسیع ہوتا ہے اسی قدر اس کا سینہ فراخ اور قلب منشرح ہوتا ہے لیکن یہ دولت ہر عالم کے نصیب میں نہیں، یہ صرف اس علم کی خاصیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق وراثت چلا آ رہا ہے اور وہ علم نافع ہے جن لوگوں کو یہ علم نافع حاصل ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ منشرح، وسیع القلب، خوش اخلاق اور خوش عیش ہوتے ہیں ایک سبب انابت الی اللہ ہے یعنی پورے دل سے اس کے ساتھ محبت کرنا، اس کی طرف توجہ اور رجوع اور اس کی عبادت سے لطف حاصل کرنا، واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ کوئی چیز الشراح اور سرور پیدا کرنے والی نہیں اگر تم کو کبھی یہ دولت نصیب ہو تو تمہاری زبان سے بے اختیار نکل جائے گا کہ اگر جنت میں بھی یہی حالت نصیب ہوئی تو بڑا عیش ہے، محبت کو شرح صدر، اطمینان نفس اور عیش قلبی میں بہت بڑا دخل ہے، اس کا اندازہ اسی شخص کو ہو سکتا ہے جس نے کبھی اس کا لطف اٹھایا ہو جس قدر محبت قوی اور شدید ہوگی، سینہ فراخ اور شرح ہوگا، دل اسی وقت تنگ اور کتر ہوگا جب بیکاروں اور اس دولت سے محروم لوگوں پر نظر پڑے گی، ان کی دید آنکھ کی کھٹک اور ان کی صحبت روح کا بٹخا رہے، اسی کے بالمقابل انقباض و کتر کا ایک بہت بڑا سبب اللہ تعالیٰ سے اعراض اور اس کی غیر اللہ کے ساتھ گرفتاری اور اسیری اور ذکر اللہ سے غفلت اور ماسوی اللہ سے محبت ہے، اس لئے کہ جس کو جس ماسوی سے محبت ہوتی ہے، اسی کے ہاتھوں اس کو دکھ دیا جاتا ہے اور اس کا دل اس غیر کی محبت میں برابر مقید اور گرفتار رہتا ہے اور دنیا میں کوئی شخص اس سے زیادہ بدبخت اس سے زیادہ بد مزہ اور بے لطف اس سے زیادہ محروم و بے نصیب اور اس سے زیادہ خستہ دل اور تفتہ جگر نہیں ہوتا ہے، حقیقت میں محبت کی دو قسمیں ہیں، ایک محبت وہ ہے جو دنیا کی جنت، نفس کا سرور، قلب کی لذت، روح کا عیش اس کی غذا اور دوا بلکہ اس کی زندگی اور اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور وہ خدائے وحدہ لا شریک کی پورے دل کے ساتھ محبت میلان و ارادہ کی تمام

قوتوں کا اس کی طرف انجذاب اور کشش ہے اور ایک محبت وہ ہے جو روح کا عذاب نفس کی کلفت،
 قلب کا جیل خانہ اور سینہ کی تنگی اور درد و حرمان، کلفت و تعب کا سبب ہے اور وہ ماسویٰ کی محبت ہے
 شرح صدر کا ایک سبب ہر حالت اور ہر موقع پر دوام ذکر ہے ذکر کو انشراح صدر میں عجب دخل ہے اور
 اس سے دل کو عجیب اطمینان و سرور حاصل ہوتا ہے اسی طرح غفلت کو دل کی تنگی، انقباض اور کلفت
 و اذیت میں بڑا دخل ہے ایک سبب مخلوق پر احسان اور مال و جاہ، بدن اور انواع احسان سے
 نفع پہنچانے کی طبیعت ہے، کریم اور محسن انسان بڑا منشرح الصدر، مطمئن النفس ہوتا ہے اور اس کو
 بڑا قلبی سرور اور سکون حاصل ہوتا ہے وہ بخیل جس میں احسان کا مادہ نہیں ہے بڑا دل تنگ، بد حال،
 اور مغموم رہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے والے صاحب یتیم کی مثال دی ہے کہ
 ایک شخص پر پلو ہے کی ڈوڑھیں ہیں، وہ جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے زرہ کھل جاتی ہے اور پھیل جاتی ہے
 یہاں تک کہ اس کے کپڑے زمین پر پوٹتے ہیں اور اس کے قدموں کے نشان ٹٹے چلے جاتے ہیں اور پھیل کا
 حال یہ ہے کہ زرہ کی ہر کڑھی اس کے جسم سے چپٹ جاتی ہے اور اس میں کوئی وسعت و فراخی نہیں
 پیدا ہوتی، شرح صدر کا ایک سبب شجاعت ہے، مرد شجاع بڑا منشرح الصدر، فراخ و وسیع
 انقلابی ہوتا ہے اس کے بالمقابل بزدل بڑے چھوٹے دل کا ہوتا ہے جس کو فرحت و سرور اور لذت
 و عیش میں سے صرف اتنا حصہ ملتا ہے، جتنا حیوانات و بہائم کو نصیب ہے، باقی روحانی سرور و لذت
 اور فرحت و مسرت سے بزدل بالکل ہی محروم ہوتا ہے جیسے ہر بخیل، اللہ سے انراض کرنے والا، اس کے
 ذکر سے غافل، اس کی ذات و اسماء و صفات اور اس کے دین سے بے خبر اور ماسوا اللہ کا گرفتار،
 اس دولت سے بے نصیب رہتا ہے، عیش و سرور قبر میں جا کر باغ و بہار میں جاتا ہے اور یہی دل تنگی اور
 انقباض وہاں پہنچ کر عذاب و جیل خانہ کی شکل میں نظر آتا ہے انسان کا قبر میں وہی حال ہوگا، جو
 قلب کا سینہ میں یہاں حال ہے، یہاں کا عیش وہاں کا عیش، یہاں کا عذاب اور گرفتاری وہاں کا

عذاب اور گرفتاری اور یہاں کی آزادی وہاں کی آزادی ہے، باقی عارضی طور پر اہل ایمان و یقین کو یہاں (کسی اتفاقی واقعہ یا خارجی سبب، فقر، مخالفت، امراض وغیرہ کی وجہ سے) جو ایک طبعی تکذرو انتقاض حاصل ہوتا ہے اور اہل کفر و غفلت کو (دولت و حکومت اور حیوانی لذتوں کی وجہ سے) جو وقتی سرور و لطف اور لذت حاصل ہوتی ہے، اس کا اعتبار نہیں، اعتبار اس کیفیت کا ہے، جو ملکہ بن جائے اور قلب میں دائمی طور پر پائی جائے، ایک سبب قلب کا ان صفات مذمومہ سے پاک و صاف ہونا ہے، دل کی تنگی اور بے تکلیف کا سبب ہوتی ہے، اور قلب کی شفاء اور عافیت سے مانع ہوتی ہے، انسان اگر شرح صدر کے اور اسباب پیدا کرے، اور ان اوصاف مذمومہ کو قلب سے خارج نہ کرے تو اس کو شرح صدر کی دولت کا کوئی بڑا حصہ حاصل نہیں ہو سکتا، زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ اس کے اندر دو ماہے باقی رہیں گے جو وقتاً فوقتاً اس کے دل پر حملہ کرتے رہیں گے، ایک سبب یہ ہے کہ انسان غیر ضروری چیزوں کا دیکھنا، غیر ضروری کلام، غیر ضروری باتوں کا سنا اور بے فائدہ اور بے مقصد ملنا جلنا، کھانا پینا، سونا چھوڑ دے اس لئے کہ یہ زوائد قلب کے لئے آلام و مصائب بن جاتے ہیں جو اس کو تنگ اور منقبض کر دیتے ہیں، اور دل ان سے تکلیف پاتا ہے، دینا اور آخرت کے عذاب کا بڑا حصہ انہی چیزوں کا نتیجہ ہے، سبحان اللہ جو شخص ان تمام وادیوں میں سرپٹ دوڑتا ہے وہ کیسا بد حال، پرانگندہ بال اور تنگ دل رہتا ہے، اس کے بالمقابل اس شخص کی خوشحالی اور خوش دلی کا کیا ٹھکانا ہے جو خصائل محمودہ میں سے ہر خصلت سے متصف اور ان صفات محمودہ کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھے، اسی گروہ کی شان میں آیات البراقعۃ العظیمہ اور پہلے گروہ کی شان میں آیات النجارت العظیمہ وارد ہوا ہے، ان دونوں حالتوں کے درمیان بہت سے مراتب اور درجے ہیں، اور ان کے درمیان ایسا تفاوت ہے جس کا صحیح اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس صفت سے جس سے شرح صدر و وسعت قلب، خشکی چشم اور حیات روح حاصل ہوتی ہے، مخلوقا

خداوندی میں سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے، اسی کے ساتھ آپ کو حسی و جسمانی طور پر بھی وہ شرح صدر حاصل تھا جس میں آپ کا کوئی شریک نہیں، مخلوق میں جو شخص آپ کا جتنا زیادہ پیرو ہوگا، اور اتباع نبوی کی جس میں جتنی زیادہ شان نمایاں ہوگی، اتنی ہی زیادہ اس کو شرح صدر لذت و انبساط کی دولت حاصل ہوگی، آپ شرح صدر رفع ذکر اور وضع ذکر کے اعلیٰ ترین مقام اور نقطہ عروج و کمال پر فائز تھے، آپ کے پیروں اور تبعین کو آپ کی پیروی اور اتباع کے بقدر اس دولت سے حصہ ملتا رہے گا۔^۱

مصنف نے اس کا بھی اہتمام کیا ہے کہ عبادات و ارکان و احکام کے مسائل بیان کرنے سے پہلے ان کی حکمت اور ان کے فوائد و اسرار بھی بیان کر دیں، اور اس سلسلہ میں انہوں نے بڑے جامع اور دلنشین طریقہ پر حکمت تشریح اور ان عبادات و ارکان کے حکم و فوائد اور ان کی تشریح کی تاریخ بیان کی ہے، اس کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے، صوم کے متعلق لکھتے ہیں:-

”میام (روزہ) سے مقصود نفس کا خواہشات نفسانی سے روکنا اور ان چیزوں سے رکنے کی عادت پیدا کرنا ہے، جن کا انسان خوگر ہے اور جن سے وہ مانوس ہے اور اس کی قوت شہوانی میں اتنا اعتدال پیدا کر دینا جس سے اس کے اندر ان چیزوں کے حصول کا جذبہ پیدا ہو جو اس کے لئے باعث سعادت اور شہادت اور جاودانی کا سبب ہیں، اور ان چیزوں کے قبول کرنے کا جن سے اس کی صفائی اور ترقی ہو، اور جن میں اس کی حیات ابدی ہے، نیز بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا کرنا ہے، روزہ خالی معدوں کی یاد تازہ کرنا ہے، اور بتلاتا ہے کہ ان مساکین اور فاقہ کشوں پر کیا گزرتی ہے،

لے واضح رہے کہ یہ شرح صدر شق صدر کا ایک لازمی نتیجہ ہے، جس کو تمام محققین اہل سنت اور علماء سے سیرت تسلیم کرتے ہیں، اور جس کا تذکرہ حافظ ابن قیم نے بھی زاد المعاد میں کیلئے ہے۔^۲ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صُدْرَكَ وَوَضَعْنَا هَنَكَ وَذَرَكَ الَّذِي اَنْتَ نَظَرُكَ وَرَحْمَنَا لَكَ ذِكْرَكَ (کیا ہم نے نہیں کھول دیا، تمہارا سینہ اور اتار دیا تم سے تمہارا بوجھ جس نے توڑی تھی پیٹھ تمہاری اور اونچا کیا

مذکورہ تمہارا) ۱۵۸ تا ۱۶۰ حصہ اول (نظامی) ۱۵۶-۱۵۵ (سینیہ مصر)

جن کو معدوں کی آگ بجھانے اور اپنے جگر کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ساہان نصیب نہیں، روزہ کھانے پینے پر پابندی عائد کرنے اور اس کے استعمال کو محدود کر دینے کے ذریعہ شیطان کو انسان کی زندگی میں تصرف کرنے اور من مانی کارروائی کرنے سے روک دیتا ہے اور انسان اس کی برکت سے اپنی طبیعت کا ایسا تابع فرمان نہیں رہ جاتا کہ ہر دم اس کی پیروی کرتا ہے اور اپنے معاش و معاد کا کچھ خیال نہ کرے، وہ ہر عضو انسانی میں سکون پیدا کرتا ہے، بہیمی قوت اور کشری سے روکتا ہے، انسانی خواہشات کو لگام دیتا ہے، متقین کی لگام، نفس و روح کی معرکہ آرائی میں زبرد اور سپر اور برابر و مقربین کی ریاضت ہے، انسان کے تمام اعمال میں وہ رب العالمین کا حصہ خاص ہے، ایک روزہ دار کرتا کیا ہے، یہی کہ اپنی خواہش اور اپنا کھانا پینا اپنے معبود کی خاطر چھوڑ دیتا ہے، اس لئے روزہ اللہ کی رضا و محبت اور نفس کے محبوب اور نفسانی لذتوں کے ترک اور ایک ایثار و قربانی کا نام ہے، اور وہ بندہ اور اللہ کے درمیان ایک راز ہے جس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا، دوسروں کو اس کا تو پتہ چل سکتا ہے کہ روزہ دار نے روزہ توڑنے والی چیزوں کو ترک کر دیا، لیکن یہ کہ روزہ دار نے کھانا پینا، اور اپنی خواہشات اپنے معبود کی خاطر چھوڑی ہیں، یہ ایک قلبی کیفیت ہے، اور بندہ کا ایک راز ہے جس پر کوئی انسان مطلع نہیں ہو سکتا، اور یہی صوم کی حقیقت ہے، روزہ کو ظاہری بواج اور باطنی قوی کی حفاظت میں عجیب دخل ہے، روزہ ان تو دفا سہ سے ایک پرہیز ہے جو جب انسان پر پورا قبضہ وراثت حاصل کر لیتے ہیں تو اس میں فساد پیدا کر دیتے ہیں، اسی طرح وہ ان موادِ ردیہ کو خارج کرتا ہے جو نفس کی صحت میں مغل ہیں، پس روزہ ایک ہی وقت میں قلب و بواج کی صحت کی حفاظت بھی کرتا ہے، اور اس کی اس کھوئی ہوئی صحت کو بھی واپس لاتا ہے، جو خواہشات کے انہماک میں ضائع کر دی تھی، اس لئے وہ تقویٰ کا بہت بڑا معاون ہے، اور اسی لئے ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَبِئْسَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ** (اے ایمان والو! تم پر روزہ کا جیسے حکم ہوا تھا تم سے اگلوں پر

شاید پرہیزگار بن جاؤ) اور اسی لئے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الصَّوْمُ جَنَّةٌ" (روزہ ایک جنت کا حال ہے) اور اسی لئے آپ نے ایسے شخص کو جس پر جنسی خواہش کا غلبہ ہو، اور اس کو نکاح کی قدرت نہ ہو، روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، روزہ کی مصلحتیں اور فوائد جب ایسے ظاہر و باہر ہیں کہ عقل سلیم اور فطرت مستقیم ان کا آسانی مشاہدہ و احساس کر سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اپنے بندوں کے لئے رحمت و احسان اور ایک پرہیز اور محافظہ پر سے دار کی حیثیت سے شروع فرمایا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل اس کے بارے میں بہترین اور مکمل ترین طریق عمل ہے جو ایک طرف سب سے زیادہ اہل دوسری طرف حصول مقصد کا سب سے بہتر ذریعہ ہے، چونکہ نفوس انسانی کا اپنے مالوفات و مرغوبات سے رکنہ ایک بڑا دشوار کام ہے اس لئے اس کی فرضیت میں جلدی نہیں کی گئی، بلکہ ہجرت کے بعد وسط اسلام میں اس کی فرضیت نازل ہوئی، جب کہ طبیعتیں توحید و نماز کی خوگر اور احکام قرآنی سے بخوبی آگاہ ہو گئی تھیں، روزہ کی فرضیت ۳۰ ہجری میں ہوئی، اس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تو ایسے رمضان آئے جن میں آپ نے روزہ رکھا، اور اس کی فرضیت میں بھی تدریج و تیسرے سے کام آیا گیا، پہلے وہ اس طرح فرض ہوا کہ مسلمان کو اس کا اختیار تھا کہ چاہے وہ روزہ رکھے، چاہے ایک سکین کو کھانا کھلاوے، پھر یہ اختیاری حالت جاتی رہی، اور روزہ قطعی طور پر فرض ہو گیا، اور قدیہ کا حکم صرف ایسے بوڑھے اور عورت کے لئے رہا جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتے، یہ دونوں روزہ چھوڑ سکتے ہیں، اور ہر دن کے بدلے میں ایک سکین کو کھانا کھلا سکتے ہیں، مریض و مسافر کے لئے اس کی اجازت دی گئی کہ روزہ نہ رکھیں اور قضا کر لیں، اور حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے بھی رخصت ہے، اگر ان کو اپنے یا اپنے بچے کی جان کا اندیشہ ہو۔

کتاب کا معرکہ الآرا حصہ اور مصنف کے علمی تجربہ و وسعت نظر اور استحضار کاروشن ثبوت حج کا باب ہے

حج اور اس کے متعلقات اور حج نبوی اور اس کے احکام کے متعلق ایسی محققانہ مبسوط بحث اور ایسا بڑا علمی ذخیرہ ہی اور کتاب میں اس کوتاہ نظر کی نظر سے نہیں گزرا، یہ حصہ مصری ایڈیشن کے صفحہ ۱۸۰ سے صفحہ ۳۲۹ تک یعنی ۶۹ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کی مفصل کیفیت اور مدینہ کے خروج سے لے کر واپسی تک کی مفصل و سلسلہ وار مزاد و تفسیر پیش کر دی ہے اور اس حدیث کے مختلف ذخیروں کا خلاصہ اور روایات صحیحہ اور جزئیات مختلفہ کا بہترین مجموعہ ہے، اس باب میں انہوں نے حج کے بہت سے اختلافی مباحث اور مختلف فیہ مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور حدیث کی روشنی میں آزادانہ اور جہادانہ فیصلہ کیا ہے اس میں وہ کسی ایک مذہب فقہی کے پابند نہیں معلوم ہوتے، مثلاً باوجود جنابلی ہونے کے وہ بڑے مدلل طریقہ پر ثابت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ مفرد تھے، نہ متمتع، بلکہ قارن تھے، پھر آپ کے حج قرآن کی کیفیت میں متقدمین و متاخرین سے جو اختلافات اور اغلاط واقع ہوئے ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہیں اور ان کا ماخذ اور عذر لکھتے ہیں، نیز اکابر علماء کو حج نبوی کے بارے میں زمانہ قدیم و جدید میں جو اوہام پیش آئے ہیں اور بڑے بڑے محققین و علمائے تبحرین کو جو غلط فہمیاں واقع ہوئی ہیں ان کو ظاہر کیا ہے اور تحقیقی بات لکھی ہے، اس سلسلہ میں تابعین میں سے طاؤس، متقدمین میں سے طبری اور ائمہ متاخرین میں سے قاضی عیاض اور علامہ ابن حزم جیسے اہل علم، اور مشاہیر رجال کی غلط فہمیوں اور اوہام کو ظاہر کیا ہے، اس سے ان کے راسخ فی العلم اور حیرت انگیز علمی تجربہ کا اندازہ ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ محض حج کا باب اس کتاب کی عظمت اور اس کے مصنف کی اہمیت اور جلالت قدر کے ثبوت کے لئے کافی ہے، کتاب میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اور اپنے شیخ کے مذاق اور اپنی تحقیق اور وسعت نظر کے مقام کے مطابق کلامی مباحث اور عقائد پر بھی جا بجا گفتگو کی ہے اور روح شریعت کی صحیح ترجمانی کی کوشش کی ہے، اس سلسلہ میں توکل کی حقیقت اور توسل بالاسباب کے بارہ میں انہوں نے جو محققانہ بحث کی ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو ص ۲۲۶ تا ۲۶۶ (نظامی) ۲۔ ملاحظہ ہو ص ۱۸۵ تا ۱۹۰ (نظامی) ۳۔ ملاحظہ ہو ص ۱۶۹ تا ۱۷۱ (نظامی) ۴۔ ملاحظہ ہو فصل فی الادام

۵۔ ملاحظہ ہو ص ۲۶۶ تا ۲۶۷ (نظامی) ۶۔ ملاحظہ ہو ص ۲۵۱ تا ۲۵۲ (نظامی) ۷۔ ملاحظہ ہو ص ۲۶۶ تا ۲۶۷ (نظامی)۔

غزواتِ نبوی کا بیان شروع کرنے سے پہلے انھوں نے حقیقت جہاد اور مراتب جہاد پر حسب عادت محققانہ اور عارفانہ کلام کیا ہے، پھر دعوتِ اسلام کی ابتداء کو مکتبہ کے حالات اور ہجرت مدینہ اور جہاد کی فرضیت اور جہاد مالِ غنیمت صلح و انجیز اور معاملہ اہل کتاب و منافقین کے احکام تفصیل سے لکھے ہیں، جہاد کی مشروعیت اور فرضیت کے ذکر کرنے کے موقع پر انھوں نے جنت کی حقیقت اور اس کے مقابلہ میں جان کے بے قیمت ہونے کا تذکرہ بڑے دلورہ انگیز اور دل آویز طریقہ پر کیا ہے اور وہ ان کے زورِ تحریر اور قوتِ ایمانی کا بہت اچھا نمونہ ہے وہ لکھتے ہیں:-

”محبت اور جنت کا ہر یہ ہے کہ نفس وال کو نفس وال کے اس مالک کی راہ میں خرچ کر دیا جائے جو ان دونوں کو اہل ایمان سے خرید چکا ہے، کسی بزدل، ناقدر و معرض نہی دست و بے بصاعت کا کیا جگر و جھلا کہ اس سوئے کا مول تول کرے، قسم بخدا وہ کوئی ایسا گرا پڑا سودا نہیں کہ مفلس و فقیر اس کا مول تول کرنے لگیں اور نہ اس کی ایسی کساد بازاری ہے کہ تنگ دست اس کو قرض لینے کی خواہش کریں یہ سودا قدر دانوں کے بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا گیا تو مالک جان سے کم قیمت پر اس کو فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہوا، بیکار اور باتیں بنانے والے سین کر پیچھے پٹ گئے، اور عشاق یہ دیکھنے کے لئے آگے بڑھے کہ کس کی جان اس کی قیمت ہو سکتی ہے، سودا برابر گردش میں رہا اور آخر کار ان لوگوں کے ہاتھوں میں جا کر ٹھہر گیا جو مومنین کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں سخت تھے جب محبت کے مدعیوں کی کثرت ہوئی تو دعویٰ کی صحت پر ان سے دلیل مانگی گئی، اس لئے کہ اگر شخص کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے تو عاشق و مدعی میں اور غمزہ اور ہیر پیرے میں کوئی فرق نہ رہ جائے، مدعیوں نے مختلف قسم کی گواہیاں پیش کیں کہا گیا کہ یہ دعویٰ ثبوت کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحِبَّبْكُمْ اللّٰهُ** (اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تمہارا محبت بن جائے گا) یہ سن کر سب پیچھے پٹ گئے، اور وہی لوگ اپنی جگہ پر قائم رہے، جو تمام اقوال و افعال عادات و اخلاق میں رسول کے سچے پیرو تھے، اب ان سے

ثبوت کے صحیح ہونے کا مطالبہ کیا گیا اور کہا گیا کہ اس ثبوت کی صحت و عدالت اس وقت تک تسلیم نہیں کی جاسکتی جب تک کہ وہ لوگ اس کا تزکیہ اور تصدیق نہ کریں جن کی شان میں ہے "يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمَةٍ" (الشکر کے راستے میں ہر طرف کی کوششیں کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے) یہی کر محبت کے اکثر مدعی چھپے ہوئے گئے، اور مجاہدین قائم رہے ان سے کہا گیا کہ عشاق کی جانیں اور ان کے مال ان کی بلکہ نہیں پس جس چیز کا سودا ہو گیا اس کو حوالہ کروا لے اللہ اشترى من المؤمنين أنفسهم و أموالهم بآية نهم الجنة" (بیشک اللہ تعالیٰ مؤمنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید چکا ہے اس قیمت پر کہ ان کو جنت ملے گی) اور جب بائع و مشتری میں بیع و شراء ہو جائے تو ایک کے لئے مال کی سپردگی اور دوسرے کے لئے قیمت کی حوالگی ضروری ہے جب تا جوں نے خریداری کی عظمت و قیمت کی مقدار اور جس کے ہاتھ پر یہ سودا ہوا ہے اس کی عظمت و شان اور اس کتاب کی حیثیت دیکھی جس میں کہ اس معاملہ کا ذکر ہے تو سمجھ گئے کہ یہاں بڑی عظمت و شان والا ہے اس وقت انہوں نے اس میں بڑا نقصان اور گھانا سمجھا کہ اس کو وہ آونے پونے چند ایسے سکوں میں بیچ ڈالیں جن کی لذت فانی اور جن کی حسرت اور وبال باقی ہے اس لئے ایسا کرنے والا بڑا نادان اور کوتاہ نظر ہے اس وقت انہوں نے خریدار کے ساتھ اپنی رضا و اختیار سے بغیر ثبوت و خیال کے بیعت رضوان کا معاملہ کیا، اور انہوں نے کہا کہ بخدا نہ ہم یہ قیمت واپس لیں گے اور نہ ہم اس سے اس بیع کو فسخ کرنے کی درخواست کریں گے جب یہ بیع و شراء مکمل ہو گئی اور انہوں نے جنس حوالہ کر دی تو ان سے کہا گیا کہ تمہاری جانیں اور تمہارے مال ہمارے ہو چکے اور ہم اب ان کو بہت بڑھا کر اور کئی گنا بنا کر تمہاری طرف واپس کرتے ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالَهُمْ أَمْوَالًا لَّيْسَ لَهُمْ بَأْسٌ بِهَا مِمَّا قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

لوگوں کو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے، مردہ تصور نہ کرو، وہ تو اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں، ان کو

رزق دیا جاتا ہے) ہم نے تم سے تمہاری جانیں اور تمہارے مال نفع کی لالچ میں نہیں طلب کئے تھے، بلکہ ہمارے جو دو کرم کا اظہار ہو کہ ہم کس طرح عیب دار چیز کو قبول کر کے اس پر بڑی سے بڑی قیمت دیتے ہیں، ہم نے تمہاری قیمت اور مال دونوں جمع کر دیئے اس موقع پر حضرت جابر کا قصہ یاد کرو کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ خرید لیا پھر ان کو پوری پوری قیمت دی، اور اس قیمت میں اضافہ کیا پھر وہ اونٹ بھی واپس دے دیا، ان کے والد غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ سے ان کی توجیہ اس طرف ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کے والد کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا، چنانچہ آنحضرت نے ان کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا، اور ان سے بلا حجاب گفتگو کی، اور کہا کہ اے میرے بندہ مجھ سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے، خدا کے جو دو کرم تک انسان کا علم کیا پہنچ سکتا ہے، اس نے مال بھی دیا، قیمت بھی دی، اور اس سے وشراء کے معاملہ کے کمیل کی توفیق بھی عطا فرمائی، اور اس مال کو اس کے عیب و نقص کے باوجود قبول بھی فرمایا، اس پر بڑی سے بڑی قیمت عطا فرمائی، اور اپنے بندہ کو اس نے اپنے ہی دیئے ہوئے مال سے خرید لیا، اور پھر اس کی تعریف بھی کی، اور باوجود اس کے کہ خود ہی توفیق دی تھی، اس کی مدح فرمائی۔

خدا کے داعی نے خدا کی طرف اور دارالسلام (جنت) کی طرف غیرت مندوں اور عالی بہتوں کو بلایا، اور ایمان کے منادی نے کان رکھنے والوں کو سنایا، اور ہر زندہ ضمیر کو گرایا، جنت کے مسافروں اور رضائے الہی کے طالبوں میں ایک صدائے جیل بلند ہوئی، اور ایک ہنگامہ رستخیز برپا ہو گیا، اور لوگوں کو منزل پر پہنچنے بغیر قرار نہ آیا، اور کیوں نہ ہو؟ شاعر نے کہا ہے

جان کی قیمت دیا بے عشق میں ہے کوئے دوست
اس نوید جانفزا سے سرو باں دوش ہے

اس کے بعد انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاذی اور بعوث اور مہات ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کئے ہیں پھر وہ چونکہ حدیث و سیرت پر ایک وقت نظر رکھتے ہیں اور مولخ سے زیادہ تقاو و محدث ہیں، اس لئے ان کے کتاب کا حصہ سیرت کی دوسری کتابوں پر فوقیت رکھتا ہے، اختلافی چیزوں میں ان کا قول قول فیصل کا حکم رکھتا ہے ان معاذی اور واقعات کے سلسلہ میں وہ اپنے طرز خاص کے ساتھ آیات کی تفسیر اور ان کے لطائف و اسرار بھی بیان کرتے جاتے ہیں، غزوات کا ذکر کرنے کے بعد ان کا معمول ہے کہ اس غزوہ کے متعلق جتنے فقہی احکام ہوتے ہیں یا اس سے جو مسائل و احکام استنباط کئے جاسکتے ہیں، ان سب کا تذکرہ کرتے ہیں، مثلاً غزوہ خیبر کے بعد انہوں نے مستقل فصل لکھی، فیما کان فی غزوہ خیبر من الاحکام الفقہیۃ، غزوہ فتح کے بعد لکھتے ہیں: فصل فی اشارۃ الی ما فی ہذہ الغزوۃ من الفقہ واللطائف، غزوہ حنین و اوطاس کے بعد لکھا ہے: فصل فی اشارۃ ما تضمنت ہذہ الغزوۃ من المسائل الفقہیۃ والنکت الحکمیۃ، وغیرہ وغیرہ ان میں وہ بہت قیمتی فقہی مواد جمع کر دیتے ہیں۔

ان غزوات و واقعات میں وہ متقدمین اہل سیر و معاذی کے مقلد و ناقل محض نہیں ہیں، انہوں نے بعض مواقع پر بعض مشہور باتوں سے اختلاف کیا ہے، اور اپنے ذاتی مطالعہ اور فہم سے اپنی ذاتی تحقیق پیش کی ہے، مثلاً عام طور پر کتب سیرت تاریخ میں نقل ہوتا چلا آ رہا ہے، اور سمجھا جاتا رہا ہے کہ انصاری بچپوں اور گورنوں کے خیر مقدمی اشعارہ

طلع البدر علینا من ثنات الوداع

وجب الشکر علینا مادعا لله داع

ایہا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

اس موقع پر پڑھے گئے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تھے، مگر ان کو اس سے اختلاف ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اشعار غزوہ نبوک (جو شام کی جانب سے)

سے واپسی کے موقع پر پڑھے گئے، وہ لکھتے ہیں:-

و بعض الرواۃ یعمرن فی هذا ویقول انما کان
بعض راویوں کو اس بارہ میں غلط فہمی ہو گئی ہے کہ یہ
ذک عند مقدمہ للبدینۃ من مکة
اشعار آپ کے مکتبہ سے مدینہ طیبہ تشریف آوری کے
و هو و هم ظاہر فان ثنیات الوداع انما هی
موقع پر پڑھے گئے یہ ایک کھلا ہوا مغالطہ ہے اس لئے کہ ثنیات
من ناحیۃ الشام لا یراہا القادوم من مکة الی
الوداع شام کی جانب سے آنے والا اس کو نہیں دیکھ
المدينة ولا یردہا الا اذا توجه الی الشام
سکتا، اور جب تک کہ شام کی طرف اس کا رخ نہ ہو وہ
ان کے پاس سے نہیں گزرتا۔

غزوہ تبوک کے بعد بھی انھوں نے اس کے احکام و فوائد تفصیل سے لکھے ہیں اور ان میں بہت سی کارآمد باتیں
فقہی معلومات، لطیف استنباط اور اجتماعی اور تمدنی احکام آگے ہیں مغازی و بعت سے فالغ ہو کر انھوں نے خود عرب کی
آند تفصیل سے بیان کی ہے، اور آپ کے وفود و مکاتیب کا تذکرہ کیا ہے جو آپ نے شاہان عالم اور امراء عرب کو بھیجے تھے۔
کتاب کی جلد ثانی کا ایک بڑا حصہ طب نبوی سے مخصوص ہے اس میں انھوں نے طب نبوی کے اسرار و حکم اور ان کی
طبی توجیہات پیش کی ہیں، اس میں احکام طبیہ، احکام فقہیہ اور مباحث حدیثیہ ساتھ ساتھ ہیں، اس سلسلہ میں انھوں
نے ایک بڑی محنت یہ کی ہے کہ حروف تہجی کے اعتبار سے ان تمام ادویہ و اغذیہ اور مفردات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے،
جن کے بارے میں کوئی صحیح یا ضعیف یا موضوع حدیث بیان کی جاتی ہے اور ان طبی حیثیت سے کلام کیا ہے اور
ان کے خواص بیان کیے ہیں، امراض و معالجات میں جہاں انھوں نے عشق و محبت کے مرض و علاج بھت کی
حقیقت اور اس کے طبی اسباب اس کے اقسام و درجات، پھر اس کے علاج و تدبیر کا تذکرہ کیا ہے وہاں ان کی
نفسیات سے گہری واقفیت زندگی کے وسیع مطالعہ اور امراض قلبیہ آگاہی کا اندازہ ہوتا ہے، اس طب نبوی

۱۰ ص ۲۶۶ (نظامی) ۱۱ ملاحظہ فرمائیے فی الاشارة الی بعض الضمنۃ لہم الغزوة من الفقہ والقوائد ص ۲۶۹ تا ۲۸۲ (نظامی)

۱۲ ایضاً ص ۲۸۳ تا ۲۸۵ ۱۳ ایضاً ص ۵۱۸، ۱۳۱-۲ ۱۴ ملاحظہ فرمائیے ص ۱۳۱-۲ ۱۵ ص ۹۲-۹۴

کے بارہ میں اگرچہ نکتہ کی بات وہی معلوم ہوتی ہے، جو شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ التراب الخیر میں لکھی ہے کہ اس کی حیثیت تبلیغی و تشریحی نہیں ہے، اور وہ آپ کے اور اہل عرب کے تجارب و عادات پر مبنی ہے، تاہم ان لوگوں کے لئے جو ہر ارشاد نبوی کو عظمت و محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہر مشورہ پر یقین و محبت کے ساتھ عمل کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، ہمیشہ قیمت مواد یکجا جمع ہو گیا ہے۔

اس حصہ سے فارغ ہو کر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور آپ کے افضیہ و احکام کی طرف توجہ کی ہے، اس میں مختلف ابواب فقہیہ و معاملات پر ایک بڑا وسیع اور بیش قیمت ذخیرہ جمع کر دیا ہے، اور گویا فقہ کی ایسی کتاب مرتب کر دی ہے، جو احادیث اور احکام و افضیہ نبوی پر مبنی ہے، ان ابواب و فصول کے علاوہ اس کتاب میں بہت سے بیش قیمت تفسیری، نحوی، تاریخی، کلامی لطائف و نکات و تحقیقات ہیں، جو اس ایک ہزار صفحہ کی کتاب میں مندرج و متفرق ہیں۔

اس کتاب کا قابل تنقید پہلو صرف یہ ہے کہ اس میں سیرت، حدیث، فقہ، تاریخ، کلام، نحو و صرف اور تقریباً تمام علوم اسلامیہ مخلوط ہیں، اور غالباً اس کتاب کی تالیف کے وقت ان پر ان کے شیخ کی نسبت غالب تھی، اس لئے وہ ذرا سی مناسبت سے کسی نحوی، کلامی مسئلہ کو چھیڑ دیتے ہیں، اور پھر پورے تشریح و بسط کے ساتھ اس پر کلام کرتے ہیں، اگر اس میں سے سیرت و شمائل کو علیحدہ، معازی و واہم واقعات کو علیحدہ، فقہ و احکام کو علیحدہ اور نحوی مباحث کو علیحدہ درج کر دیا جائے تو اس سے استفادہ آسان ہو جائے، لیکن اس کے باوجود وہ اسلام کی ان اہم تصنیفات میں سے ہے جو ایک پورے کتب خانہ کی قائم مقام، اور اس کا وجود ایک تبحر و محقق کثیر الفنون عالم کی موجودگی کے مراد ہے، اور اس سے ہزاروں طالبین راہِ خدا تبعین سنت نے دینی رہنمائی اور روحانی غذا اور ایمانی صلاوت پائی۔

۱۔ حجۃ التراب الخیر باب بیان اقسام علوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۲ تا آخر کتاب ۳۵ راقم سطور نے

۱۹۴۷ء میں مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران میں اس کی تجزیہ و تفسیر کا کام خیر الزاد کے نام سے شروع کیا تھا، افسوس کہ وہ اتنا مہم رہ گیا۔

ابن عبد الہادی

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے ان تلامذہ و منتسبین میں جن کو حدیث و سنت پر حیرت انگیز عبور تھا اور جن کی عمر کا بیشتر حصہ علوم سنت کی اشاعت اور خدمت اور اصلاح و دعوت میں گزارا حافظ ابن تیمیہ کے علاوہ ابن عبد الہادی ابن کثیر اور ابن رجب خاص امتیاز اور شہرت رکھتے ہیں۔

ابن عبد الہادی نے چالیس سال سے کم عمر پائی، اہل سیر و سوانح کا اندازہ ہے کہ اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ اکابر اہل عصر میں سے ہوتے اور بڑے بڑوں سے بھی سبقت لے جاتے، صدیقی کا قول ہے "لو عاش نکات ایۃ" (اگر زندہ رہتے تو عجائز روزگار میں سے ہوتے) علامہ ذہبی نے تعجب میں ان کو ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے :-

وہ بڑے ماہر فقیہ بہت اچھے قاری محدث، حافظ

هُوَ الْفَقِيهَ الْبَارِعُ الْمَقْرِيُّ الْمَجُودُ الْمَحْدَثُ

بصیرانجوی، صاحب علوم و فنون ہیں، انھوں نے مجھ سے

الْحَافِظُ النُّجُوِي الْعَادِقُ، ذُو الْفُنُونِ

حدیث سنی اور کتابت کی اور میں نے بھی ان سے استفادہ کیا۔

كُنْتُ حَتَّى وَاسْتَفَدْتُ مِنْهُ

علامہ وقت ابوالحجاج المزنی کا ان کے متعلق اعتراض ہے :-

جب کہیں ان سے ملنا ہوتا کوئی زکوٰۃ فائدہ حاصل ہوتا۔

مَا التَّقِيْتُ بِهِ الْاِوَاكِلَاتِ مِنْهُ

لہ الدرر الکامنه ج ۳ ص ۳۲۲

لہ ایضاً ج ۳ ص ۳۲۲

یہی الفاظ علامہ ذہبی سے بھی منقول ہیں، صفحہ ۱۰۰ کہتے ہیں:-

كنت اذا القيئه سألت عن مسائل
میری جہان سے ملاقات ہوتی تو میں ان سے
ادبیت و فوائد عربیة
مسائل ادبیر اور عربیت کے متعلق علمی سوالات
فیندر کالشیل^{۱۰۰}
کرتا اور وہ سیلاب کی طرح رواں ہو جاتے۔

حافظ ابن کثیر (صاحب تاریخ و تفسیر) ان الفاظ میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں:-

حصل من العلوم ما لا يبلغه الشيوخ
انہوں نے وہ علمی درجہ حاصل کیا جس تک بڑے بڑے
الکبار وتفنن في الحديث والنحو
معلم علماء و اساتذہ عام طور پر نہیں پہنچتے، حدیث
والتصريف والفقہ والتفسير والامليين
نحو، صرف، فقہ، تفسیر، اصول، فقہ، اصول، حدیث
والتاريخ والقرءات وله مجاميع
تاریخ، قرأت، تمام علوم میں ان کو کمال تھا، ان کے
وتأليف مفيدة كثيرة وكان
بہت سے مفید مجموعے اور تصنیفات ہیں، وہ اسمائے
حافظاً جيداً الأسماء الرجال وطرق
رجال و طرق حدیث کے بہت اچھے حافظ، جرح
الحديث عارفاً بالجرح والتعديل مبتعاً
و تعديل کے فن سے خوب واقف، علل حدیث کے
بطل الحديث حسن الفهم له جيد
بصر اور اس کی بہت اچھی سمجھ رکھنے والے تھے
المذاكرة صحيح الذهن متقيماً على
علماء کے ساتھ بہت اچھے طریقہ پر علمی مذاکرہ
طريقة التلمذ واتباع الكتاب والنه
کرتے، ذہن نہایت سلیم تھا، طریقہ و سلف پر
مشايراً على فعل الخيرات^{۱۰۱}
الشر تعالیٰ نے ان کو استقامت عطا فرمائی تھی،
اور کتاب و سنت کے اتباع کی توفیق دی تھی،
اعمال صالحہ پر صبر و ثبات سے قائم رہے۔

۱۰۰ الدرر الكامنة ج ۳ ص ۳۳۵
۱۰۱ ایضاً ۱۰۱ ص ۱۳۱

مختصر حالات

شمس الدین محمد نام، العمد لقب ابو عبد اللہ اور ابو العباس کنیت، عام طور پر ابن عبد الہادی کے نام سے مشہور ہیں، سلسلہ نسب اس طرح ہے، محمد بن احمد بن عبد الہادی بن عبد الحمید بن عبد الہادی ابن یوسف بن محمد بن قدامہ، خاندان کا اصل وطن بیت المقدس تھا، پھر وہ دمشق منتقل ہوا، اور دمشق میں محلہ صاحبیہ میں قیام اختیار کیا، جہاں ابن عبد الہادی کی ۵۰۴ھ میں پیدائش ہوئی، مختلف روایات سے قرآن مجید کی قرأت حاصل کی، حدیث اور درسی کتابوں کا بڑا حصہ قاضی ابوالفضل سلیمان ابن حمزہ البوکر بن عبدالدرام، عیسیٰ بن مطعم حجاز، زینب بنت الکمال اور بہت سے اساتذہ اور علماء سے حاصل کیا، حدیث اور فنون حدیث سے خاص طور پر اشتغال کیا، اور فن رجال اور علل حدیث میں خاص مہارت اور بصیرت پیدا کی، اور مذاہب میں تفقہ حاصل کیا، اصول حدیث اور اصول فقہ اور علوم عربیہ میں بھی دستگاہ کامل تھی، ابن رجب لکھتے ہیں:-

ولزم الشيخ تقي الدين ابن تيمية مدة

شيخ الاسلام ابن تيمية کی صحبت میں عرصہ تک

وقرأ عليه قطعة من الاربعين في

رہے اور ان سے رازی کی کتاب الاربعین فی

أصول الدين للرازي۔

اصول الدين کا ایک حصہ پڑھا۔

فقہ میں ان کے خاص اتنا و شیخ نجم الدین حرانی تھے، مشہور محدث و عالم رجال اور اپنے زمانہ کے

عالم حدیث و رجال حافظ ابوالحجاج المزنی کی صحبت میں دس برس رہے، علامہ ذہبی سے بھی تحصیل علم کی

اور علامہ موصوف نے رجال و علل اور علوم میں ان کی مہارت اور تفوق کا اعتراف کیا، حسینی کے

بیان کے مطابق عرصہ تک مدرسہ صدریہ و ضیاءیہ میں درس دیا، اور صدر مدرس رہے۔

ابن رجب ابن کثیر میں ۵۰۴ھ سنہ ولادت ہے۔ ۵۰۴ھ الدر الکامنه ج ۳ ص ۳۳۲

ان کے معاصرین کثیران کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ تین مہینے کے قریب پھوڑے اور
 سل کے بخار میں بیمار رہے یہ تکلیف بہت بڑھ گئی اور اسہال کی شدت ہوئی آخر بدھ کے روز اجڑادی الاولیٰ
 ۱۲۲۲ء میں عصر کی اذان سے پہلے انتقال کیا، ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان کے والد نے مجھے بتلایا کہ آخری الفاظ جو
 ان کی زبان پر جاری ہوئے وہ یہ تھے "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي
 مِنَ التَّوَابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ" اگلے روز جمعرات کے دن جامع مظفری میں ان کی نماز جنازہ ہوئی جس میں
 شہر کے قضاة اعیان و مشاہیر علماء و حکام اور تجار و عوام سب شریک ہوئے ابن کثیر لکھتے ہیں :-

وكانت جنازته، حافلة مليحة عليها

ان کے جنازہ میں بڑا اثر دام اور ایک خاص

ضوء و نور

طرح کی نورانیت اور رونق تھی۔

روضہ میں السیف بن المجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

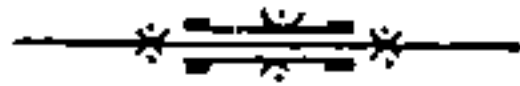
تصنیفات

علامہ ابن عبد الہادی نے کم عمر پانے کے باوجود تصانیف کی ایک بڑی تعداد یادگار چھوڑی
 جو ضخامت اور صفحات کی تعداد کے لحاظ سے بھی اہمیت رکھتی ہیں اور جن تصنیفات اور مواد کے لحاظ
 سے بھی ان میں سے متعدد کئی کئی جلدوں میں ہیں، حافظ ابن رجب نے ذیل طبقات احنابلہ میں جن تصانیف
 کا حوالہ دیا ہے ان میں سے زیادہ اہم تصنیفات کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے: الاحکام الکبریٰ، جلد "المحرر
 فی الاحکام ایک جلد" کتاب العمدۃ فی الحفاظ و جلدیں "تعلیقۃ للثقات و جلدیں" احادیث الصلوٰۃ
 علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جلد، الاعلام فی ذکر مشائخ الائمة الاعلام اصحاب الکتب الستہ

لہ البایۃ والنہایۃ ص ۱۱۱ ۱۱۲ اس بابے میں ان کو ہندوستان کے مشہور و مقبول عالم و مصنف مولانا عبدالحی ککنوی سے

مشابہت ہے جنہوں نے صرف ۳۹ سال عمر پائی اور تصانیف کا ایک بڑا اور مفید ذخیرہ یادگار چھوڑا۔

متعدد اجزاء، ایک ضخیم کتاب، حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بارہ میں، تعلیقہ علی سنن البیہقی
۲ جلدیں، ترجمۃ الشیخ تقی الدین ابن تیمیہ ایک جلد، منقحی من تہذیب الکمال للمزی پانچ جلدیں، منتخب
من سند الامام احمد ۲ جلدیں، منتخب من البیہقی، منتخب من سنن ابی داؤد، شرح الفیہ لابن مالک
ایک جلد، امام ذہبی کی تصانیف پر تنقید و تعقیبات متعدد اجزاء، الرد علی ابی حیان، النحوی، اس کے علاوہ
مختلف تعلیقات اور مختلف احادیث کے بارہ میں مستقل رسائل جن کی فہرست طویل ہے، علامہ تقی الدین
ابن ابسکی نے مسئلہ زیار پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تردید میں جب "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" کتاب
لکھی تو علامہ ابن عبد الہادی نے الصارم المنکی فی الرد علی ابسکی کے نام سے اس کا ناقدانہ و محدثانہ
جواب لکھا جو ان کی علمی فضیلت اور حدیث و رجال پر وسعت نظر کا گواہ ہے۔



ابن کثیر

عماد الدین اسماعیل بن عمر نام، ابو القداہ کنیت، ابن کثیر کے نام سے شہرت پائی، قیس الاصل تھے، شہر بصری (شام) کے نواح میں نجدل گاؤں جہاں ان کے والد خطیب تھے، ۷۷۷ھ میں پیدا ہوئے، ۸۰۷ھ میں دمشق اپنے والد کے ساتھ منتقل ہوئے، شیخ برہان الدین الفراری وغیرہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، ابن السویدی، ابوالقاسم عساکر اور دوسرے شیوخ حدیث سے حدیث کی سماعت و روایت کی، علامہ مزنی سے تلمذ خاص تھا، اور ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا، بکثرت ان سے روایتیں ہیں، فتویٰ تدریس، مناظرہ سے اشتغال رہا، فقہ تفسیر اور نحو میں خاص دستگاہ تھی، رجال و علل حدیث میں نظر وسیع اور دقیق تھی، مدرسہ ام الصالح میں مدرس رہے، اور علامہ ذہبی کے انتقال کے بعد مدرسہ تنکزیہ میں بھی درس دیا، علامہ ذہبی کے ان کے متعلق الفاظ ہیں:-

وہ نخبہ کار فقیر، محقق محدث اور نقاد مفسر ہیں اور

هُوَ فَمِيَّةٌ مُتَّقِنٌ وَمُحَدِّثٌ مُتَّقِنٌ وَمُفْتِيٌّ

مفید تصانیف رکھتے ہیں۔

نَقَادٌ وَلَهُ تَصَانِيفٌ مُفِيدَةٌ

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:-

بڑے حاضر العلم، کثیر المحفوظات تھے، ان کی تصانیف

كَانَ كَثِيرًا لَا تَحْضُرُ وَسَارَتِ تَصَانِيفُهُ

ان کی زندگی ہی میں ملکوں میں پھیل گئی تھیں، اور لوگوں

فِي الْبِلَادِ فِي حَيَاتِهِ، وَانْتَفَعُ بِهَا النَّاسُ

بعد وفاتہ۔

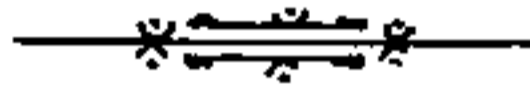
نے ان کی وفات کے بعد بھی ان سے فائدہ اٹھایا۔

باوجود شافعی ہونے کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بڑے گرویدہ اور ان کی عظمت و امامت کے قائل تھے ان سے تلمذ بھی ہے ابن حجر کہتے ہیں "أَخَذَ عَنِ ابْنِ تَيْمِيَّةَ فَفُتِنَ بِمِجِبِهِ وَامْتَحِنَ بِسَبَبِهِ" "البدایۃ والنہایۃ" میں ان کے حالات و واقعات زندگی بڑی تفصیل اور شغف و اہتمام سے لکھے ہیں اور ان کی طرف سے پوری مدافعت کی ہے ہماری کتاب میں شیخ الاسلام کے حالات و واقعات زندگی کا بڑا حصہ اسی کتاب کا مخزبہ تصانیف میں سے التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل پانچ جلدوں میں اور الہدی والسنن

فی لحادیث المسانید والسنن، تخریج ادلة التنبیہ، مستد الشیخین، علوم الحدیث، طبقات الشافعیہ، وغیرہ ان کی تصانیف ہیں احکام میں ایک مبسوط کتاب لکھتی شروع کی تھی، لیکن مکمل نہیں ہوئی، مستد امام احمد کو حروف پر مرتب کیا، اور اس میں طبرانی اور ابو یعلیٰ کے زوائد بھی شامل کر دیئے، لیکن ان کا اصلی تصنیفی کارنامہ دو کتابیں ہیں جن کو قبول عام حاصل ہوا، اور جن سے علمی حلقوں میں اس وقت تک استفادہ کیا جا رہا ہے ایک ان کی تفسیر جو ان تفاسیر میں جن کی بنیاد منقولات و روایات پر ہے سب سے زیادہ مقبول اور قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے علامہ سیوطی اس کے متعلق لکھتے ہیں "لہ التفسیر الذی لم یؤت مثلاً" اس تفسیر سے پہلے اہل منقول نے جو تفاسیر لکھیں ان میں محدثانہ احتیاط اور احادیث کے صحیح انتخاب کی بڑی کمی اور ضعیف احادیث و اسرائیلیات کی بڑی کثرت تھی، حافظ ابن کثیر ایک پختہ کار محدث تھے انھوں نے محدثانہ طریق پر یہ تفسیر مرتب کی اگرچہ وہ اس میں اس بلند محدثانہ معیار کو پورے طور پر قائم نہیں رکھ سکے جس کی ان سے توقع تھی اور انھوں نے کسی قدر توسع سے کام لیا، اور اسرائیلیات کے ایک حصہ کو قبول کیا، مگر اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ تفاسیر میں محدثانہ نقطہ نظر سے تفسیر سب سے زیادہ قابل اعتماد و استفادہ ہے، حال میں مصر کے نامور فاضل و محقق استاد احمد محمد شاہ نے عمدۃ التفسیر عن المحافظ ابن کثیر کے نام سے اس کا خلاصہ شائع کیا ہے جس میں کتاب کی خصوصیات و محاسن کو برقرار رکھتے ہوئے ضعیف احادیث

غیر مستند اسرائیلیات، مکرر اقوال اور اسانید اور طویل کلامی مباحث، فقہی فروع اور لغوی و لفظی مناقشات کو حذف کر دیا ہے۔

ان کی دوسری اہم اور مقبول تصنیف "البدایہ والنہایہ" ہے جو ۱۳۵۱ھ میں ۱۲ جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے، یہ عرب مورخین کے دستور کے مطابق ابتداء سے ۱۷۶۷ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، علامہ ابن اثیر کی مشہور و مقبول کتاب "الکامل" ۶۳۸ھ تک کے واقعات پر ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس کتاب ۱۳۹ سال کے حالات اور تاریخ کا اضافہ ہے، تاریخی حلقہ اور آٹھویں صدی کی اہمیت کی وجہ سے یہ زمانہ بڑا اہم اور پر از واقعات ہے، اس وجہ سے بھی اور تاریخی استناد و تفصیل کی وجہ سے بھی یہ کتاب اکثر مورخین کا مرجع و ماخذ ہے، شعبان ۷۷۴ھ میں حافظ ابن کثیر نے وفات پائی اور دمشق کے مشہور مقبرہ الصوفیہ میں دفن ہوئے۔



لے ذیل تذکرۃ الحفاظ (حافظ شمس الدین ابوالحسن اسینی) ذیل طبقات الحفاظ (السیوطی)

حافظ ابن رجب

مختصر حالات

عبدالرحمن نام، والد کا نام احمد بن رجب، سلسلہ نسب اس طرح ہے عبدالرحمن بن احمد بن رجب ابن عبدالرحمن بن محمد بن ابی البرکات مسعود، خاندانی وطن بغداد تھا، وہیں ربیع الاول ۷۳۶ھ میں پیدا ہوا، ۷۴۴ھ میں اپنے والد کے ساتھ صغریٰ میں دمشق آئے، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن انجناز اور ابراہیم بن العطار وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی، مصر میں ابوالفتح المیدومی ابوالکرم القلانسی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی، حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے کہ انہوں نے کثرت سے حدیث کی سماعت کی اور حدیث کے ساتھ اشتغال کیا، یہاں تک کہ فن حدیث میں مہارت حاصل کر لی، حافظ ابوالفضل تقی الدین ابن فہر کی (م ۷۸۷ھ) نے تذکرۃ الحفاظ کے ذیل (مخط الاخطاظ) میں ان کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے:

الامام الحافظ العجیب والفقیر العمدۃ احد العلماء الزہاد والائمة العباد مفید المحدثین واعط

المسلمین، وہ ان کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ متورع و زاہد پیشوا تھے، اللہ تعالیٰ نے قلوب میں ان کی

لہ حافظ ابن رجب اگرچہ براہ راست شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے شاگرد نہیں ہیں، اور وہ ان کی وفات کے ۸ سال بعد پیدا ہوئے

مگر وہ حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد اور عام طور پر ابن تیمیہ و ابن تیمیہ سے متاثر ہیں، اور چند مسائل کے علاوہ عمومی طور پر وہ ان کے

ہم مسلک اور ان کے رجال میں سمجھے جاتے ہیں۔ ۷۸۷ھ

محبوبیت پیدا کر دی تھی اور تمام جماعتوں کا ان کی صلاح و فضیلت پر اتفاق تھا، ان کی مجالس و عظیموں اور بڑی مفید اور نہایت درجہ موثر تھیں، الشہاب بن عجمی ان کی علمی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”فن حدیث میں بڑے مبصر اور محقق تھے، اپنے معاصرین میں علل حدیث اور طرق حدیث کے

سب سے زیادہ واقف تھے، اکثر ہمارے ہم عصر علماء نے خابلہ ان کے شاگرد ہیں“

ماہِ رجب ۴۹۵ھ میں انتقال ہوا، اور اباب الصغیر دمشق میں دفن ہوئے، انتقال سے چند دن پیشتر

ایک گورنر کے پاس آئے اور ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہاں میرے لئے قبر کھودو، گورنر کا بیٹا

ہے کہ میں نے قبر کھودی وہ اس میں اترے اور لیٹے اور کہا کہ اچھی ہے، چند روز کے بعد ان کا انتقال ہوا،

اور اسی میں دفن ہوئے۔

تصنیفات

تصنیفات میں ترمذی کی شرح اور بخاری کے ایک حصہ کی شرح کی ہے، بخاری کی شرح کا نام انھوں

نے فتح الباری رکھا تھا، یہ شرح مکمل نہیں ہو سکی، ابن ابی نعیم کی طبقات اسخابلہ کا ذیل لکھا، ایک کتاب

”اللطائف فی وظائف الایام و عظ کے طریقہ پر ہے، اور فوائد اور قواعد فقہیہ پر مشتمل ہے، امام نووی کی ”العین“

کی شرح کی جس میں بیالیس حدیثیں تھیں، اور آٹھ حدیثوں کا اضافہ کیا، یہ جامع العلوم والحکم شرح خمیس

حدیثی جامع الکلمہ کے نام سے ۱۳۲۶ھ میں مصطفیٰ ابابلی اہلبسی کے مطبع سے شائع ہوئی ہے، حدیث

”ماذبان جائعان أرسلانی عنہما“ کی مستقل شرح کی ہے، ایک رسالہ ”فضل علم السلف علی الخلف“

ہے، یہ تینوں مؤخر الذکر کتابیں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں، ان کی تصنیفات میں حافظ ابن قیم کی اصلاحی

۱۸۱ھ ۱۸۱ھ حاشیہ بحکا الاما ص ۱۸۱ ۱۸۱ھ الدرر الکامنہ ص ۳۲۲ ۱۸۱ھ ندوة العلماء کے کتب خانہ میں قلمی

موجود ہے، چند سال ہوئے دمشق سے شائع بھی ہو گیا ہے۔

دعوتی روح و جذبہ اور ان کی تحریر کی صلاوت و سلاست نظر آتی ہے۔

ان تلامذہ و تلامذہ تلامذہ کے علاوہ آٹھویں اور نویں صدی کے بعض ایسے جلیل القدر علماء مصنفین اور مصلحین ہیں جن کے متعلق یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کو شیخ الاسلام یا ان کے کسی تلمیذ سے تلمذ حاصل ہے مگر ان کی تصنیفات میں واضح طریقہ پر شیخ الاسلام کا فکر ان کی روح، ان کا علم اور ان کی دعوت نظر آتی ہے ان حضرات نے شیخ الاسلام کے تلامذہ یا تصنیفات سے استفادہ کیا ہو یا اس کی نوبت نہ آئی ہو، وہ اتحاد فکر و ذوق کے لحاظ سے اسی دبستان فکر کے علماء و مصلحین میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں ان شخصیتوں میں "الموافقات" کے فاضل مصنف علامہ ابوالاسحاق شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کی کتاب "الاعتصام" اسی اصلاحی سلسلہ کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے جس کی ابتداء اپنے زمانہ میں شیخ الاسلام نے کی اور جو سنت و بدعت کے موضوع پر سب سے پرمغز، مکمل، اصولی اور فاضلانہ تصنیف ہے۔



INDEX

اشکالیکہ

(تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم)

رتبہ

محمد عیاش الدین ندوی

شخصیات

الف

۱۱۸، ۱۱۱، ۱۵، ۱۰۲، ۷۱، ۱۹۶، ۹۸، ۹۲		
۳۱ - ۲۵، ۲۳، ۲۶، ۲۸، ۳۲، ۳۰، ۳۳، ۳۴	۳۹ (میدنا حضرت) آدم علیہ السلام	
۱۱۷، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	(میدنا حضرت) ابراہیم علیہ السلام - ۱۱۳۳، ۱۸۶، ۳۹	
۱۹۵، ۱۹۲، ۱۶۸		
۲۰۰	ابان بن سعید بن العاص	
۳۷۴	ابراہیم بن الخباز	
۶۳	ابراہیم بن القطان	
۳۷۴	ابراہیم بن العطار	
۲۲۰	ابن ابی اصیبعہ	
۲۷۵، ۳۷۲	ابن ابی یعلیٰ	
۲۷۳، ۱۱۲۵	ابن الاثیر	
۲۸۱	ابن الانباری	
۱۵۴	ابن بطوطہ	
۱۰۲	(قاضی) ابن جماع	
۱۵۹، ۱۵۵، ۱۵۲، ۱۳۷	(حافظ) ابن حجر عسقلانی - ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	(شیخ الاسلام) حافظ احمد تقی الدین (ابن تیمیہ) - ۱۴، ۱۱
۲۷۵، ۳۷۲، ۳۷۱		
۹۱، ۸۹، ۱۸۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱		

۱۸۲	(شیخ) ابوالحسن نوری	۱۱۱	(حضرت) ابن مسعود
سراج الدین	ابو حفص دیکھے	شمس الدین	ابن مسلم دیکھے
۲۸۱/۱۳۹/۱۱۱	(امام) ابو حنیفہ	۲۹۰/۲۸۶/۲۸۴	ابن الطہر احملی
۱۵۵/۱۵۲/۱۵۱	ابو حیان مفسر	۵۷	ابن النحاس
۱۳۶/۲۹	(علامہ) ابو حیان النحوی	۳۷۵	(علامہ) ابواسحاق شاطبی
۶۱	ابوالربیع سلیمان (تخلیقہ عباسی)	۲۲۱	ابوالبرکات بغدادی
۱۵۵	(حافظ) ابو ذر عہ	۲۹۳/۲۹۲/۲۹۱/۱۸۳	(حضرت) ابوبکر صدیقؓ
۳۰۰	ابوسقیان بن اسحاق	۳۰۵-۳۰۸/۲۹۹-۳۰۱	
۱۸۳	ابوسلیمان دارانی	۲۲۱/۱۵۳/۱۴۳	ابوبکر ابائقانی
۵۱/۵۰	(قاضی) ابوالعباس	۳۳۵	ابوبکر بن ایوب
۱۶۳	ابوعبدالشر محمد بن اسماعیل البخاری	۳۶۸/۳۳۵	ابوبکر ابن عبدالدائم
۱۹۷	ابوعبدالشر محمد بن نعمان المقبذ	۱۸۳	(شیخ) ابوبکر شبلی
۲۲۱	ابوعلی جبائی	۱۱۱	ابو ثور
۱۹۵	ابوعمر	۱۱۱	(حضرت) ابوجعفر محمدؓ (الباقر)
۸۳	(علامہ) ابوعمر ابن عبدالبر	۱۸۳	ابوجہیر تابینا
۳۷۴	ابوالفتح المیدوی	جمال الدین	ابوالکجاج المزنی دیکھے
نصر المنبجی	(شیخ) ابوالفتح دیکھے	۳۷۴	ابوالکرم القلانسی
۳۷۱	ابوالقاسم ابن عساکر	۱۵۳/۱۸۴/۱۴۴	(امام) ابوالحسن اشعری
(المستنصر بالشر) ابوالقاسم احمد بن امیر المؤمنین الظاہر		۱۳	(مولانا) ابوالحسن علی (ہندوی)

۲۷۶	اشیاء نبوی	۸۳	(شیخ) ابو محمد عبدالقادر گیلانی
عبدالشر	دیکھیے	۲۱۱	(حضرت) ابو موسیٰ اشعریؓ
جمال الدین	دیکھیے	۲۳۶، ۲۳۳، ۲۲۲	ابو نصر فارابی
۲۳۲، ۲۲۲، ۲۲۲، ۲۲۰، ۲۳۲	اقلاطون	۳۰۳	ابونعیم
۱۴۴	افشہری	۲۸۱	اثرم
۲۲۰	اقلیدس	۲۲۳، ۲۳۰، ۳۰۱، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۲۸	(امام) احمد بن حنبل
محبی الدین	(شیخ) اکبر و ابن عبیر دیکھیے	۲۷۴	احمد بن رجب
۱۵۳، ۱۴۴	امام اکرمین	۲۶۸	احمد بن عبدالہادی
۴۷	(قاضی) امام الدین	۷۰	(شیخ) احمد بن یونس العسلی
۳۱۰	امام غائب	مجد الفتالی	(شیخ) احمد سرمدی دیکھیے
۲۰	(حضرت) انس بن مالکؓ	۱۶۶	(حضرت سید) احمد شہید
۱۱۱	(امام) اوزاعی	۳۷۲	احمد محمد شاکر
	(ب) (پ)	۲۸۱	اخفش (نحوی)
۴۲	ابا سلی	۵۳، ۵۲	ارچواش
۱۸۴، ۱۸۱	(شیخ) ابان بن عثمان	۲۳۳، ۲۳۱، ۲۲۸، ۲۲۶، ۲۲۲، ۲۲۰، ۲۱۷، ۲۱۴	ارسطو
۱۱۱	(امام) بخاری	۲۵۵، ۲۴۷، ۲۴۵، ۲۳۳، ۲۳۱	۳۶
۸۸	(قاضی) بدر الدین بن جماعہ	۲۶۴	اریوسی
۲۲۱	برقلس	۱۶۶	(مولانا) اسماعیل شہید
۳۲۷	(قاضی) برہان الدین زرعی	۱۱۱	(امام) اسحاق ابن راہویہ
		۲۷۱	اسرائیل

(علامہ) تقی الدین علی ابن ابی السبی ۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴	۳۲۱	(شیخ) برہان الدین الفزاری
(حافظ ابو الفضل) تقی الدین ابن فہدکی ۳۴۴	۲۸۲۱۲۲۰	بطلمیوس
(علامہ) تقی الدین ابو عمرو بن الصلاح ۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴	۲۸۲۱۲۲۰	بقراط
(قاضی) تقی الدین سلیمان ۳۲۵	۱۷۰	(حضرت) بلالؓ
(شیخ عبد القادر) تلمسانی ۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵	۷۰	بیانی
(الملك المعز) توران شاہ ۲۲	۲۲۲	بو علی سینا
(امیر) توزون ۳۷	۵۳	(امیر) بولائی
تمیہ (والد ابن تمیہ) ۳۳	۴۱	(قاضی) بہاء الدین الزکی الشافعی
(امام) ثوری ۱۱۱	۱۵۴۱۱۲۵	(شیخ محمد) بھجہ البیطار
(ح) (ح)	۳۱۱۲۲-۲۷	(الملك الظاہر) بیبرس
(حضرت) جابرؓ ۳۶۲	۳۳۴	(امام) بہیقی
جاشگیر دیکھیے رکن الدین ۸۶	۲۶۴	پال (پوس)
(حضرت) جبرئیل ۲۸۲	۱۳۰	(ت) (ت)
جالینوس (حضرت) جعفر (الصادق) ۱۱۱	۴۲۱۴۱	تاج الدین ابن ابی السبی
(قاضی) جلال الدین ۳۷	۲۳۲	(شیخ) تاج الدین الفزاری
(مولانا) جلال الدین رومی ۲۷۸-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴		تالیس
(شیخ) جلال الدین قرظوبی ۱۵۴۱۲۹		(امام) ترندی
(علامہ) جمال الدین ابوالکھراج المزنی ۱۲۵-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰	۱۵۱	تقی ابن الاخشائی مالکی
	۱۳۹۱۳۰-۱۳۱	(علامہ) تقی الدین ابن دقیق العید

۲۸۲	(اولیجا) خدا بنده خاں	۶۳۱۵۵	جمال الدین آقوش الافرم
۳۰۶	خزنده (تاتاری بادشاہ)	۱۰۳۱۰۲	(قاضی) جمال الدین ابن انقلابی
۲۸۲	خلفی (عالم ہیئت)	۱۳۸	(شیخ) جمال الدین الزمکانی
نعمان	(علامہ) خیر الدین دیکھے	۱۸۳	جنید بغدادی
۲۸۱	خلیل (نحوی)	۳۰۰۱۶۵۱۳۷	چنگیز خاں
	(ذ) (ح)		(ح)
۲۸۲۱۲۷۱۲۱۱	(سیدنا حضرت) دانیالؑ	۲۷۶	حقوق
۱۲۷۷۱۲۳۲۱۴۰۱۳۳	(سیدنا حضرت) داؤدؑ	۱۱۳	حجاج بن یوسف
۳۴۰۱۲۸۲۱۲۷۹		۲۷	(سلطان) حسام الدین لاجین
۱۱۱	(امام) داؤدؑ	۸۸۱۵۷	(امیر) حسام الدین مہتابین علی بن علی ملک العرب
۶۶	دجال	۳۰۳۱۲۹۲	(حضرت) حسنؑ
۱۷۸-۳۲۱۳۳۱۳۰۱۲۹	(حافظ شمس الدین) ذبیحی	۲۷۲	احسن بن ابی البرکات نسود
۲۸۶۱۱۷۹۱۱۷۰۱۱۶۸۱۱۶۵۱۱۵۰۱۱۳۶۱۱۳۴		۲۷۵	حسن بن ایوب
۳۷۱۱۳۶۶-۶۸۱۳۳۵۱۳۱۳		۲۲۱	حسن بن موسیٰ زنجی
	(ص)	۳۰۳۱۳۰۲۱۲۹۲۱۲۱۳۱۱۰۵	(حضرت) حسینؑ
۲۲۳۱۲۲۱	(امام) رازی	۲۷۳۱۳۶۸	(حافظ شمس الدین ابوالحسن) حسینی
۳۰۰	(حضرت) ربیع بن اکارث	۱۲	(مولانا شاہ) حلیم عطا
۳۷۲	رجب بن عبدالرحمن	۳۸	(امام) حمیدی
			(خ)
۹۸۱۷۷۷۰۲۳ (ابجاشنگیر)	(امیر) رکن الدین بیرس	۳۰۰	(حضرت) خالد بن سعید بن العاصؑ
۱۷۳۱۱۰۳۱۱۰۳۱۱۰۳۱۱۰۳			

۱۳۶۱۱۳۵۱۶۸ (شیخ) صفی الدین الہندی

۲۶۰۱۳۹۱۳۳۲۲- (سلطان) صلاح الدین الیوبی

(ط)

۳۵۹ (امام) طاؤس

علاء الدین طبری دیکھیے

۲۴۲۱۳۵۹ (امام) طبری

(ع) (غ)

(حضرت سیدنا) عیسیٰ علیہ السلام دیکھیے حضرت مسیحؑ

۱۹۰ (سیدنا حضرت) عزیز علیہ السلام

۲۶۶ عاذر

۲۸۲ عاقون

۲۹۲۱۳۱۱۱۱۱۶ (حضرت) عائشہؓ

۳۰۰۱۲۰۵ (حضرت) عباسؓ

شہاب الدین عبدالحلیم دیکھیے

۳۶۸ عبدالحمید بن عبدالبہادی

۱۶۶ (مولانا) عبدالحی برہانوی

۳۶۹ (مولانا) عبدالحی لکھنوی

۳۴۲ عبد الرحمن بن الحسن

۱۱۱ (حضرت) عبد الرحمن بن عوفؓ

۱۸۱ (مخدوم شیخ) شرف الدین بھائی منیری

۲۸۹ (امام) شعبی

۱۵۸ (امام) شعرانی

۱۳۵ شکر الیقوتی (سابق صدر جمہوریہ شام)

ذہبی شمس الدین دیکھیے

۱۱۳۱۱۱۳ (قاضی) شمس الدین ابن سلم

۹۷ (قاضی) شمس الدین التونسی

۱۵۸ (حافظ) شمس الدین الشافعی

۳۷۵ الشہاب بن عجمی

۴۱۱۳۶۱۳۲ شہاب الدین عبدالحلیم ابن تیمیہ

۲۰۱۲۸۹ شیطان

(ص)

۳۷۷ (سیدنا حضرت) صالح علیہ السلام

۲۲۰ صاعدانسی

۶۶ (شیخ) صالح (رفاعی صوفی)

۱۳۲ (شیخ) صالح تاج الدین

۱۵۶۱۷۴۱۷۴۱۷۰ صدر الدین قونوی

(حضرت) صدیق اکبرؓ دیکھیے ابو بکرؓ

۳۶۷۱۳۶۶ صفدی

۳۰۰	(حضرت) عقیلؑ	۱۵۶	عبدالرزاق کاشی
۲۹	(علامہ) علاء الدین الباجی	تلمسانی	(شیخ) عبدالقادر دیکھے
۸۲۱۸۰	علاء الدین الطبری	۹۶	(حضرت شیخ) عبدالقادر جیلانی
۱۲۶۱۰۲۱۸۸۱۲۹	(حافظ) علم الدین البرزالی	۲۲۱	(علامہ) عبدالکریم شہرتانی
۱۴۱۱۲۸		۱۵۶	(شیخ) عبدالکبیر مہنی
۲۹۲۱۲۸۵۱۲۵۹۱۳۱۱۱۱۱۱۱۵۹	(حضرت) علیؑ	۳۲۸	(شیخ الاسلام) عبدالشہر آشوری
۳۰۹۱۳۰۸۱۳۰۰-۳۰۵		۱۹۹۱۱۲۰	(قاضی) عبدالشہر بن الاخوانی
۱۱۱	(حضرت) علی بن حسینؑ	۱۲۳	عبدالشہر بن محب
۱۹۹	(شیخ) علی بن یعقوب البکری	۱۲۳	عبدالشہر الزرعی
۱۸۸۱۱۶۱۱۱۵۵	(ملا) علی قاری	۳۲۹	(مولانا سید) عبدالشہر غزنوی
۲۱۳	(حضرت سید) علی ہجویری (داتا گنج بخش)	۳۶۸	عبدالہادی بن عبدالحمد
	(حافظ) عماد الدین ابن کثیر دیکھے ابن کثیر	۳۶۸	عبدالہادی بن یوسف
۱۷۷	(علامہ) عماد الدین الہواسطی	۲۹۳۱۲۹۲۱۲۹۱	(حضرت) عثمان بن عفانؑ
۳۰۱۲۹۳۱۲۹۱۱۲۱۱۱۲۰۵۱۱۸۳	(حضرت) عمرؑ	۳۳۹	(حضرت) عدی بن حاتمؑ
۳۰۳۱۳۰۳۱۳۰۱		۹۶	(شیخ) عدی بن مسافر اموی
۱۱	(حضرت) عمر بن عبدالعزیزؑ	۲۲۳	عزالدین ایک الحوی
۳۵۹	(قاضی) عیاضؑ	۲۲	(الملك المعز) عزالدین ایک الترمکانی
۳۶۸۱۳۲۵	عیسیٰ بن مطعم حجار	۱۵۵۱۳۰۱۲۹	(شیخ الاسلام) عزالدین بن عبدالسلام
۱۸۰۱۱۵۹	(علامہ) عینی	۳۲۸	عزات

۲۲۳	قطب الدین شیرازی	۲۳۸۱۲۳۲۱۲۲۱۱۱۵۸	(حجۃ الاسلام) امام غزالیؒ
۲۲۰	قطعی	۲۲۳۱۲۲۳	
۱۷۱	قصر		(ف)
	(ک)	ابونصر	فارابی
۱۵۶	(شیخ) کبیرینی	۳۰۵۱۳۰۳۱۲۹۱	(حضرت) فاطمہؓ
۱۷۱	کسری	۳۳۵	فاطمہ بنت جوہر
۵۰۱۲۹	(شیخ) کمال الدین الانجا	۳۳	فخر الدین ابن تیمیہ
۶۸۱۳۰۱۲۹	(علامہ) کمال الدین بن الزمکانی	۲۸۱	فراء (نحوی)
۳۱۳۱۱۳۰۱۱۲۸۱۱۰۳		۳۱۸۱۲۶۱۱۵۹۱۵۰	فرح الشوزکی الکردی
۲۸۲	کوشیار (عالم ہیئت)	طبقات	فرشتہ - مائیکہ
	(ل)		فرعون
۲۲۵۱۲۲۳	لطفی جمعہ	۲۷۱۱۷۰۱۶۹	فضل بن عیاض
۲۳۲	لقمان حکیم	۲۳۲	فیثا فورث
۲۶۵	لوقا		(ق)
۲۱۵	(حضرت) لیش بن سعد	۴۷-۵۳	قازان (محمود)
	(م)		قبیحتی
	(سیدنا و نبینا حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۳	قسطنطین
۹۲۱۸۷۱۸۶۱۸۱۶۸۱۶۱۱۲۵۱۲۳۱۲۷۱۱۸		۲۶۲	قطب الدین ابوالمعالی اشعری
۱۵۶۱۱۳۹۱۱۳۲۱۱۳۱۱۱۵۱۱۰۹-۱۱۱۹۵-۹۷		۳۹	قطب الدین رازی
		۲۲۳	

۲۸۶	محب الدین انخلیب	۲۱۰۲۰۹۱۲۰۵-۷۱۹۹-۲۰۲۱۹۷۱۱۹۱۱۹۰
۱۶۳	(خواجہ) محمد امین کشمیری	۲۷۲۰۲۶۸۱۲۶۶۱۲۶۵۰۲۶۲۱۲۶۱۰۲۲۲۱۲۱۲
۳۰	(انکالی) محمد الایوبی	۲۹۲-۹۶۱۲۸۸۱۲۸۲۱۲۸۰-۸۲۱۲۷۶-۷۸
۲۹۲	محمد بن ابی بکرؓ	۲۲۸۱۲۲۳۱۳۲۲۱۳۱۹۱۳۰۲-۹۱۲۹۹-۳۰۱
۳۶۸	محمد بن احمد	۲۵۸۱۲۵۰-۵۵۱۲۳۹۱۲۳۵-۳۷۱۲۳۲
۳۷۲	محمد بن اسماعیل	۲۷۰۱۲۶۵۱۳۶۲۱۳۵۹
۳۳	محمد ابن انخضر	۱۸۲۰۸۶۱۶۹ (میدنا حضرت) موسیٰ علیہ السلام
	(شیخ) محمد ابو زہرہ	۱۲۸۲۱۲۷۹۱۲۷۷۱۲۷۱۱۱۹۵۱۱۹۲۱۱۸۵
		۲۸۹۱۲۸۸
۱۲۲	(شیخ) محمد تمام	۱۹۲۰۱۹۰۷۸۶ (میدنا حضرت) یسوع علیہ السلام
	(شیخ) محمد بن عبدالرحیم الارموی دیکھئے صفحہ صغی الدین	۲۷۵-۷۷۱۲۷۰-۲۷۲۱۲۶۰-۶۶۱۲۰۷۰۱۹۵
۳۲۱۳۳	(علامہ) محمد بن علی الشوکانی	۲۰۸۱۲۸۹۱۲۸۲۱۲۸۲۱۲۷۹
۳۶۸	محمد بن قدامہ	۲۰۷ (حضرت) مریمؑ علیہا السلام
	(الملك ناصر) محمد بن قلاؤون	۲۹۲۱۲۸۱۲۰۲۱۱۱۶۱۱۱۲۸۲- (امام) مالکؒ
		۲۲۰۷۱۹ (خلیفہ) امون
	(شیخ) محمد بیچہ البیطار دیکھئے بیچہ البیطار	۲۸۱
۶۳	محمد انجاز البلاسی	۲۶۵
۷۹	(شیخ) محمد عبدالرزاق حمزہ	۱۸۱۱۱۵۶۱۱۵۵ (امام ربانی) محمد دالت ثانیؒ
۲۸۶۱۷۹	(شیخ) محمد نصیف	۳۵۱۳۲ (ابو البرکات) محمد الدین ابن تیمیہ

۲۸۱	ملکی (طیب)	۱۳۶	ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ
۲۸۲	لینا	قازان	محمود دیکھے
۱۲	(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی	۱۶۰	(علامہ) محمود آوسی
۲۱۶	(خلیفہ) منصور	نوی	(امام) محی الدین دیکھے
۸۲	(شیخ) موفق الدین ابن تدمر	۷۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۱۲	(شیخ اکبر) محی الدین ابن عربی
حسام الدین	دیکھے	۱۵۸۱۱۵۵-۵۶، ۱۵۲، ۱۷۷، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱	
۸۶	(حضرت) میکائیل	۵۰	(شیخ) مرعی ابن یوسف الکری
	(۵) (۷)	۲۶۵	مرقس
۷۰	(سیدنا حضرت) روح علیہ السلام	۲۸۱	مزن
۲۷	ناصر الدین قلاوون	۲۵۱۲۳	(خلیفہ) مستعصم باشر
محمد بن قلاوون	(السلطان) ناصر دیکھے	۲۸۱	سیحی (طیب)
۲۳، ۲۲	(الملک الصالح) نجم الدین ایوب	۲۷۵، ۲۸۶	(شیخ) مصطفیٰ ابابا حلی
۳۶۸	(شیخ) نجم الدین حرانی	۲۶۱	(شیخ) مصطفیٰ قبائی دمشقی
۱۱۱	(امام) نخعی	۵۹	(حضرت) معاویہؓ
۲۳۳	(امام) نسائی	۱۸۳	معروت کرخی
۸۵، ۱۷۷، ۱۷۷، ۱۷۳، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۷۰، ۱۷۰	(شیخ ابوالفتح) نصر اللہی	۱۶۳	(مخدوم) معین الدین ٹھٹھوی
۲۹۱، ۲۹۰، ۲۲۳	(خواجہ) نصیر الدین طوسی	۱-۱۷۳، ۹، ۲۲۸	(مؤرخ) مقریزی
۲۲۱	(شیخ محمد) نصیف دیکھے	ملبقات	ٹاگر۔ فرشتہ دیکھے
	نظام (قلسی)	۲۵۵	مل (Mill) انگریزی منطقی

۶۹	(سیدنا حضرت) ہارون علیہ السلام	۱۶۰۱۱۵۲	(علامہ خیر الدین) نعمان آلوسی
۲۷۷	(سیدنا حضرت) ہود علیہ السلام	۱۹۵۱۸۷۱۸۶	(سیدہ) نفیہ
۱۶۵	(شیخ الاسلام عبدالشکر) ہروی انصاری	۹۷	نور الدین الزواوی
۲۲۳۱۶۵	ہلاکو خان	۲۳	(سلطان) نور الدین علی
۲۵۶	ہیوم (HUME - فلسفی)	۹۷	نور الدین مالکی
	(۷)	۳۷۵۱۱۱۱۳۰۱۲۹۱۲۶۱۲۴	(امام) نووی
۲۷۶۱۲۶۵	یوحنا	۱۶۳۱۱۶۱۱۱۴۹	(حکیم الاسلام شاہ) ولی اللہ دہلوی
۳۶۸	یوسف بن محمد	۳۶۹۱۲۳۹۱۳۲۸۱۲۳۶۱۳۳۵۱۳۳۳۱۱۶۴	
۱۹۳	پولس قلیسی		(۸)

طبقات و قبائل - اقوام و خاندان

۷۶۱۷۵۱۷۳-۱۳۱	اتحادی (قائلین و صرۃ الوجود)	۶۸۱۲۶۱۳۲۱۱۵	انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
۲۰۴۱۱۹۰	اجار و رہبان	۱۹۵۱۱۹۴۱۱۸۶۱۱۸۳۱۱۸۱۱۱۳۹۱۷۶۱۷۱	
۲۶۴	اریوسی	۲۳۲۱۲۲۷-۲۹۱۲۱۸۱۲۰۷-۹۱۲۰۳۱۲۰۲	
۲۱۴	ازواج مطہرات	۲۶۴۱۲۶۲۱۲۵۴۱۲۴۴۱۲۴۴۱۲۳۷۱۲۳۶	
۲۱۵۱۱۹۷۱۱۸۹۱۶۴۱۱۷	اسماعیلی	۲۸۱۱۲۷۹۱۲۷۷۱۲۷۳۱۲۶۹-۷۰۱۲۶۶	
۱۰۷۱۸۴۱۲۶۱۳۹۱۳۱	اشاعرہ، علماء اشعری	۳۱۰۱۳۰۷۱۳۰۱۲۹۵۱۲۹۲۱۲۸۱۲۸۷	
۲۲۱۱۱۵۳		۳۴۰۱۳۲۹۱۳۲۸۱۳۲۲	

۶۱۱۶۰۱۵۹۱۵۷	اہل شام شامی	۱۸۶	آل فرعون
۶۴	اہل قبرص	۸۲	امت محمدی
۱۲۸۳۱۲۷۷۱۲۷۰۱۲۶۸۱۶۶	اہل کتاب -	۳۶۴	امراء عرب
۳۶۰۱۲۸۴		۳۶۳ (۲۹۲۱۲۹۰۱۱۸۳	(حضرات) انصار
۳۳۴	اہل کوفہ	۹۹	اہل اسکندر
۳۳۴	اہل مدینہ	۲۲۱۲	اہل بدعت
۳۴۶	اہل مکہ	۳۰۱۳۰۱ - ۳۰۲۵۵۱۱۹۷۱۸۶	اہل بیت کرام -
۳۴	اہل مذاہب (اربعہ)	۳۱۰ - ۱۲۱۳۰۹	
۱۳۲	اہل مغازی و سیر	۱۸۱	اہل تشبیہ
۲۸۵	ائمہ اشاعرہ	۱۱۱۱۷۲۱۶۵۱۶۴	اہل تشیع، شیعہ و روافض -
۳۴۳ (۱۵۲۱۱۱۱۱۱۱۰۱۰۸	ائمہ اربعہ	۱۳۰۲۱۲۸۵ - ۹۴۱۲۱۲۱۱۹۷۱۱۹۶۱۱۹۳	
۳۰۲	ائمہ اہل بیت	۳۰۸ - ۱۲۱۳۰۳	
۴۵	ایرانی	۱۹۹۱۹۶۱۹۱۱۸۴۱۱۸	اہل تصوف، صوفیہ -
۳۹۱۳۰	ایوبی، بنی ایوب	۳۴۵ (۱۸۹۱۱۶۶	
۲۳۶۱۲۱۲۱۱۸۹۱۶۴۱۴۰۱۱۷	باطنی، باطنیہ -	۳۴۱	اہل جہالمیت
۳۰۴۱۲۹۳		۱۰۰۱۹۹۱۶۰۱۵۷۱۵۱۱۴۹۱۴۸	اہل دمشق -
۳۱۶۱۲۸۳۱۲۰۱	بت پرست	۱۰۳۱۰۲	اہل ذمہ
۲۷۱۱۲۶۶	بنی اسرائیل	۱۵۳۱۸۳۱۶۸۱۶۷۱۴۶۱۴۴	اہل سنت و اجماع -
۳۰۰	بنی بویہ	۲۱۱۱۲۸۴ - ۷۷۱۱۸۸۱۱۶۲۱۱۶۱۱۵۹۱۱۵۷۱۱۵۵	
		۳۵۶	

خابلہ۔ ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱

۳۴۵، ۱۶۲، ۱۵۲

۲۴۹، ۲۴۸

خواری

۱۰۷، ۳۳

خاندان ابن تمیہ

۲۲

خاندان عباسی

۳۰۶

خلفائے ثلاثہ

خلفائے راشدین۔ ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۵، ۲۸۷، ۲۸۹

۸۳، ۵۹

خوارج

۱۷

دروزی

۶۶

رقائی

۲۶۳، ۲۴۵

رومی

۱۰۰

سبعینہ (فرقہ)

۲۳۰

ستارہ پرست

۳۰۰

سلاجقہ، بنی سلجوق

۳۱

شافیہ

۲۲۰

شاہان روم

۳۵۷، ۳۵۱، ۲۶۳، ۲۱۷، ۲۱۶

شیاطین

۳۲

صابین

صحابہ کرامؓ۔ ۱۱۸، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۶

۳۰۰

بنی عبدمنات

۶۵

بنی النضیر

۳۰۰

بنی ہاشم

پادری، عیسائی علماء۔ ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۶۹

۲۴۵، ۲۴۴

تابعین۔ ۱۸۲، ۱۵۳، ۱۱۶، ۱۱۱، ۱۰۸، ۱۲۵، ۱۲۴

۳۵۹، ۳۳۴، ۳۲۴، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۰۱

تاتاری۔ ۲۸، ۱۷، ۶۱، ۳۵، ۲۱، ۶۶، ۶۴

۲۶۰، ۲۲۳، ۲۱۷، ۱۹۵، ۱۷۲، ۱۰۷، ۹۸، ۷۲، ۷۱

۳۳۵، ۳۰۶، ۲۹۰

۲۱۱

تبع تابعین

ترک، ترکی النسل۔ ۲۸، ۲۲، ۲۶، ۲۷، ۱۵۸، ۱۵۲، ۱۳۳، ۱۷۷

۶۵

تیانہ

۳۷۱

تیمی

۲۲۹

جنات

۱۲۱، ۱۸۳، ۷۱، ۷۵، ۷۲

جمہیہ (فرقہ)

۶۲

حاکمی

۱۷

حشاشی

۲۲۰، ۱۴۰، ۱۱۶

حکمائے یونان

۱۳۲۱۸۴ فقہاء
 ۸۴۱۴۱۳۱ فقہاء شافعیہ، علماء شافعیہ
 ۱۳۸۱۶۶۱۳۵۱۴۰۱۱۵۱۱۴ فلاسفہ، علماء فلسفہ -
 ۲۴۱۱۲۳۲-۲۸۱۲۳۶-۳۰۱۲۳۴۱۲۳۱۱۲۳۰
 ۳۳۰۱۳۳۳۱۳۳۱۱۲۶۱۲۵۸۱۲۵۱۱۲۴۲
 ۳۳۱ فلاسفہ اسلام، حکماء اسلام -
 ۲۳۶۱۲۳۵۰۲۳۴-
 ۲۶۵۱۲۳۶
 ۱۲۳۱۱۲۳۴-۲۹- فلاسفہ یونان، علماء یونان -
 ۳۱۰۱۲۳۲۱۲۳۶
 ۳۰۴۱۱۸۶ قراطہ
 ۲۳۱ قدمائے یونان
 ۳۰۰ قریش
 ۲۸۸ قوم موسیٰ
 ۶۹ گوسالہ پرست
 ۱۳۴۱۶۳ بت پرستین
 ۸۴۱۴۶ متکلمین
 ۲۸۳۱۱۶ مجوسی
 ۱۳۲۱۸۴ محدثین
 ۱۸۹۱۱۸۶۱۱۸۵ شائخ صوفیہ - شائخ طریقت

۱۹۹۱۱۸۴۱۱۸۳۱۱۶۳۱۱۵۳۱۱۳۶۱۱۳۲۱۱۳۱
 ۲۸۴۱۲۸۰۱۲۶۸۱۲۴۳۱۲۱۱۲۰۵۱۲۰۲۰۲۰۱
 ۳۰۵۱۲۹۴-۹۹۱۲۹۲۱۲۸۶-۸۹۱۲۸۵
 ۲۵۲۱۳۳۳۱۳۲۳۱۳۲۲۱۳۱۰-۱۲۰۳۰۸
 ۶۵۱۶۴۱۲۴۱۲۳۱۱۶۱۱۶ صلیبی
 ۲۵۶ طباطبائی
 ۲۱۵۱۱۹۶ عبیدی، قاضی
 ۱۸۹۱۲۸ عجمی - عجمی اقوام
 ۱۹۸۱۱۴۵۱۴۳۱۴۲۸۱۳۲۱۲۸- عرب، اہل عرب
 ۲۶۳۱۲۸۳۱۲۸۲۱۲۶۱۱۲۲۱
 ۱۱۸ علماء بغداد
 ۲۶۵۱۴۱۱۳۶ علماء حنابلہ
 ۸۳ علماء مالکی
 ۲۵۰۱۲۴۹۱۲۴۶۱۲۴۵ علماء منطق
 ۲۲۰۲۱۵۱۱۰۳۱۶۲-۶۵۱۵۴۱۱۶۱۱۶ عیسائی
 ۲۶۳۱۲۶۲۰۲۶۰۱۲۶۹۱۲۶۴-۶۶۱۲۶۱۱۲۶۰
 ۲۳۹۱۴۰۰۱۲۹۰۱۲۸۹۱۲۸۴۱۲۸۲۱۲۶۸
 ۱۵۴ فرقہ مجسمہ
 ۲۶۱۲۳ فرنگی

۳۶۰	مناقضین	۲۳۳	مشائین
۲۹۲، ۲۹۰، ۱۱۸۲	(حضرات) مہاجرین	۱۹۱، ۱۸۱، ۱۷۰، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۸۰	مشکین، لمحدین -
۷۲	نسطوریہ (فرقہ)	۲۱۵، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۴، ۲۰۲، ۱۹۸، ۱۹۳، ۱۹۲	
۲۲۰	نسطوی	۲۰۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۳، ۱۲۲	
۱۹۱، ۱۹۰، ۱۱۶، ۱۸۶، ۱۴۰، ۱۱۸	نصاری - نصرانی -	۱۰۰، ۸۹، ۸۵، ۸۳، ۵۹، ۵۸	مصری - اہل مصر -
۲۲۸، ۲۱۳، ۲۱۱، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۴، ۱۹۵، ۱۹۳		۳۱۱، ۳۱۰، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱	
۲۸۷، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۷۵، ۲۷۲، ۲۶۹، ۲۶۷		۳۱۰، ۲۲۱، ۲۱۹، ۱۸۳	معتزلہ
۲۸۸ - ۹۰		۱۳۳	مفل
۶۴، ۱۱۷	نصیری	۱۳۲	مفسرین
۲۲۰، ۱۷۲	یعقوبیہ (فرقہ)	۲۱۶، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۱۸۶	ملائکہ - فرشتے -
۲۶۳، ۲۴۵، ۲۲۱	یزانی	۲۸۰، ۲۷۱، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۶	
۱۳۲، ۱۳۱، ۱۱۶، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۴۵، ۱۴۰، ۱۱۸	یہود -	۷۲	مکانیہ (سیحی فرقہ)
۲۸۲، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۱۳، ۲۱۱، ۲۰۸، ۱۹۰		۳۰، ۲۶، ۲۲	مایک - خاندان غلامان
۳۳۹، ۳۲۵، ۲۸۷ - ۹۰، ۱۲۸۳		۳۹، ۲۵، ۲۲	ملوک سلاطین

کتابیات

۳۶۸	الاربعین (رازی)	قرآن مجید
۱۴۹	ازالة الخفا	(الف)
۲۰۰	استجاب زیارة خیر البریة	ابن تیمیہ (البوزہرہ) - ۱۳۰۱۳، ۱۵۲، ۱۶۵، ۱۹۰
۳۱۵	اسلام اور غیر اسلامی تہذیب	۳۲۳، ۲۶۲، ۱۲۱، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۶
۳۶۹	اصحاب الکتب الثمہ	۳۶۸ ابن رجب
۳۷۶	الاعتصام	ابن کثیر دیکھیے
۳۲۹، ۳۲۸	اعلام الموقعین	۳۷۲ ابو یعلیٰ
۳۶۹	الاعلام فی ذکر مشائخ الائمة الاعلام	۳۲۸ اجتماع الجیوش الاسلامیہ
۳۲۹، ۳۲۸، ۱۷۶، ۱۱۲	انفاثة اللہقان	۱۵۸ الوجود المرصیة
۳۱۵، ۱۱۲، ۳۱۶	اقتضاء الصراط المستقیم	۳۶۹ احادیث الصلوٰۃ علی النبیؐ
۱۲۰	الفیہ	۳۰ احکام الاحکام
۲۸۰، ۱۲۷، ۱۲۷، ۱۲۷، ۱۲۷، ۱۲۷، ۲۶۵-۲۶۸، ۲۸۲	انجیل	۳۶۹ الاحکام الکبریٰ
	(ب)	۳۲۹ احیاء العلوم
۲۶۷، ۱۲۶	بائبل	۲۲۰ اخبار الحكماء
۱۵۸	البحر المورود فی المواثیق والعمود	۲۱۸ للاختیارات العلمیة
۱۵۷، ۱۱۱، ۱۵۸، ۳۷۵، ۲۱۰	بخاری شریف	۳۷۵ الاربعین (نودی)

٣٦٩	تعلیقہ للثقات	٣٢٨	بدائع الفوائد
٣٦٦	تفسیر ابن تیمیہ	١١١	بداية المجتهد
٢٢٤١٢٢٥١٢١٤١١٢٣	تفسیر سورة الاخلاص -	٥٢١٢٤١٢٣١٢٢١٢٣١٢٣	ابداية والنهاية -
٢١٥١٢٣١-٢٣		١١٩١١٢١٦٥-٦٨١٦٣١٦٢١٥٨١٥٥١٥٣	
٢١٥١١٢٣١٢٣٩	تفسیر سورة النور	٢٤٣١٣٤٢١٢٣٦٩١٣٦٤١٢٢٦١٢٣٥١١٥١	
٣١٥	تفسیر معوذتین	٣٢٢-٣٢	بیان موافقة صریح المعقول
٣٤٢	اتکلیل فی معرفة الثقات	(ت)	
٢٤٩١٢٤٦١٢٤٢١٢٤١١٢٦٦-٦٨	تورات -	١٣٦	تاریخ الاخلاق
٢٨٢١٢٨٠		٣٠	تاریخ الاسلام
٢٠٢	التوسل والوسيلة	٢٦٠١٢٢١١١٩٦١١١	تاریخ دعوت وعزیمت
٢٢١	تہافتہ الفلاسفہ	٢٢٣-٢٢٥	تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب
٣٢٨	تہذیب سنن ابی داؤد	١٥٩	تحفة المحتاج
٣٠	تہذیب الکمال	٣٢٨	تحفة الودود یا حکام الملوود
(ج)		٣٤٢	تخریج ادلة التنبیہ
٣٤٥	جامع العلوم (شرح اربعین)	٣٤٢	تذکرۃ اکھافا
٣٢٨	جلاء الافہام	٣٤٠	ترجمۃ الشیخ تقی الدین ابن تیمیہ
١٦٠١١٥٥١١٥٢١٤٣-٤٥	جلاء العینین -	٢٣	ترجمہ صاحب منتقى الی بار
١٤٩١١٤٨١١٦٣		٣٤٥١١٦١٢٠	(جامع) ترمذی
٢٢٢	ایح بین رأی الحکیمین	٣٤٠	تعلیقہ علی سنن البیہقی

ابحیح بین الصیغین

۳۸

اجواب الصیغ لمن بدل دین المسیح - ۲۵۹، ۱۲۳

۳۱۴، ۲۹۰ - ۲۸۹، ۲۸۷، ۲۶۳ - ۲۸۴، ۲۶۱
۳۲۹

۳۲۸

اجواب الکافی

(ح)

حجۃ الشرایب النعمۃ - ۳۲۹، ۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰

۹۶

الحکم (لابن عطاء الشر)

(خ)

۱۰۱، ۲۸

خط مصر

۱۶۱

خلاصۃ قاموس

۳۶۵

خیر الزاد

(ی)

۷۲

الدرة الفاخرة

۳۷۵، ۳۶۶ - ۳۶۸

الدرر الکامنه

۲۲۱

دقائق

۱۵۲

دلیان البوحیان مفتر

(ز)

۳۷۳

ذیل تذکرۃ الحقاظ

۳۷۳

ذیل طبقات الحقاظ

ذیل طبقات الحقاظ

۳۷۵، ۳۶۹، ۱۲۶

(س)

۷۷، ۷۶، ۱۶۹

الرد الاقوم

۳۷۰

الرد علی ابی حیان النحوی

۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۰، ۱۹۵

الرد علی الاختائی

الرد علی البکری - ۹۵ - ۲۰۲، ۱۹۱ - ۱۹۷ - ۲۱۰

۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۱

الرد علی المنطقیین - ۲۳۶، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۲۴، ۲۲۳

۳۱۴، ۲۵۵ - ۵۷، ۲۴۶ - ۵۲، ۲۴۰ - ۳۲
۳۲۹

الرد الوافر - ۱۳۰ - ۱۲۸، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۲۸، ۱۵۸

۱۸۰، ۱۷۶، ۱۷۴، ۱۷۰

۱۲۰

رساله الاختائیة

۳۱۷

رساله ازهرج

۳۱۷

رساله بغدادیه

۳۱۷

رساله تدمریه

۳۱۷

رساله حمویہ

۱۰۵

رساله رأس سیدنا الحسین

رساله رفع الملام عن الأئمة الأعلام ۱۱-۱۱-۸

۲۰۷، ۲۰۶

رساله زیارة القبور

(ش)

رسالة العبودية ١٨٨١/٨١

٣١٤ شرح اصبهانيه

رسالة القياس ٣١٦

٣٤٠ شرح الفقيه (ابن مالك)

رسالة كيلانيه ٣١٤

٣٤٥ شرح ترمذى

رسالة المحنة ٨٤١٨٦١٤٩

١٦١ شرح جزرية

رسالة الواسط بين المخلوق والحق - ٢٠٤، ١٣٠، ٨١، ٢٠، ٢٩، ٢١٠

١٦١ شرح شاطبيه

رسالة واسطيه ٣١٤

١٦١ شرح شفاء

روح المعاني ١٦٠

١٦١ شرح شمائل ترمذى

روضه المحبين ٣٢٨

١٦١ شرح فقه اكبر

(س)

٣٤٥ شرح ما ذهبان جاثمان

زاد المعاد - ١١١، ١١٢، ١١٣، ١٣٢، ١٣٣، ١٤٢، ١٤١، ٥١، ٢٣٨ - ٣٥٦

٣٠ شرح المهذب

زبور ٢٨٠، ٢٤٩، ٢٤٢

١١١، ٣٠ شرح مسلم (نودي)

الزواج من اقتراف الكبار ١٥٩

١٦١ شرح نخبة

زوايد ابو يعلى ٣٤٢

١٢٩ شرح وقايع

زوايد طبراني ٣٤٢

٣٤٠ شفاء السقام في زيارة خير الانام

(س)

٣٢٨ شفاء العليل

سفرنامه ابن بطوطه ١٥٢

(ص)

٨٤١، ٢٣٣ الصارم السلول على شاتم الرسول

سفرنامه اقشهرى ١٢٢

٣٤٠ الصارم المنكى في الرد على الشكى

سنن ابى داود ١١٦

اتياسا (تاتارى قانون) ٢٨

(ش)

٣١٤ شرح اصبهانيه
 ٣٤٠ شرح الفقيه (ابن مالك)
 ٣٤٥ شرح ترمذى
 ١٦١ شرح جزريه
 ١٦١ شرح شاطبيه
 ١٦١ شرح شفاء
 ١٦١ شرح شمائل ترمذى
 ١٦١ شرح فقه اكبر

٣٤٥ شرح ما ذهبان جائعان
 ٣٠ شرح المهذب
 ١١١، ١٣٠ شرح مسلم (نودى)
 ١٦١ شرح نخبة
 ١٢٩ شرح وقايب
 ٣٤٠ شفاء السقام فى زيارة خير الانام
 ٣٢٨ شفاء العليل

(ص)

٨٤١، ٢٢٣ الصارم السلول على شاتم الرسول
 ٣٤٠ الصارم المنكى فى الرد على التكي

١٨٨، ١٨١ رساله العبوديه
 ٣١٦ رساله القياس
 ٣١٤ رساله كيلانيه
 ٨٤١، ٨٦١، ٤٩ رساله المحنة
 ٢٩١، ٢٠٠، ٨١٢، ٤٠٤ رساله الواسط بين المخلوق والحق - ٢١٠
 ٣١٤ رساله واسطيه
 ١٦٠ روح المعاني
 ٣٢٨ روضة المجيبين

(س)

٢٢٨-٥١١، ٤٢١، ١٣٢، ١٣١، ١١٢، ١١١ زاد المعاد - ٣٥٦
 ٢٨٠، ٢٤٩، ٢٤٢ زبور
 ١٥٩ الزواجر عن اقتراف الكبائر
 ٣٤٢ زوايد ابو يعلى
 ٣٤٢ زوايد طبراني

(س)

١٥٢ سفرنامه ابن بطوطه
 ١٢٢ سفرنامه اقشهرى
 ١١٢ سنن ابى داؤد
 ٢٨ اسياس (تاتارى قانون)

۳۴۲	علوم الحدیث	۳۰۳۱۳۸	صحاح تہ
۳۰	عمدة الاحکام	۳۰۳	صحیحین
۳۴۲	عمدة التفسیر عن الحافظ ابن کثیر	۱۶۶	مرآة مستقیم (ملفوظات پیر احمد شہید)
۱۸۰	عمدة القاری	۱۵۹	الصواعق المحرقة
۸۳	غنیة الطالبین	۳۲۸	الصواعق المرسلہ
	(ف)		(ط)
۳۲۲۱۳۲۱۳۱۸۱۳۱۴۱۱۱۱۱۰۸	فتاویٰ ابن تیمیہ	۳۴۳	طبرانی
۱۵۹	الفتاویٰ الفقہیہ والحدیثیہ	۲۲۰	طبقات الاطباء
۱۵۹۱۱۱۲	فتح الباری (ابن حجر)	۲۲۰	طبقات الامم
۳۴۵	فتح الباری (شرح بخاری ابن رجب ناقص)	۳۴۵۱۳۲۲	طبقات الختالب
۱۵۴۱۴۲۱۶۸	فتوحات کبیرہ	۳۴۲	طبقات الشافعیہ
۳۴	فتویٰ حمویہ	۳۱۳۱۱۳۰۱۲۱	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ
۷۱۲۰	الفرقان بین الحق والباطل	۳۲۸	الطرق الحکیہ
۱۵۶۲۴۱۴۳۱۲۱۴۱۱۰۰۱۶۹۱۶۸	فصوص الحکم	۳۲۸	طریق البحرین
۳۴۵	فضل علم السلف علی الخلف		(ع) (غ)
۱۳۶	فلسفۃ الاطلاق فی الاسلام	۳۲۸	عمدة الصابین ذخیرة الشاکرین
۳۲۸	الفوائد	۱۱۹۱۲۹۱۳۴۱۳۶	العقود الدریہ
۲۲۰	فہرست ابن ندیم	۳۳	العقیدۃ الحکومیۃ الکبریٰ
		۶۸۱۶۷	عقیدۃ واسطیہ

۳۴۲	علوم الحدیث	۳۰۳، ۳۸	صحاح تہ
۳۰	عمدة الاحکام	۳۰۳	صحیحین
۳۴۲	عمدة التفسیر عن الحافظ ابن کثیر	۱۶۶	مرآة مستقیم (ملفوظات سید احمد شہید)
۱۸۰	عمدة الفقاری	۱۵۹	الصواعق المحرقة
۸۳	عقیدة الطالبین	۳۳۸ ۳	الصواعق المرسلہ
	(ف)		(ط)
۳۳۲، ۳۳۱، ۳۱۸، ۳۱۷، ۱۱۱، ۱۰۸	فتاویٰ ابن تیمیہ	۳۴۳	طبرانی
۱۵۹	الفتاویٰ الفقہیہ والحدیثیہ	۲۲۰	طبقات الاطباء
۱۵۹، ۱۱۷	فتح الباری (ابن حجر)	۲۲۰	طبقات الامم
۳۷۵	فتح الباری (شرح بخاری ابن رجب ناقص)	۳۷۵، ۱۳۳۳	طبقات الختالب
۱۵۷، ۱۷۲، ۱۶۸	فتوحات کبیر	۳۷۲	طبقات الشافعیہ
۳۷	فتویٰ جمویہ	۳۱۳، ۱۳۰، ۱۲۱	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ
۷۱۷، ۷	الفرقان بین الحق والباطل	۳۳۸	الطرق الحکیہ
۱۵۱، ۷۷، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸	فصوص الحکم	۳۳۸	طریق البحرین
۳۷۵	فضل علم السلف علی الخلف		(ع) (غ)
۱۳۶	فلسفۃ الاخلاق فی الاسلام	۳۳۸	عمدة الصابین ذخیرۃ الشاکرین
۳۳۸	الفوائد	۱۱۹، ۱۲۹، ۱۳۷، ۱۳۶	العقود الدریہ
۲۲۰	فہرست ابن ندیم	۳۳۳	العقیدۃ المحمودیۃ الکبریٰ
		۶۸، ۶۷	عقیدۃ واسطیہ

١٢٩١١٦٩٠١٢١٢٢١٢٣١٢٤١٢٥١٢٦١٢٧١٢٨١٢٩

ل

٣٤٥١٣٤٣ لحاظ الاحاط

٣٤٥ اللطائف في وظائف الايام

م

٣٩ متن قطب الدين ابو المعالي اشعري

٢٢٦١٢٢٢ مجموعة الرسائل الكبرى

٢٠٦١١٨٨ مجموعة رسائل

٨٦١٤٦ مجموعة عليه

٥٠ مجموعة فرج الشريفي

١٦٣ مجموعة مكاتيب شاه ولي الشرع

٣٦٩ المحرر في الاحكام

١٨٠١١٤٤١١٤٥١١٦٥١١٦١ مدارج السالكين -

٣٢٩١٣٢٨١١٨٨

١٨٨١١٦١ مرقاة (شرح مشكوة)

٢٤١ مزامير داود

٣٠٣ سائيد

٢٢٥١٢٢٢ المتصفى

١٥٤١١١٦ مسلم شريف

ق

٣٠ القواعد الكبرى

١٢٨ انقول اجملي

ك

٢٢٨ الكافية الثانية

٣٤٣ اكمال

١٥٢١١٣٦١٣٨١٣٤ الكتاب (سيبويه)

٢٠٠ كتاب الاستغاثه

٢٢١ كتاب الآراء والديانات

٣٠ كتاب الامام

٣٢٨ كتاب الداء والدواء

٣٢٨ كتاب الروح

٣٦٩ كتاب العمده

٣٣ كتاب النبلاء

٣٢٨ كتاب النبوات - ٣٩١٢١٤ - ٣١٥١٢٢١٢٣٦

٤٢ كنز المحكم المربوط

١١٩١٨٨١٥١١٥٠١٢١٢٢٨١٣٥ الكواكب الدرية -

١٢٨١١٢٩١١٣١ - ٣٣١١٣١ - ٣١١١٣٩ - ١٢٥١١٣٢١١٣٩

٤٤٤-٤٩١١٤٥١٤٣١٤٢١٤٠١٦٩١١٢٩

ل

٣٤٥١٣٤٢ لحاظ الاحاط

٣٤٥ اللطائف في وظائف الايام

م

٣٩ قن قطب الدين ابو المعالي اشعري

٢٢٦١١٢٢ مجموعة الرسائل الكبرى

٢٠٦١١٨٨ مجموعة رسائل

٨٦١٤٩ مجموعة علمية

٥٠ مجموعة فرج الشريفي

١٦٣ مجموعة مكاتيب شاه ولي الشرع

٣٦٩ المحرر في الاحكام

١٨٠١١٤٤١١٤٥١١٦٥١١٦١ مدارج السالكين -

٣٢٩١٣٢٨١١٨٨

١٨٨١١٦١ مرقاة (شرح مشکوة)

٢٤١ مزامير داود

٣٠٣ مائيد

٢٢٥١٢٢٢ المستصفى

١٥٤١١١٦ مسلم شريف

ق

٣٠ القواعد الكبرى

١٢٨ القول الجلي

ك

٢٢٨ اركان الشافية

٣٤٣ اكمال

١٥٢١١٣٦١٣٨١٣٤ الكتاب (سيبويه)

٢٠٠ كتاب الاستغاثه

٢٢١ كتاب الآراء والديانات

٢٠ كتاب الامام

٣٢٨ كتاب الداء والدواء

٣٢٨ كتاب الروح

٣٦٩ كتاب العمدة

٣٣ كتاب النبلاء

٣١٣١٢٢٢١٢٣٦-٣٩١٢١٤ كتاب النبوات -

٣٢٨ انكلم الطيب

٤٢ كنه المحكم المربوط

١١٩١٨٨١٥١١٥١١٢١٢٢٨١٢٥ الكواكب الدرية -

١٢٥١١٢٢١١٣٩-٢١١٢١-٣٣١١٢٩١١٢٨

مناقب ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری - ۱۶۳	۳۷۲، ۳۰۳، ۱۱۶، ۱۳۸	مسند امام احمد
مختب من البیہقی	۳۷۲	مسند الشیخین
مختب من مسند الامام احمد	۱۸۸، ۱۶۱	مشکوٰۃ
مختب من سنن ابی داؤد	۱۵۸	مشکوٰۃ الانوار
المفتقی	۱۵۸	المضنون بہ علی الہ
مفتقی الاخبار	۱۵۸	المضنون بہ علی غیر الہ
مفتقی من تہذیب الکمال (للمزی)	۷۲	مطالع النجوم
منطق الشفاء	۱۵۸	معارض القدس
منہاج السنہ - ۲۹۰، ۹۸، ۲۸۶، ۲۸۴، ۲۵۹، ۱۱۳۳	۲۲۶	معارض الوصول
۳۲۹، ۳۱۶، ۳۱۴، ۳۰۹ - ۱۲، ۳۰۶، ۳۰۲، ۲۱۳، ۱	۲۲۱	المعتبر
منہاج الکرامہ	۳۶۶	معجم (ذہبی)
منہاج الوصول إلی علم الأصول	۳۳۸	مفتاح دار السعاده
المواقفات	۲۲۵	مقاصد الفلاسفہ
میزان الاعتدال	۲۵۵	مقدمہ ابن خلدون
(ن)	۳۰	مقدمہ ابن الصلاح
النبوات دیکھئے کتاب النبوات	۱۵۷، ۱۵۵	مکتوبات امام ربانی
الندوہ (رسالہ)	۲۲۱	الملل والنحل
نذیرۃ الخواطر	۳۳۸، ۱۸۸، ۱۶۵، ۱۶۱	منازل السائرین
نفحۃ الارواح	۱۹۷	مناکح المشاہد

سائق ابى عبد الله محمد بن اسماعيل بخارى - ١٦٣	٣٤٢:٣٠٣:١١٦:١٣٨	سند امام احمد
٣٤٠ فتخب من البيهقي	٣٤٢	سند الشيخين
٣٤٠ فتخب من سند الامام احمد	١٨٨:١١٦١	شكوة
٣٤٠ فتخب من سنن ابى داود	١٥٨	شكوة الانوار
٢٨٦ المنقى	١٥٨	المضنون به على ابيه
٣٢٢:٣٣ فتقى الاخبار	١٥٨	المضنون به على غير ابيه
٣٤٠ فتقى من تهذيب الكمال (لمترى)	٤٢	مطالع النجوم
٢٢٢ منطق الشفاء	١٥٨	معارض القدس
منهاج السنة - ١٢٣:١٢٥٩:٢١٢٨:٢٨٦:٢٨٩:٢٩٠	٢٢٦	معارض الوصول
٣٢٩:٣١٦:٣١٢:٣٠٩-١٢٠:٣٠٦:٣٠٢:٣٠١	٢٢١	المعتبر
٣١١:٣٠٥:٣٠٢:٢١٢:٢٨٦:٢٨٣ منهاج الكرامه	٣٦٦	معجم (ذاهبى)
٣١٤ منهاج الوصول إلى علم الأصول	٣٣٨	مفتاح دار السعادة
٣٤٦ الموافقات	٢٢٥	مقاصد الفلاسفة
٣٠ ميزان الاعتدال	٢٥٥	مقدمه ابن خلدون
٣٠	٣٠	مقدمه ابن الصلاح
٣١١:٣٠٥:٣٠٢:٢١٢:٢٨٦:٢٨٣ كتاب النبوات	١٥٤:١٥٥	مكتوبات الامام ربانى
٢٢٢ الندوه (رساله)	٢٢١	الملل والنحل
١٢٦ نزهة الخواطر	٣٢٨:١٨٨:١١٦٥:١١٦١	منازل السائرين
٢٢٨ نفحة الارواح	١٩٤	مناكب حج المشاهير

۱۲۰ وفيات الایمان

نقض النطق - ۲۲۲، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۷

۴

۲۵۲، ۲۵۳، ۲۶۸

۲۲۸ ہادی الأرواح

۳۳۱، ۳۳۲

نیل الاوطار

۱۳۹ ہادی

۵

الہدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن ۲۷۳

۱۷۶

الواہل الصیب

مقامات

۳۲ بادية الشام (صحراء)

الف

۳۰۸ (میدان) بدر

۳۶۲

أحد

۷۹ بروج مصر

۳۲

آرمینیا

۱۸۲، ۳۲ بصره (عراق)

۱۰۲، ۱۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۶

اسكندرية

۲۷۱ بصرى (شام)

۱۶۱

افغانستان

بغداد - ۱۹۵، ۱۶۰، ۱۱۸، ۶۵، ۳۳، ۳۲، ۲۵، ۲۱

۳۶۳

اوطاس

۳۷۳، ۲۹۱، ۲۲۳

۳۰، ۱۲۲، ۲۱۴، ۲۲۵

ایران

۳۶۸ بیت المقدس

۲۸

ایشاء

۳۱۶، ۲۲۶ ببئی

۳۲

ایشاء کوچک

۵۶ بیرہ (دمشق)

ب پ

۱۲ پاکستان

۳۷۵

اباب الصغير (مقبرہ دمشق)

۲۱۱۱۹۷۱۱۹۶۱۱۵۴۱۱۴۵۱۱۳۵۱۱۲۴۱۱۱۳۱
 ۲۹۰۱۲۸۴۱۲۷۸۱۲۶۱۱۲۶۰۱۲۳۲۱۲۱۶۱۲۱۵
 ۲۷۱۱۲۶۲۱۲۶۳۱۲۰۰

(ص) (ط)

(محلہ) صاحبیہ (دمشق) ۲۶۸۱۹۱۶۵۱۵۲
 الصوفیہ (مقبرہ - دمشق) ۲۷۳۱۱۲۵۱۲۴
 طرابلس ۲۴
 طور ۱۹۴
 عادلیہ (ع) ۱۲۰

عالم اسلام (اسلامی ممالک) - ۲۸۱۲۵۱۲۴۱۲۱
 ۲۴۴۱۲۳۳۱۲۲۴۱۲۲۳۱۲۱۸-۲۲۱۱۲۱۰-۱۱۵۳
 ۲۳۵۱۳۱۸۱۲۶۰۱۲۵۷۱۲۵۲
 عراق - ۱۱۸۱۱۵۷۱۱۵۳۱۲۷۱۲۵۱۳۲۱۲۵۱۲۱-۱۱۸
 ۲۹۰۱۲۱۱۱۶۰۱۱۳۱
 عرب ۲۶۲۱۳۰۱۱۲۷۸۱۵۷
 عراق ۳۰۲۱۳۰۳۱۱۹۸
 علیقہ (شام) ۲۱۵

۳۲۱۲۱ دو آبہ دجلہ و فرات
 ۳۲ دیار بکر
 ۳۲ دیار ربیعہ
 ۳۲ دیار مصر

(س)

۱۳ رائے بریلی
 ۳۲ الرقہ (البيضاء)
 ۱۳۳ رکن (مقام مقدس)
 ۲۲۰ روم
 ۳۲ الربا (ایڈیبایا اوفا)

(س)

۴۳۱۴۱۴۳۶۱۴۳۴-۴۳۱۴۱۴۳۶۱۴۳۴-۴۳۱۴۱۴۳۶۱۴۳۴
 ۱۶۳ سندھ
 ۲۵۱۲۳ سوڈان
 ۱۲۵ سوق انجیل (دمشق)

(ش)

شام - ۲۷۱۱۷۱۱۶-۲۷۱۱۷۱۱۶-۲۷۱۱۷۱۱۶-۲۷۱۱۷۱۱۶-۲۷۱۱۷۱۱۶
 ۷۸۱۷۵۳۱۵۳۱۴۸-۷۸۱۷۵۳۱۵۳۱۴۸-۷۸۱۷۵۳۱۵۳۱۴۸-۷۸۱۷۵۳۱۵۳۱۴۸
 ۱۲۵۱۰۰۰-۱۰۳۱۹۸۱۹۱۱۸۹۱۸۸۱۸۵۱۸۲

۹۸	گرگ		غ
۶۴۱۶۳	کسروان	۳۰۳	غذیرخم
۳۳۴	کوفہ	۷۸	غزہ
۲۱۴	لاہور		ف
۳۱۵	لکھنؤ	۶۱۱۵۷۱۳۲۱۲۳۱۲۱	(دریائے) فرات
	م	۲۶۰۱۱۷۱۱۶	فلسطین
۳۷۱	مجدل (شام)		ق
۳۶۳-۶۵۱۳۵۹-۶۰۱۳۲۲۱۳۰۴	مدینہ طیبہ	۱۲۱	قازان
۱۹۶	مشهد	۱۹۵۱۰۳۱۱۰۳۰۹۱۱۸۶۱۵۶۱۲۴۱۲۳	قاہرہ
۵۲۱۲۸-۲۲۱۳۹۱۳۵۱۳۱۰۳۰۱۲۲-۲۸	مصر	۳۱۵۱۲۱۵۱۲۱۴	
۸۳۱۷۷-۷۹۱۶۸۱۶۷۱۶۵۱۶۴۱۵۵-۵۸		۲۶۱۱۶۵۱۶۴۱۱۶	قبرص (سائپرس)
۱۱۳۱۱۰۰-۱۰۷۱۹۶-۹۸۱۹۳۱۹۱۱۸۹۱۸۵		۲۶۰	قسطنطنیہ
۱۶۱۱۱۵۹۱۱۳۵۱۱۳۵۱۱۳۲۱۱۲۹۱۱۲۰۱۱۱۴		۱۱۵	قصابین
۲۸۶۱۲۶۱۱۲۶-۱۲۱۶۱۲۱۵۱۲۱۱۱۹۶۱۱۹۵		۱۲۲۱۱۱۹۱۱۱۷۱۱۱۲۱۱۶۰۱۵۳۱۵۲	قلعہ دمشق
۳۷۲-۷۴۱۳۲۹۱۳۱۸۱۳۱۶		۹۶۱۷۸	قلعہ مصر
۴۲	معان	۶۲	(نہر) قلوٹ
۱۹۶	مغرب اقصیٰ		ک
دیکھئے الصوفیہ	مقابر الصوفیہ	۱۹۶	کربلا
۱۳۲	مقام ابراہیم	۱۵۹۱۳۲	کردستان

۴

ہندوستان - ۱۲، ۱۳، ۱۹، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰

ہرات ۱۶۱

۵

مین ۳۰۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰

یورپ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰

یونان - ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰

۳۱-۲۵، ۳۲-۲۵، ۳۳-۲۵، ۳۴-۲۵، ۳۵-۲۵، ۳۶-۲۵، ۳۷-۲۵، ۳۸-۲۵، ۳۹-۲۵، ۴۰-۲۵، ۴۱-۲۵، ۴۲-۲۵، ۴۳-۲۵، ۴۴-۲۵، ۴۵-۲۵، ۴۶-۲۵، ۴۷-۲۵، ۴۸-۲۵، ۴۹-۲۵، ۵۰-۲۵، ۵۱-۲۵، ۵۲-۲۵، ۵۳-۲۵، ۵۴-۲۵، ۵۵-۲۵، ۵۶-۲۵، ۵۷-۲۵، ۵۸-۲۵، ۵۹-۲۵، ۶۰-۲۵، ۶۱-۲۵، ۶۲-۲۵، ۶۳-۲۵، ۶۴-۲۵، ۶۵-۲۵، ۶۶-۲۵، ۶۷-۲۵، ۶۸-۲۵، ۶۹-۲۵، ۷۰-۲۵، ۷۱-۲۵، ۷۲-۲۵، ۷۳-۲۵، ۷۴-۲۵، ۷۵-۲۵، ۷۶-۲۵، ۷۷-۲۵، ۷۸-۲۵، ۷۹-۲۵، ۸۰-۲۵، ۸۱-۲۵، ۸۲-۲۵، ۸۳-۲۵، ۸۴-۲۵، ۸۵-۲۵، ۸۶-۲۵، ۸۷-۲۵، ۸۸-۲۵، ۸۹-۲۵، ۹۰-۲۵، ۹۱-۲۵، ۹۲-۲۵، ۹۳-۲۵، ۹۴-۲۵، ۹۵-۲۵، ۹۶-۲۵، ۹۷-۲۵، ۹۸-۲۵، ۹۹-۲۵، ۱۰۰-۲۵

کوہ مظفر - ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰

منقیہ ۲۱۵

موصل ۳۲

ن

نیک ۴۹

نجف ۲۱۴، ۱۹۶

نصبین ۳۲

دریائے نیل ۲۲

متفرقات

مدارس و معابد اور ادالے:

۳۴۱	مدرسہ ام الصالح دمشق	۳۱۵	انصار السنہ - قاہرہ
۳۴۱	مدرسہ تنگزیہ دمشق	۱۶۱، ۱۵۸	جامع ازہر
۳۴۵	مدرسہ بوزیہ، دمشق	۱۲۵	جامع سوربہ
۱۱۵، ۱۴۳	مدرسہ حلیہ دمشق	۳۰	کتب خانہ مدرسہ کالیہ - دمشق
۹۸	مدرسہ حاجیہ دمشق	۳۴۵	کتب خانہ ندوۃ العلماء - لکھنؤ
۳۶۸، ۳۴۷	مدرسہ صدریہ	۳۱۵	مجلس تحقیقات و نشریات اسلام - لکھنؤ
۳۶۸	مدرسہ ضیائیہ	۱۳۰	المجمع علمی العربی - دمشق
۱۱۵	مدرسہ قصاصین		

۲۶۲	روی بت پرستی	۳۰	درسکالیہ - دمشق
۱۵۱/۱۱۵	(مسئلہ) زیارت قبر نبوی	۱۲۰/۱۷۹	الملکتیہ الظاہریہ - دمشق
۲۳۴	تارہ پستی	۳۷۵	مذوۃ العلماء بکھنؤ
۱۸	شرک	مذہب و تحریکات و نظریات:	
۲۰۱۱۱۳۲۱۱۳	شرعیات اسلامیہ، شریعت محمدی -	۹۶/۶۸/۱۱۹	اشراقیت - اشراق
۶۶	طریقہ رفاعیہ	۱۵۳/۳۹	اشعری عقیدہ
۱۵۷/۱۱۵۳	عقائد اہل سنت	۳۱۱	اعتزال
۱۹/۱۱۳	عقلی ظاہریت	۹۱/۱۱۷	انفلاطونی تصورات - انفلاطونیت
۳۱۱/۱۲۸۴/۲۵۹/۱۹۳	عقیدہ اہل تشیع شیعیت -	۱۹	باطنیت
۲۷۳	عقیدہ تہلیث	۲۳۳	بودھ مذہب
۱۹۵/۱۳۴/۱۷۵/۱۷۴/۱۷۲/۱۱۹	عقیدہ حلول	۱۵۴/۱۳۶	(عقیدہ) تجسیم
۹۱	عقیدہ سلف	۱۶۱/۱۵۵/۱۳۴/۱۹۹/۱۹۶/۱۷۰/۱۶۸	تصوف -
۱۶۷/۱۱۹	عقیدہ وحدۃ الوجود، عقیدہ اتحاد -	۳۴۹/۳۲۸/۱۶۵	
۱۸۰/۱۵۵/۱۳۴/۱۲۱/۱۱۰/۱۹۶/۱۷۰/۷۲		۴۵	(عقیدہ) تنزیہ
۲۷۳/۱۹۵/۱۱۸۶		۱۹۰/۱۶۲/۱۳۸/۱۷۷/۱۱۸	جاہلیت
۳۴۵	فقہ حنبلی	۲۱۸/۲۱۷	جاہلیت و ثنیہ
۶۹	گوسالہ پرستی	۱۹	جوگ
۳۰۹	مبحث ابامت (شیعہ)	۱۱۲-۱۱۳	(مسئلہ) حلف بالطلاق
۱۷	بحوسی عقائد	۸۶	دین نصاریٰ

مساجد و معابد:

بیت الشرف، خانہ کعبہ، مسجد حرام - ۱۱۵

۲۱۰۰۱۹۷۱۱۹۶۱۱۹۲۱۱۹۱

بیت المقدس، مسجد اقصیٰ - ۱۰۷:۱۱۵:۲۶۶۱۲۶
۳۶۸

جامع اموی، دمشق - ۳۶:۳۴:۴۴:۴۲:۴۶:۳۶:۳۴

۱۵۴/۱۲۴

جامع حسینی ۱۰۶

جامع مسجد دمشق ۳۲۸/۱۲۴/۱۶۰۵۵۱۵۲

جامع مسجد غزہ ۷۸

جامع مظفری، دمشق ۳۶۹

مسجد جوزیہ - دمشق ۳۲۷

مسجد نبوی ۱۱۶/۱۱۵

علوم:

اصول تفسیر ۳۱۶

اصول حدیث ۳۶۸/۳۶۷/۳۶۶/۳۶۵

اصول فقہ - ۳۶۷/۳۶۶/۳۶۵/۳۶۴/۳۶۳/۳۶۲/۳۶۱/۳۶۰/۳۵۹/۳۵۸/۳۵۷/۳۵۶/۳۵۵/۳۵۴/۳۵۳/۳۵۲/۳۵۱/۳۵۰/۳۴۹/۳۴۸

النبیات ۲۵۸/۲۲۶-۲۸۰/۲۲۴/۱۱۴

تاریخ ۱۲۷

تفسیر - ۳۶۷/۳۶۵/۳۶۴/۳۶۳/۳۶۲/۳۶۱/۳۶۰/۳۵۹/۳۵۸/۳۵۷/۳۵۶/۳۵۵/۳۵۴/۳۵۳/۳۵۲/۳۵۱/۳۵۰/۳۴۹/۳۴۸

مذہب فقہ، مذاہب اربعہ - ۹۱، ۸۲، ۳۱، ۳۰

۳۳۵، ۱۵۲، ۱۲۷، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۸

مذہب حنبلی - ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

۳۱

۱۳۲

۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴

۱۳۰، ۱۱۵

۲۷۵، ۲۵۹، ۲۴۱، ۲۲۶

۱۳

مذہبی و اصطلاحی الفاظ:

ابن روح القدس، تثلیث ۲۶۹-۷۲

۲۷۳، ۲۶۴، ۲۶۳

۲۷۰

۱۳۱

۲۷۱-۷۳

۱۰۴

۱۰۳، ۵۸

۱۶۳

۳۵۹

۳۲۰	علم نباتات	حدیث - ۱۳۱۶، ۱۳۱۳، ۱۳۶، ۱۲۹، ۱۲۴، ۱۲۸
	علم کلام - ۱۶ - ۱۲، ۱۲۹، ۱۲۰، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۴	۳۶۴، ۳۶۵
		۲۳۰، ۱۲۲۳
		۱۲۴
		۲۵۸، ۱۲۳ - ۱۲۲۳
۳۲۰	علم الکیمیا	۳۴
	علوم اسلامیہ - علوم شریعت - ۱۲۸، ۱۲۵، ۱۲۳	
		۱۲۲۵، ۱۲۵، ۳۶۵
	علوم یونان	۳۲۴، ۳۲۶، ۳۱۱، ۳۱۰، ۱۲۵، ۱۲۵۲، ۱۲۴۴
	فقہ حنفی	۳۲۰
	فلسفہ - ۱۲، ۱۵، ۱۳۲، ۱۲، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۲۵، ۱۲۴	علم ادویہ
		۳۲۳، ۱۲۵۸، ۱۲۵۶، ۱۲۵۵
		علم اسقراء
		۳۱۶، ۱۲۸۵، ۱۲۶۴، ۱۲۸، ۱۲۴ - ۳۱۴
		علم الاسماء (دیوالا)
		۲۶۳، ۱۲۴ -
		علم تصریف
		۳۶۴، ۳۶۵، ۳۲۰، ۱۲۲۶
		علم جورج و تعدیل
		۳۶۴، ۳۱۶، ۱۲۸۵، ۱۲۶۴
		علم انخلافات
		۱۵۲، ۱۲۴
		علم عقائد
		۳۲۲، ۳۲۱، ۳۱۴ - ۱۹
		علم فرائض
		۳۸
		علم فقہ - ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۱، ۱۲۱، ۱۲۱، ۱۲۱، ۱۲۱، ۱۲۱
		۳۲۹
	فن طب	
	فن عروض	۳۲۴، ۱۲۶، ۱۲۶، ۱۲۶، ۱۲۶، ۱۲۶، ۱۲۶

۳۱۶۱۲۲۶	مطبوعه قیصریه - بمبئی	۳۲۰۱۲۸۱۱۱۶۲۱۲۷۱۳۷۱۲۰	(علم) لغت
۱۵۹	مطبوعه کردستان - مصر	۲۶۲	مسیحی علم کلام
۳۷۵	مطبع مصطفی الیابی اعلی	۰۲۲۳۱۲۲۳۱۲۲۱۱۲۱۹۱۱۸۹۱۲۰	منطق -
۳۵۶	مطبوعه مینیه - مصر	۲۵۸۱۲۵۷۱۲۵۵۱۲۲۲-۵۳	
۳۶۲۱۳۵۸-۶۰	مطبع نظامی	۲۲۶۱۱۲۲۱۱۵۱۱۳۶۱۲۷۱۳۷۱۲۰	(علم) نحو -
جنگ اہم تاریخی واقعات و حوادث:		۳۷۱۱۳۶۷۱۳۶۵۱۳۲۰۱۲۸۱	
۳۷۳۱۳۳۵	تاریخ یورش	۱۹	ہندوستانی فلسفہ اشراقیت
۳۶۳۱۱۳۱	جنگ خیر، غزوة خیر	۱۵	یونانی اصطلاحات
۳۰۸	جنگ بدر	۳۲	یونانی علوم
۳۵۹	حجۃ الوداع	۱۹	یونانی فلسفہ اشراقیت
۳۰۸	سریہ	۲۵۸۱۲۵۲۱۲۵۰۱۲۲۷۱۱۳۶	یونانی منطق
۲۶۰۱۱۰۳۱۲۸	صلیبی جنگ	مطالع:	
۳۶۳۱۳۶۰۱۳۰۸۱۲۰۷	غزوات	۱۶۳	مطبع احمدی
۳۶۲	غزوة احد	۲۸۶	مطبوعہ امیریه - مصر
۳۶۳	غزوة اوطاس	مطبع انصار السنۃ - قاہرہ	
۳۶۴۱۳۶۳	غزوة تبوک	۱۶۱	مطبع بولاق - مصر
۳۶۳	غزوة حنین	۱۸۸	مطبوعہ حسینیہ مصریہ
۳۶۳	غزوة فتح (مکہ)	مطبوعہ خیریہ - مصر	
۱۹	فتنہ علوم بیینہ	۲۰۰	مطبوعہ سلفیہ - مصر

۱۹۵	قبر ابو عمر	۳۶۵	مغازی
۲۱۴	مدفن سیدہ زینب	۳۰۸	واقوہ صلیب
۲۱۴	مدفن سیدہ سکینہ	۱۲۱	واقوہ قاذان
۲۱۴	مدفن حضرت علیؑ		ادوار و عہود اور سلطنتیں:
۲۱۴	مزار سید علیؑ بحوری	۲۸۱۲۵	اسلامی حکومتیں
۲۴۵۱۳۲۹	مقبرہ الباب الصغیر، دمشق	۲۳۵۱۳۸	اسلامی عہد
۲۴۳	مقبرہ الصوفیہ، دمشق	۲۶۱۱۴	اولی دور سلطنت سلطنت الوبیہ
	دیگر متفرقات:	۱۹۶	باطنی سلطنت
۲۴۳۲۴۲	اسرائیلیات	۳۱۸	حکومت سعودیہ
۲۹	اسلامی تہذیب	۱۴	زندگی دور سلطنت
۱۴۲	اصیل گھوڑے	۳۲	سلطنت ترکی
۲۶۳۱۲۳۱۲۱۶۱۲۰۴	بت امور تہی	۲۲۰	سلطنت حبابیہ
۲۵۴۱۲۵۳۱۱۹۸۱۱۴۲	چاندی	۱۴۱	سلطنت کسریٰ و قیصر
۸۸	چوسر	۱۹۶	عبیدی سلطنت
۲۸	چنگیزی عادات	۲۶۴	عہد قسطنطین
۲۲۳	درس نظامی	۲۶۴	عہد نبوت
۱۳۹	درہم	۲۶۴، ۲۶۰	عیسائی سلطنت
۲۳۰	دیبا دیوتا		مشاہد، مزارات و مقابر:
۱۳۹	دینار	۳۶۹	روضہ دمشق

۲۹	عربی معاشرت	۱۹	رفاعی سلسلہ
۳۰۸	عرش	۲۳۱۱۲۳۰	تارہ گو اکب
۳۰۲۳۰۳	غدیر خم، یوم خم	۲۵۴۱۲۵۳۱۱۹۸۰۱۷۲	سونا
۱۴۶	کنجشک (چڑیا)	۲۵۴۱۲۵۳	سید
۵۲	منجیس	۸۸	شطنج
۳۰۲۱۳۰۳	یوم عرفہ	۲۶۰۱۶۳	صلیب
		۲۵۱۱۱۶۳۱۱۵۱۲۷	عربی (زبان)

مِلَّةُ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
نور آباد - فتح گڑھ - سیالکوٹ

